زیر سرپرستی شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

جلد ۲۲ جنوری فروری ۱۹۹۶ء شمارہ نمبر ۱-۲

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲۳ بخشی بازار الہ آباد

حامل مضامین تصوف وعرفان ۰ افادات وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر۔ احمد مکین

شمارہ: ۱/۲ - رمضان و شوال ۱۴۱۹ھ، جنوری و فروری ۹۹ء جلد: ۲۲

قیمت فی پرچہ آٹھ روپیہ سالانہ زر تعاون اسّی روپیہ ششماہی پینتالیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۶ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اعلان

رسالہ کا زرِ تعاون جنوری سنہ ۹۹ء سے مبلغ اسّی روپیہ سالانہ کر دیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ :۔

"سر منصوری کا بار آیا"

ایک منظم پیمانے پر مدارس اسلامیہ کو بدنام کرنے اور دہشت ناک شکل میں پیش کرنے کی کوشش کیجارہی ہے انکے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرکے عوام کو بدظن کیا جارہا ہے۔

اخبارات اور نشر و اشاعت کے ذرائع سے غلط اور بے بنیاد افواہیں مدارس و طلباء کیلئے پھیلائی جارہی ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ابھی کچھ عرصہ قبل انکی بے اہمیتی مسلّم اور بے وقعتی غیر مختلف فیہ تھی، غیر تو غیر اپنے بھی انکو ناکارہ، نکما اور قوم و ملت پر ایک بار گراں محسوس کرنے میں پیش پیش تھے،

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام
چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرز ملامت

انکا قصور صرف یہی ہے کہ دنیا سے بے خبر اور دنیا کے لئے بے ضرر ہوکر دین و اسلام کے لئے خود کو وقف کردیا ہے۔ اپنی دانش گاہوں سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود کلرکی سے محرومی پر شکوہ نہیں کیا، اور نہ مایوس و بددل ہوکر ان درس گاہوں سے کنارہ کشی اختیار کی بلکہ اپنی بے سرو سامانی اور فقر و افلاس کی زندگی پر قانع رہے، لیکن حالات بدل گئے یہ بے اثر اور بے ضرر اب دنیا کی نگاہ میں اسقدر طاقتور ہوگئے کہ پورا عالم ان سے خوف زدہ ہے، ان بوریہ نشینوں سے ایوان بالا کے تخت نشیں گھبرانے لگے، ان سفالہ پوشوں سے قصر ابیض کے بھی ساکنان فکر مند ہوگئے۔ دنیا کے لئے سب سے بڑا خطرہ محض دین اور

دیندار ہیں۔ کسی "ڈاکٹر، انجینیر اور سائنسداں سے خطرہ نہیں۔ مہلک ہتھیاروں کے ایجاد کرنے والے سے عالم انسانیت کو خطرہ نہیں کیونکہ ان کو اپنی راہ میں مزاحم نہیں سمجھتے بلکہ بعض تو ان میں معاون بن جاتے ہیں۔ مزاحم سمجھا جارہا ہے تو اسی بے چارے "ملّا" کو، لہٰذا اب یہی گردن زدنی کے لائق ہے ؎

موسم آیا تو نخل دار پہ میر
سر منصور ہی کا بار آیا

موجودہ حالات میں مدارس و مکاتیب کی افادیت ہر ذی علم پر عیاں ہے۔ اسکے وجود و بقا کیلئے سب ہی کوشاں ہیں۔ غیروں کی واویلا سے اپنوں کو بھی اسکی اہمیت کا احساس ہوا " جب کیا تنگ بتوں نے تو خدا یاد آیا " قربان جائیے اسلاف کی دوراندیشی اور انکی لائحہ عملی پر کہ انھوں نے نہایت خاموشی سے زوال حکمرانی کے بعد قوم کی بقا و شناخت کے لئے کمال ہوشیاری سے شہر شہر، قریہ قریہ مدارس و مکاتیب اسلامیہ کا جال بچھا دیا جس سے گھر گھر دین کی روشنی پہونچتی رہے اور ہر کان دین و مذہب سے آشنا رہے تاکہ سیاسی شکست خوردہ اور سلطنت و حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھنے والی قوم ایمان و عمل کی دولت نہ کھو بیٹھے بلکہ اپنے شعائر اور علامتوں کے ساتھ باوقار زندگی گذارے، یہاں کی فضاؤں میں صدائے لا الٰہ گونجتی رہے ہمارے مکانات سجدہ ریز پیشانیوں سے خالی نہ ہوں، ہمارے بچوں کی زبان کلمۂ وحدانیت سے تر رہیں، ہمارا معاشرہ اسلامی معاشرہ ہو۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی "مدرسہ عربیہ وصیۃ العلوم" بھی ہے۔ حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ جہاں کہیں قیام فرماتے وعظ و تبلیغ اور اصلاح و تربیت کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس کے سلسلہ کو بھی جاری رکھتے، صلحاء و سالکین کے ساتھ ساتھ علماء و طلباء کی جماعت بھی ہمرکاب

خواہ وہ وطن فتحپور رہو، یا گورکھپور کا عارضی قیام یا الہ آباد کی مستقل سکونت اصلاح وتربیت کے ساتھ درس وتدریس کا نظام ہر جگہ قائم رکھا گیا۔ الہ آباد میں قیام کے بعد مدرسہ وصیۃ العلوم ایک نظام اور ضابطہ کے ساتھ شروع ہوا طلبار اور اساتذہ کے رہائش کیلئے کچھ کمرے تعمیر ہوئے، درسگاہیں بنیں، کچھ طلبار اور اساتذہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں قیام پذیر ہوئے اور خانقاہ میں بھی تدریسی سلسلہ قائم ہوا۔ حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ اس مدرسہ کی بقا و ترقی کے لئے فکرمند رہتے نیز اپنے مخصوصین کو اسکی جانب متوجہ فرماتے۔ وطن فتحپور سے ایک خط میں جناب شاکر حسین خانصاحب کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"خانصاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
آپ کو میرے جوابات ملے ہوں گے امید ہے کہ اس سے ضرور آپکو بصیرت ہوئی ہوگی، میں نے جو دین کی بنیاد الہ آباد میں رکھدی ہے اسکا باقی رکھنا اور ترقی دینا اہل الہ آباد کا فرض ہے خاص وہ لوگ جو مجھ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں انکا اہم فریضہ ہے کہ میری تعلیمات جاری رکھیں اور میری اصلاحی چیزوں کی خصوصیت پہچانیں اور لوگوں کو اتفاق واتحاد پر قائم رہنے کی برابر ہدایت کرتے رہیں۔"

الحمدللہ جانشین مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ کے زیر سرپرستی واہتمام یہ مدرسہ وصیۃ العلوم باقی و مائل بہ ترقی ہے۔ حضرت والا کی خصوصی دعاؤں و توجہ کا ثمرہ ہے کہ آج تک اپنے بانی کے اصول پر اشاعت دین کی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ملک و بیرون ملک ہر جگہ معتمد اور قابل اعتبار حیثیت کا حامل ہے۔

حضرت قاری صاحب مدظلہٗ پر اعتماد کرکے اللہ کے مخلص بندے اسکی اعانت اور نصرت فرماتے رہتے ہیں، بغیر سوال و الحاف کے خداوندی لوگوں کے قلوب اسکی جانب مائل ہوتے ہیں اور نہایت خوشی سے دین کی

خدمت کر گذرتے ہیں ۔ فی زمانہ محض اعتماد و توکل علی اللہ کے سہارے اتنے بڑے ادارے کا چلنا، ایک خطیر رقم کا صرف ہونا، بغیر کسی تحریک چندہ و سفیر و اشتہار کے اللہ کا فضل اسکے بانی کی دعا و توجہ اور حضرت قاری صاحب مدظلہ کے اخلاص کا ثمرہ ہے کہ ناممکن چیز ممکن پذیر ہے ۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔

اگرچہ مدرسہ کی عمارت میں بہت کچھ اضافہ ہو چکا ہے تاہم طلباء و اساتذہ کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے تنگی کا احساس برقرار ہے چونکہ مدرسہ وسط شہر میں واقع ہے اسلئے وسعت کے مواقع کم میسر ہو پاتے ہیں اگر کبھی ملتے ہیں تو پوری کوشش ہوتی ہے کہ یہ موقع ضائع نہ ہونے پائے ۔ الحمد للہ ادہر دو تین سال کے عرصہ میں مختصر مختصر مکانات کی خرید توسیع مدرسہ کیلئے ہوئی ہے یہ مکانات خام اور خستہ حال ہیں بغیر از سر نو تعمیر کے مدرسہ کی ضروریات کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے، لہٰذا قارئین سے گذارش ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ غیب سے انتظام فرما دے کہ یہ مقاصد حسنہ جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہونچ جائیں ۔ نیز انھیں مکانوں سے متصل دو اور مکان فروخت ہو رہے ہیں جنکا حاصل کرنا مدرسہ کے لئے نہایت موزوں بلکہ ضروری ہے ۔ اسکے حصول کے لئے بھی خاصی رقم درکار ہے دعاء فرمائیں کہ سب انتظامات بآسانی ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ حضرت مصلح الامت کی اس یادگار کو ظاہری و باطنی ہر طرح کی ترقی و عروج عطا فرمائے نیز تاقیامت باقی و قائم رکھے ۔

مدرسہ سے متعلق مسجد ہے جسکا نظم و نسق بھی حضرت قاری صاحب مدظلہ کے سپرد ہے ۔ نظم و ضبط اور سکون و طمانینت کے معاملے میں یہ ایک مثالی مسجد ہے ۔ اب پہلے کی بہ نسبت بہت وسیع و عریض ہو گئی لیکن پھر بھی جمعہ و عیدین میں نمازیوں کی کثرت کی بنا پر "نچلا حصہ" پُر ہو جاتا ہے اس ضرورت کے تحت امسال ایک منزل کا اور اضافہ کر دیا گیا ہے ۔ اب

بحمداللہ مسجد کا حصہ دو منزلہ ہوگیا اور مصلیوں کے لئے گنجائش مزید ہوگئی۔

حضرت والا قدس سرہٗ کی دوسری امانت رسالہ "وصیۃ العرفان" ہے جو ہر ماہ آپ کو موصول ہوکر زیر مطالعہ رہتا ہے آپ اسکے ذریعہ "تعلیمات حضرت مصلح الامتؒ" اور بزرگان دین کے مضامین سے مستفیض ہوتے ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ رسالہ کے خریداران میں اضافہ کے لئے کوشش فرمائیں۔ اور جن حضرات کے ذمہ کوئی رقم واجب الادا ہو وہ اولین فرصت میں روانہ کرنے کی زحمت فرمائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمدنی کا یہی ایک واحد ذریعہ ہے، اور بطور تبادلہ جو رقم آتی ہے رسالہ کے اخراجات اسی سے پورے ہوتے ہیں ورنہ رسالہ کے لئے نہ تو چندہ ہوتا ہے اور نہ ہی اسکی اعانت کے لئے کوئی ادارہ وتنظیم ہے۔ یہ بھی خدا کا شکر ہے کہ ایک طویل عرصہ سے رسالہ بغیر خارجی تعاون کے اشاعت دین کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ لہٰذا اسکے اجرار و بقا کے لئے نہایت ضروری ہے کہ کم از کم واجب الادا رقموں کو جلد از جلد روانہ کردیں۔ دوسرے اعزازی طور پر ترسیل رسالہ کا مطالبہ کرکے ادارہ کو زیر بار نہ کیا جائے کسی کی خواہش کا رد کرنا ہمارے لئے بڑا تکلیف دہ عمل ہوتا ہے کہیں کہیں اور کبھی کبھی اس عمل پر ہم مجبور ہوتے ہیں۔ بالخصوص ہمارے دینی مدارس اور دینی تنظیمیں جنکے پاس تحصیل زر کے مختلف ومتنوع ذرائع ہیں، اخراجات کے بھی نو بہ نو شعبے ہیں اگر اس خرچ کو بھی کسی خانہ میں ڈال لیں تو بڑا اکرم ہو، اور طرفین کسی طرح زیر بار نہوں۔

حضرت والا علیہ الرحمہ کی تیسری امانت "خانقاہ" ہے۔ الحمدللہ

شین مصلح الامتؒ حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی کے قیام فرما نے کی وجہ سے واردین و سالکین کی آمد و رفت جاری رہی اور یہ خانقاہ کرین و شاغلین سے آباد رہی، اب بحمد اللہ طبیعت بہتر ہے لیکن کچھ نہ کچھ ارض ساتھ میں لگے ہوئے ہیں دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مکمل طور پر صحت طا فرمائے۔ امسال رمضان شریف میں قیام الہ آباد ہی میں رہے گا، دسکتا ہے بعد رمضان بمبئی وغیرہ کے اسفار ہوں۔

اس امر سے بارہا مطلع کیا جا چکا ہے کہ مدرسہ عربیہ وصیۃ العلوم لہ آباد کا کوئی سفیر نہیں ہے اور نہ ہی مروج طریقہ پر رسید دی جاتی ہے۔ اگر مدرسہ کے نام پر کوئی سفیر پہنچے تو اس سے ہوشیار رہیں۔ اس مدرسہ کی رقم اسکے حوالہ نہ کریں۔ البتہ کچھ مخصوص احباب اپنے دوستوں عزیزوں سے رقمیں جمع کر کے الہ آباد بھیجدیتے ہیں اور کچھ لوگ براہ راست حضرت قاری صاحب مدظلہ کے نام رقم روانہ کر دیتے ہیں۔

پتہ: مدرسہ وصیۃ العلوم ۲۳/۲۵ بخشی بازار، الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

بینک ڈرافٹ مندرجہ ذیل حروف سے بنائے جائیں:۔

"MADARSA WASIATUL ULOOM"

"لیک اُٹھے کبھی تو اک نقش بٹھا کے اُٹھے"

اس صفحہ ہستی پر کتنے ہی نقش بنائے اور حرف غلط کی طرح مٹا دیئے جاتے ہیں، سب ہی حرف غلط کی طرح ہیں لیکن کچھ لوگ جب اٹھتے ہیں تو ایک نقش بٹھا کر اٹھتے ہیں، انکی جدائی سب کے لئے شاق ہوتی ہے، قلب کو رنجیدہ اور طبیعت کو افسردہ کر دیتی ہے، یہ اپنی ذات میں تنہا ایک انجمن ہوتے ہیں، انکی وفات محض ایک فرد کی وفات نہیں ہوتی بلکہ اس کے ہمراہ اعلیٰ قدریں، وضعداری، خلوص ومحبت، علم وفضل، تقویٰ وسلوک کی نہ جانے کتنی محفلیں ویران ہو جاتی ہیں۔ انکی تحریک وعمل سے سیکڑوں میں عمل کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے، انکے علم وفضل کی روشنی پورے علاقہ کو منور کر دیتی ہے، انکے تقویٰ و پرہیزگاری کی برکت سے اہل تقویٰ و اہل دل کی ایک جماعت تیار ہو جاتی ہے۔

۷ر دسمبر ۱۹۹۸ء کو ایسا ہی ایک سانحہ وقوع پذیر ہوا، مولانا ذاکر رحیمی صاحب نے انتہائی رنج وغم کے ماحول میں یہ خبر سنائی کہ والد محترم جناب مولانا شاہ فضل رحیم صاحب (پرنام بٹ مدراس) اب اس دنیا میں نہیں رہے، شب برأت میں بیماری شدید ہوئی اور چند ہی یوم میں مالک حقیقی سے واصل ہو گئے۔ طاب اللہ ثراہٗ وجعل الجنۃ مثواہٗ۔

مولانا فضل رحیم صاحب علیہ الرحمۃ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب علیہ الرحمۃ (مدراس) کے چھوٹے بھائی تھے۔ دونوں بھائی علم وفضل اور تقویٰ و پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ دونوں بھائی حضرت اقدس مصلح الامۃ اقدس سرہٗ کے مجاز بیعت تھے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے

پر نام بٹ مدراس میں ایک مدرسہ دینیہ وصیۃ العلوم کے نام سے ۱۳۸۲ھ میں قائم فرمایا' حضرت والا قدس سرہٗ کے طرز پر اپنے یہاں مدراس میں کام کر رہے تھے، باطنی مناسبت ہونے کی وجہ سے حضرت اقدس کا طریقہ بہت پسند آیا حضرتؒ کی ہر ادا کے عاشق تھے اور ہر طرز پر فدا تھے، مدراس کا علاقہ، زبان کا فرق، لباس و تہذیب کا اختلاف، رہن سہن اور بود و باش مختلف، ان سب کے باوجود بتانے والے بتاتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے حلقہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ خانقاہ مصلح الامت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ ان بزرگوں کی بے مثال محنت تھی کہ اپنی ذات کے ساتھ ساتھ اپنے ماحول اور اپنے اعزہ و احباب' اپنے ادارہ و مدرسہ کو بھی ایسا بنا دیا اور اسی رنگ میں رنگ دیا کہ کوئی کہہ نہ سکے کہ من دیگرم تو دیگری" ۔

یہ دونوں پاکیزہ ہستیاں اس وصف میں ممتاز و نمایاں تھیں کہ تاحیات اپنے شیخ و مرشد کے مدرسہ و خانقاہ اور متعلقین کی فکر رہی حضرت قاری صاحب مدظلہٗ سے خط و کتابت فرماتے رہتے اور گاہے بگاہے فون پر خیریت دریافت کرتے۔ بیماری وغیرہ کی خبر سن کر بے چین ہو جاتے یہ انکی اپنے شیخ سے راسخ محبت کی علامت تھی کہ شیخ کے بعد بھی شیخ کے در و دیوار اور اعزہ و متعلقین سے تعلق و ربط برقرار رکھا عاشق حکیم الامۃؒ خواجہ عزیز الحسن مجذوب قدس سرہٗ جب حضرت حکیم الامتؒ کے وصال کے بعد تھانہ بھون تشریف لے گئے تو خانقاہ کی چوکھٹ پکڑ کر انتہائی سوز و گداز اور کیف و حال اور رنج و غم میں ڈوبے ہوئے، قطرات اشک بہاتے ہوئے یہ شعر پڑھنے لگے ؎

چمن کا رنگ گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

اسی عظیم حال اور عشق ومحبت سے متصف ہونے کی وجہ سے باوجودیکہ خود بھی ایک ادارے کے ذمہ دار تھے لیکن اپنے شیخ کے مدرسہ "وصیۃ العلوم" الہ آباد کے تعاون کے لئے اپنے احباب میں تحریک فرماتے، رسالہ "وصیۃ العرفان" کی توسیع اشاعت کے لئے کوشاں رہتے۔ یہ ساری باتیں کمال محبت وعقیدت، خلوص وللّٰہیت کی علامت ہیں۔ اس نفسا نفسی کے دور میں اس طرح کا معاملہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ اگر کہیں سے پیش آتا ہے تو تعجب بھی ہوتا ہے اور صاحب معاملہ کی بے انتہا قدر ہوتی ہے۔

ظاہری بات ہے مخلصین اور محبین کی جدائی طبعی طور پر رنج وغم کا باعث ہوتی ہے۔ بالخصوص سربراہ ادارہ حضرت قاری صاحب مدظلہ کے لئے یہ سانحہ سخت اذیت ناک ہے اللہ تعالیٰ جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

ادارہ حضرت مولاناؒ کے جملہ آل واولاد اور متعلقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

ناظرین کرام سے مغفرت اور ترقی درجات کی دعاؤں کی درخواست ہے۔

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

حج ربّ البیت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

امابعد۔ بزرگان دین کے ملفوظات اور انکی عبارات میں اس قسم کا مضمون پایا جاتا ہے جس سے ظاہر بینوں کو کچھ توحش ہوتا ہے، اور ممکن ہے بعض غیر معتقد بھی ہو جاتے ہوں، ایسے اقوال اگر فرقہ باطنیہ سے صادر ہوں تو قابل انکار ورد ہونگے اور اگر کسی متبع سنت سے منقول ہوں تو مبادرت بالانکار (یعنی سنتے ہی جلدی سے انکار کر بیٹھنا) جائز نہ ہوگا۔ یعنی مراد اگر نہ بھی سمجھ میں آئے تب بھی انکار منع ہوگا۔

بزرگان دین کے ملفوظات بطور مثال چند اقوال لکھتا ہوں پھر اسکی توجیہ عرض کروں گا۔

(۱) مثلاً ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ میں صفحہ ۱۵۵ پر زیر عنوان "ذکر زیارت مکہ معظمہ" یہ عبارت ہے کہ:۔

بعدازاں فرمود کہ بعد از نقل شیخ الاسلام فرید الدہر قدس سرہٗ العزیز مرا اشتیاق حج عظیم غالب شد گفتم بارے	اسکے بعد فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہٗ کے یہاں سے واپس ہونے پر مجھے حج بیت اللہ کا شوق ہوا، میں نے خیال کیا کہ اجودھن چلا جاؤں اور

دراجودھن بروم بزیارت شیخ	حضرت شیخ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ غرض
القصہ چوں بزیارت شیخ الاسلام	شیخ الاسلام کی زیارت کیلئے گیا تو مجھے میرا مقصود
رسیدم آن مقصود من حاصل	مع شیٔ زائد حاصل ہوگیا۔
گشت مع شیٔ زائد۔ باردیگر	پھر دوسری بار اسی طرح کا شوق غالب آیا
ہمچنیں ہوس باعث آمد باز	چنانچہ پھر حضرت شیخ کی زیارت کو چلا گیا
بزیارت شیخ رفتم آں غرض	میری غرض پوری ہوگئی۔
حاصل شد۔	(فوائد الفواد)

(۲) یا مثلاً اسی کتاب میں ذرا آگے چل کر یہ عبارت ہے کہ:۔

بحج کسے رود کہ اورا پیر نباشد ۔ یعنی حج کرنے وہ شخص جائے جسکا پیر نہو۔

(۳) یا مثلاً اسی کتاب میں یہ مصرعہ بھی ہے جو کہ بہت مشہور اور زبان زد ہے۔

ع آں رہ بسوئے کعبہ برد وایں بسوئے دوست

یعنی وہ راستہ تو صرف کعبہ ہی تک جاتا ہے اور مشائخ کی صحبت کا راستہ براہ راست دوست تک لے جاتا ہے۔

(۴) یا مثلاً مثنوی مولانا رومؒ کا یہ شعر ہے ؎

صورتے کو فاخر و عالی بود

او ز بیت اللہ کے خالی بود

"یعنی جو صورت کہ نور ایمان اور آثار عمل سے مزین ہو کر فاخر و عالی ہو جاتی ہے وہ بیت اللہ سے کب کم ہوتی ہے" مطلب یہ کہ جس طرح سے بیت اللہ، اللہ تعالیٰ کی تجلی گاہ اور اسکی معرفت کا ایک ذریعہ اور اسکی ذات کا ایک مظہر ہے اسی طرح سے اولیاء اللہ بھی حق تعالیٰ کے مظہر اتم ہوتے ہیں۔

حضرات صوفیہ صافیہ کے نزدیک یہ تمام عالم اللہ تعالیٰ کا مظہر ہے

اور وہ ذات حق اس میں ظاہر ہے۔

(۵) یا مثلاً ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

اے قوم بحج رفتہ کجا ئید کجا ئید
معشوق دریں جاست بیا ئید بیا ئید

(یعنی اے لوگو جو حج کو جا رہے ہو کہاں جا رہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟ محبوب تو یہیں ہے، یہاں آؤ، یہاں آؤ)

(۶) یا مثلاً حضرت بایزید بسطامیؒ کا وہ واقعہ جسے مولانا رومؒ نے مثنوی میں بیان فرمایا ہے۔ سرخی یہ قائم فرمائی ہے۔

رفتن بایزید بسطامی بکعبہ و در راہ بخدمت بزرگے رسیدن
وگفتن آں بزرگ کہ کعبہ من ام مرا طواف کن۔

(بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا کعبہ شریف کی زیارت کے لئے جانا اور راستہ میں ایک بزرگ کی خدمت میں پہونچنا اور ان بزرگ کا یہ فرمانا کہ کعبہ میں ہی ہوں میرا طواف کرو)

پھر اس عنوان کے تحت یہ اشعار بیان فرمائے ہیں ؎

حق آں حقے کہ جانت دیدہ است
کہ مرا بر بیت خود بگزیدہ است

(اس خدائے برحق جل جلالہ کی قسم ہے جسے تیری جان نے دیکھ لیا ہے، کہ اسی نے مجھے اپنے بیت سے بھی بڑا درجہ دیا ہے)

کعبہ ہر چندے کہ خانہ برّ اوست
خلقت من نیز خانہ سِرّ اوست

(اگرچہ کعبہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے نیکیوں کا گھر ہے تو سمجھ رکھو کہ میری پیدائش بھی اللہ تعالیٰ کی راز کا گھر ہے)

تا بکرد آں خانہ را در وے نرفت
واندریں خانہ بجز آں حی نرفت

(اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر (یعنی کعبہ کو بنایا تو ہے (مگر) اس میں داخل نہیں ہوا (حلول نہیں فرمایا) اور اس گھر (یعنی میرے دل کے گھر) میں بجز اس حی و قیوم کی ذات کے کسی اور کا خطرہ اور وہم و خیال تک نہیں گذرا ہے)

چوں مرا دیدی خدا را دیدۂ　　گرد کعبہ صدق بر گر دیدۂ
(اب جو تم نے مجھے دیکھ لیا ہے تو سمجھ لو کہ تم نے خدا تعالیٰ ہی کو دیکھ لیا اور کعبۂ صدق صفا کا طواف کر لیا)

خدمت من طاعت و حمد خدا ست　　تا نہ پنداری کہ حق از من جدا ست
(میری خدمت میں رہنا اور میری خدمت کرنا ہی خدا کی اطاعت اور اسکی حمد ہے۔ دیکھنا کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ خدا مجھ سے الگ ہے)

چشم نیکو باز کن در من نگر　　تا بہ بینی نور حق اندر بشر
(ذرا اچھی طرح آنکھیں کھولو اور میرے اندر غور کرو تا کہ تمھیں انسان کے اندر حق تعالیٰ کا نور نظر آ سکے)

بایزیدا! کعبہ را دریافتے　　صد بہار و عز و صد فر یافتے
(اے بایزید! (میرے پاس تم جو آ گئے تو گویا) کعبہ ہی کو پا گئے، سیکڑوں عزت رونق اور مرتبہ پا گئے)

کعبہ را یک بار بیتی گفت یار　　گفت یا عبدی مرا ہفتاد بار
خدا تعالیٰ نے کعبہ کو تو صرف ایک ہی بار بیتی (میرا گھر) فرمایا مگر مجھے تو ستر بار یا عبدی (اے میرے بندے) کہکر پکارا ہے)

بایزید آں نکتہا را ہوش داشت　　ہمچو زریں حلقہ اش در گوش داشت
(بایزید نے ان تمام نکتوں کو غور سے سنا اور ان نکتوں کو کان کا زیور سمجھکر کان میں ڈال لیا)

آمد از وے بایزید اندر مزید　　منتہی در منتہی آخر رسید
اس عقیدت مندی کی بدولت بایزید کو مزید ترقی کی دولت ملی اور آخر کار اپنی انتہائی ترقی تک پہونچ گئے)

حضرات مشائخ کے ان سب اقوال میں بیت اللہ کا خود انکی ذات سے تقابل کیا گیا ہے بلکہ بعض کلام میں تو صحبت مشائخ کو زیارت بیت اللہ پر ترجیح دی گئی ہے۔ اسی سے عام طبائع کو توحش ہو کر مشائخ کے ان کلمات پر

انکار پیدا ہوتا ہے تو اسکے متعلق یہ سمجھئے کہ جن حضرات کے یہ کلمات ہیں ان میں سے بہت سے بلکہ تقریباً سبھی مسلم شیخ اور متبع سنت بزرگ ہوئے ہیں جنکے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انکی یہ باتیں زندقہ اور گمراہی کی ہیں کیونکہ ان حضرات کو شریعت کی حدود کا جسقدر خیال و لحاظ ہوتا ہے ہم لوگوں کو تو اسکا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی نہیں ہے۔ نیز عوام الناس کو دین کا جو کچھ بھی خیال پیدا ہوتا ہے وہ انھیں حضرات کی برکت سے ہوتا ہے تو اب اگر یہی لوگ گمراہ ہو جائیں گے تو پھر ہدایت کہاں ہوگی؟ لیکن بات یہ ہے کہ بزرگوں کے کلام کو سمجھنا آسان نہیں ہے بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ لوگوں کو دین سے اور بزرگانِ دین سے مناسبت ہی باقی نہیں ہے اور نہ انکی معرفت ہی حاصل ہے اسلئے انکی بات بھی نہیں سمجھتے۔

مشائخ کے ان ملفوظات کی اصل حقیقت

تاہم جب ان بزرگوں نے اس مضمون کو لکھا ہے تو آخر اس میں کوئی نہ کوئی بات تو ضرور رہی ہوگی اسکے متعلق بطور قاعدہ کلیہ کے یہ سمجھ لیجئے کہ ظاہری الفاظ انکے خواہ کچھ موحش کیوں نہوں لیکن ان میں یہ حضرات جو حقیقت بیان فرماتے ہیں وہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہوتی ہے۔ چنانچہ سنئے مالا بد منہ میں ہے کہ :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ حرمت مال و آبروئے مسلمان مثل حرمت خون اوست و کعبہ را فرمودہ کہ حق تعالیٰ ترا چہ قدر حرمت دادہ لیکن حرمت مسلمان و حرمت خون او و مال او و آبروے او از تو زیادہ است۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے مال و آبرو کی حرمت مانند اسکے خون کی حرمت کے ہے اور کعبہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے کعبہ اللہ تعالیٰ نے تیرا مرتبہ کتنا عظیم بنایا ہے اور تجھکو کیسی کچھ عزت بخشی ہے لیکن مسلمان کی حرمت اور اسکے خون اور آبرو اور مال کی حرمت تجھ سے کہیں بڑھکر ہے۔

تشریح حدیث میں کہتا ہوں کہ عجیب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہاں مسلمان سے خود ذات شریفہ ہی ہو یعنی کنایہ کے طور پر اپنے ہی متعلق مخالفین کو یہ سنانا چاہتے ہوں کہ تم لوگ ایک جانب تو کعبہ کی تعظیم کے مدعی ہو اور ادھر مجھے ایذائیں بھی پہونچا رہے ہو جسمانی بھی اور قلبی و روحانی بھی تو سمجھ رکھو کہ ایک نبی کا قلب حرمت اور عظمت میں کعبہ سے کہیں بڑھا ہوا ہے کیونکہ جس خدا نے کعبہ کو شرف بخشا ہے اسی نے بوجہ ایمان و ایقان کے انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو بھی واجب الاحترام بنایا ہے، پس ادنیٰ شئے کو ماننا اور اعلیٰ کا انکار کر دینا انتہا درجہ کی نفسانیت ہے۔ یوں آپؐ کے طفیل میں دولتِ ایمان کی برکت سے عامۂ مومنین کے قلب کو بھی یہ شرف حاصل ہو جائے تو غلط نہیں ہوگا مگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہی میں ہوگا اور تبعاً ہوگا۔

دیکھئے! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کا مال اور اسکی جان اور اسکی آبروریزی سب حرام ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کی جان اور مال اور اسکی آبرو احترام میں کعبہ سے بھی بڑھکر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشائخ کے انداز بیان کی عجیب توجیہ اب اس مضمون کی صحت میں تو کسی کو کلام کی مجال نہیں کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور اسکو آپ وحی سے فرما رہے ہیں پس مشائخ کے ان تمام کلمات کا مرجع اور ماخذ جن میں کعبہ سے تقابل معلوم ہوتا ہے یہی حدیث ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اسلئے آپ کا کلام بھی نہایت ہی صاف و شفاف اور توحش سے پاک ہے اور حضرات مشائخ کا مقام چونکہ مقام نبوت سے

فرو تر ہے اسلئے انکے کلام میں بھی وہ بات نہیں آسکتی جو نبی کی خصوصیات میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عظمت و احترام کعبہ کو ملحوظ و محفوظ رکھتے ہوئے حرمتِ مومن کی ترجیح اس طریقہ سے بیان فرمائی جو کسی گوشہ سے بھی تنقیص کعبہ پر مشتمل نہیں ہے۔ لیکن حضرات مشائخ نے بھی اسی مسئلہ کو بیان کرنا چاہا تو انداز بیان کچھ ایسا ہو گیا جس سے حرمت مومن کی اثبات کے ساتھ ساتھ تنقیص کعبہ کا شائبہ پیدا ہو گیا، چنانچہ یہی امر لوگوں کی کھٹک کا باعث بنا۔ مثلاً جس مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی خوبی کے ساتھ اس حدیث میں بیان فرمایا ہے اُسی مضمون کے متعلق ایک صوفی کا بیان سنئے فرماتے ہیں ؎

کعبہ بنیاد خلیل آزر است — دل گذر گاہِ جلیل اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است — دل بدست آور کہ حج اکبر است

"یعنی کعبہ تو حضرت ابراہیم ابن آزر کا تعمیر کیا ہوا ایک گھر ہے اور دل وہ تو جلیل اکبر یعنی حق تعالیٰ کی گذرگاہ ہے پس ایک دل ہزاروں کعبہ سے بڑھکر افضل و مکرم و محترم ہے لہٰذا دلداری کرو کہ یہی حج اکبر ہے"

آج لوگوں کی زبان پر یہ اشعار جاری و ساری ہیں اور ان کو خوب لطف لے لیکر پڑھا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ دوسرا شعر حدیث کا گویا ترجمہ ہی ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کے بیان کرنے سے پہلے کعبہ کے فضل و احترام کو بھی تسلیم کیا تھا چنانچہ یہ الفاظ فرمائے کہ " حق تعالیٰ ترا چہ قدر حرمت دادہ" (اے کعبہ اللہ تعالےٰ نے تجھکو کس قدر عظیم الشان مرتبہ عطا فرمایا ہے)۔ لیکن ان بزرگ نے اس مدعا کے اثبات کے لئے جو تمہید اٹھائی ہے وہ نہایت ہی بھونڈی ہے فرماتے ہیں کہ ع۔ کعبہ بنیاد خلیل آزر است

(کعبہ خلیل آزر کا تعمیر کیا ہوا ایک مکان ہے)

میں کہتا ہوں کعبہ کے ساتھ آزر کا کیا جوڑ؟ یہ کعبہ خلیل آزر کی بنیاد تھی یا خلیل اللہ کی؟ (حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو خلیل آزر کہنا ہی غلط ہے وہ ابن آزر تو تھے لیکن خلیل آزر نہ تھے، خلیل تو وہ اللہ تعالیٰ کے تھے کہ اپنی خُلت کا منصب عالی رب ذوالجلال نے انھیں عطا فرمایا۔ ع ا)
تعجب ہے کہ بنائے کعبہ کے متعلق قرآن شریف میں حق تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرماکر تو یہ فرمائیں کہ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ یعنی اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کو تعمیر فرمارہے تھے اور اسمٰعیل علیہ السلام بھی انکے مددگار تھے۔ ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ کے اس بیان سے بیت اللہ کی عظمت اور اسکا شرف معلوم ہوتا ہے جس کو ان بزرگ نے بنیادِ خلیل آزر فرمایا ہے تعجب ہوتا ہے کہ انکے پیش نظر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد آخر کیوں نہیں رہا۔

بناء کعبہ

نص قرآنی ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ صرف بناء ابراہیمی ہی نہیں ہے بلکہ وہ [illegible] سب سے پہلا گھر ہے اور سب سے پہلے اس کو فرشتوں نے تعمیر کیا تھا چنانچہ آیت کریمہ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ یعنی بلاشبہہ وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ مکہ میں ہے جسکی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔

اس آیت کے تحت صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:۔

وورد فی بعض الآثار ان اول من بنیٰ البیت الملائکۃ	بعض روایات میں آتا ہے کہ سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر ملائکہ نے کی تھی چنانچہ انھوں نے

وقد بنوه قبل آدم علیہ السلام بالفی عام وعن مجاهد وقتادة وسدی مایوید ذلك وحکی ان بناء الملائكة له من الیاقوتة الحمراء ثم بناه آدم ثم شیث ثم ابراهیم ثم العمالقه ثم جرهم ثم قصی ثم قریش ثم عبد الله بن زبیر ثم الحجاج واستمر بناء الحجاج الی الآن الا فی المیزاب والباب والعتبة ووقع الترمیم فی الجدار والسقف غیر مرة وجدد فیه الرخام۔

حضرت آدم سے دو ہزار سال قبل اسکی تعمیر کی تھی۔ مجاہد اور قتادہ اور سدی سے بھی اسی کے مطابق روایات ہیں اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ فرشتوں نے اسکو سرخ یاقوت سے بنایا تھا۔

پھر اسکے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے اسکو بنایا پھر حضرت شیث علیہ السلام نے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر عمالقہ نے پھر جرہم نے پھر قصی نے پھر قریش نے پھر عبداللہ بن زبیرؓ نے پھر حجاج بن یوسف نے چنانچہ حجاج ہی کی تعمیر اب تک باقی ہے سوا میزاب کے اور باب الکعبہ کے اور اسکی چوکھٹ کے اور اسکی دیواروں اور چھت میں بھی متعدد بار ترمیم ہو چکی ہے اور اس میں جدید سنگ مرمر بھی بدلے گئے ہیں۔

وقیل انه نزل مع آدم من الجنة ثم رفع بعد موته الی السماء وقیل نبی قبله ورفع فی الطوفان الی السماء السابعة وقیل الرابعة۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعبہ بھی حضرت آدمؑ کے ہمراہ جنت سے نازل ہوا تھا پھر آپ کے وصال کے بعد آسمان کی جانب اٹھالیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آدمؑ سے پہلے تعمیر ہوا تھا اور طوفان نوح کے وقت ساتویں یا چوتھے آسمان پر اٹھالیا گیا۔

روح المعانی ص۵ ج۴)

اسکے بالمقابل ایک دوسرے بزرگ یوں فرماتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ خوب ہی فرمایا ہے ؎

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود   این زاخلاصات ابراہیمؑ بود

(یعنی یہ جو تم کعبہ پر فدائقودی تجلی دیکھتے ہو یہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کی برکات ہیں)

میں کہتا ہوں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کی وجہ سے کعبہ پر اس قدر تجلی ہوگئی تو خود حضرتؑ کے قلب اطہر پر حق تعالیٰ کی کیسی کچھ تجلی رہی ہوگی اور اولیاء کرام اور مشائخ عظام کبھی چونکہ وصول الی اللہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے نائب ہوتے ہیں اسلئے انکے قلب پر کبھی یہی تجلی ہوتی ہے جو کہ صحبت کے ذریعہ سالکینؔ کے قلب میں منتقل ہوتی ہے اور ان حضرات سے اخذ فیض زیادہ آسان ہوتا ہے بہ نسبت اسکے کہ کعبہ سے اس فیض کو لیا جائے۔ غرض اس تقریر سے یہ واضح ہوگیا کہ ان حضرات نے کوئی غلط بات نہیں فرمائی

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور زیارت بیت اللہ میں مناسبت

اب اسکے بعد سنیئے کہ مشائخ محققین نے ایسا کیوں فرمایا۔ رسالہ قشیریہ میں ہے اور یہ فن کی نہایت ہی معتبر کتاب ہے اور امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری الشافعی نیشاپوری کی تصنیف ہے جو کہ چوتھی پانچویں صدی کے لوگوں میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"احکام مریدین کے منجملہ یہ ہے کہ جب کسی تربیت کرنے والے شیخ کو اپنی بستی میں نہ پائیں تو وہاں سے ہجرت اور سفر کر کے اس شخص کے پاس پہونچیں جو اپنے زمانہ میں لوگوں کی اصلاح کے لئے منجانب اللہ منصب ارشاد و تربیت پر فائز ہو، پھر اسی کے پاس مقیم رہیں اور اسکی چوکھٹ کو نہ چھوڑیں جب تک کہ وہ اجازت نہ دے دے"

آگے فرماتے ہیں (اور یہی سنانا آپ کو مقصود کبھی ہے) کہ:۔

واعلم ان تقدیم معرفۃ رب البیت علی زیارت البیت واجبٌ　　خوب سمجھو کہ حق تعالیٰ کی معرفت کو زیارت بیت اللہ پر مقدم کرنا واجب ہے اسلئے کہ

فلولا معرفۃ رب البیت　اگر رب تعالیٰ کی معرفت ضروری نہ ہوتی تو
ما وجبت زیارۃ البیت　زیارت بیت واجب ہی نہ ہوتی۔

یعنی سب سے مقدم اور اہم چیز جو انسان کے لئے اس دنیا میں ہے وہ اپنے رب کی معرفت ہے۔ بس یہی اصل جواب ہے کیونکہ حج سے بھی زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ معرفت رب البیت کی نہیں ہوتی اور بزرگوں کی خدمت میں حاضری سے طالب خدا کو معرفت خدا کی ہوتی ہے کیونکہ یہ جگہ اسی لئے موضوع ہے اور اہل اللہ کی خدمت میں رہنے کے بعد اور معرفت حاصل کر لینے کے بعد کعبہ کی تجلیات کا مشاہدہ ہوتا ہے جس کو بزرگان دین نے حج کی روح اور اسکی اصل اور حج مردانہ سے تعبیر فرمایا ہے ؎

حج زیارت کردن خانہ بود　　حج ربُّ البیت مردانہ بود

(یعنی یوں تو حج نام ہے خانۂ کعبہ کی زیارت کا لیکن رب البیت کی معرفت جسکو حاصل ہوجائے اسکا حج مردانہ ہے)

یہی مطلب ہے صاحب قشیریہ کے مذکورہ بالا اس ارشاد کا کہ:۔
فلولا معرفۃُ رب البیت ما وجبت زیارۃ البیت یعنی اگر رب البیت کی معرفت حاصل کرنی ضروری نہوتی تو زیارتِ بیت اللہ یعنی حج بھی واجب نہ کیا جاتا۔

غرض علماء و مشائخ کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ رب البیت کی زیارت اصل ہے اور بیت کی زیارت اسکا وسیلہ ہے۔

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس قول کے حق ہونے میں بھی کسی کو کلام ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ضروری چیز ہے۔ حضرات مشائخ نے لوگوں کے عمل سے یہی اندازہ لگایا ہوگا کہ تعلیم کی کمی کی وجہ سے لوگ حدود پر نہیں رہ گئے ہیں، چنانچہ ہم نے خود دیکھا ہے کہ عورتیں بلا محرم کے حج کرنے جاتی ہیں اور ایک چیز روح سے خالی ہو کر محض رسم

کے درجہ میں رہی جاتی ہے اسی پر تنبیہ فرمانے کے لئے اس قسم کے کلام ارشاد فرمائے

اللہ رب العزت کے معرفت کی اہمیت

اللہ تعالیٰ کی معرفت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو یہ پسند ہے کہ بچپن ہی میں وفات پا جاتے اور گناہ وغیرہ سے محفوظ رہ کر پاک وصاف دنیا سے چلے جاتے یا یہ پسند ہے کہ بالغ ہو کر دنیا میں زندگی گذاریں اگرچہ اللہ تعالیٰ کے یہاں گنہگار ہی جانا پڑے؟ آپ نے اسکا جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا کہ بھائی مجھے تو یہی پسند ہے کہ بالغ ہو کر دنیا سے رخصت ہوں بلا سے گنہگار جاؤں لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت تو ہو جائیگی اور بچپن کی معرفت کا کچھ اعتبار نہیں۔

دیکھا آپ نے معرفت رب البیت کتنی بڑی دولت ہے۔ اب لوگوں کو بزرگوں کے کلام میں شبہہ اور اشکال ہوتا ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ لوگ حقیقت حال سے ناواقف ہوتے ہیں انکو اس دولت کی خبر ہی نہیں ہے جو بزرگوں کے پاس ہوتی ہے اور جس کے حاصل کرنے کے لئے لوگ انکے یہاں جاتے ہیں۔

حضرت مصلح الامتؒ کا ارادۂ حج اور ایک عمومی تنبیہ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ حج بدل کے لئے کسی نے کہا ہو تو مجھے بھیجدیجئے گا میں کہتا تھا کہ حضرتؒ دل میں یہ فرماتے ہونگے کہ دیکھو تو اسکو حج کرنے کا اتنا شوق ہے اور میرے پاس جو دولت موجود ہے اسکی جانب توجہ نہیں ہے میں نے اپنے متعلق جب حج کو جارہا تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ امسال حج کا ارادہ ہے اور اسکے بعد ہی یہ کہا کہ حج تو میرا یہیں ہوتا ہے

یعنی مقصد حج تو یہیں حاصل ہوتا ہے حضرت گھر جانے کے لئے اٹھ ہی رہے تھے میری یہ بات سنکر بیٹھ گئے اور غور سے میری بات کو سنا میں تو ڈر گیا کہ شاید کوئی بات ناگوار نہ گذری ہو لیکن میں نے بمبئی سے پھر خط لکھا تو بہت پسند فرمایا اس سے اندازہ ہوا کہ خوش تھے۔ تو بات یہی ہے کہ حضرات مشائخ نے کبھی کبھی جو اس قسم کے کلمات فرما دیئے ہیں تو اس سے انکا مطلب یہی رہا ہے کہ زیارت بیت کی تو فکر ہے اور معرفت رب البیت کی جانب اصلا التفات نہیں حالانکہ وہی اصل ہے اور زیارت بیت اسکا ایک وسیلہ ہے جس طرح سے اسکا ایک دوسرا وسیلہ مشائخ کی صحبت بھی ہے اور تجربہ سے یہ بات ان حضرات کو معلوم ہوئی کہ ہمارے پاس جو لوگ آمد و شد رکھتے ہیں انکو تو وصول ہو جاتا ہے اور وہ عارف باللہ بھی ہو جاتے ہیں لیکن حج کرنے کے بعد بھی عام طور سے یہی دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں کے اندر ذرا تغیر نہیں پیدا ہوتا، جیسے جاتے ہیں اسی طرح سے واپس آجاتے ہیں الا ماشاء اللہ۔ اسلئے ان حضرات نے اپنے اعتبار سے ایسا فرمایا اور نفل حج کرنے والوں کو اسکا مخاطب بنایا، ورنہ تو حج فریضۂ اسلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا ہے پس جس طرح سے کہ نماز و روزہ اور زکوٰۃ اللہ تک پہنچنے کے راستے ہیں اسی طرح سے حج بھی ہے اسکے متعلق یہ حضرات نہ ایسا فرما رہے ہیں اور نہ ایسا فرما سکتے ہیں، انھیں بزرگوں سے تو ہم کو دین ملا تو کیا یہی دین اور خدا کے فریضے سے لوگوں کو منع کر دیں گے۔ معاذ اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے پس یہی محمل انکے کلام کا متعین ہے۔ اب جو شخص اسکے علاوہ کوئی معنی مراد لے یا انکو ظاہر پر محمول کرے وہ غلطی پر ہے اس اشکال کا یہ نہایت ہی محققانہ جواب ہے۔

حضرات اولیاء اللہ کا اصل کام

اسکے علاوہ ایک بات اور سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ حضرات مشائخ کرام کے کارنا

اور انکی تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے قریب ہی کیا ہے چنانچہ یہی خدمت انکی اصلی خدمت اور انکے فن کا موضوع لہٗ رہی ہے جس طرح سے کہ اعمال ظاہری کی خدمت علمارِ ظاہر نے فرمائی ہے مشائخ نے قلب کی اور باطن کیخدمت کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی کام بدون کسی استاد سے سیکھے نہیں آتا پس جس طرح کہ ہم ظاہری احکام شرع کے جاننے میں علمار کے محتاج ہیں اسی طرح باطنی اعمال (ایمان اور اخلاص) کے جاننے میں صوفیارِ کرام کے محتاج ہیں۔

سفرِ حج سے پہلے استعداد کی ضرورت

اور یہ بھی مسلم ہے کہ حج میں جس طرح ظاہری اعمال وافعال ہیں اسی طرح سے باطنی اعمال بھی اس میں ہیں اب اگر کوئی شخص انکو سیکھے اور اپنے اندر پیدا کئے بغیر حج کو جائیگا تو گو ارکان ظاہری اسکے ادا ہو جائیں گے لیکن بیت اللہ کی تجلی اور حج کی روح سے تو وہ محروم ہی رہے گا۔

پس ان حضرات نے محض نُصحِ نَصِیح کے طور پر طالب ہی کی مصلحت سے کبھی یہ فرمایا ہے کہ مشائخ کی خدمت میں رہکر قلب میں پہلے کچھ استعداد و صلاحیت پیدا کرلو تب حج کو جاؤ تاکہ اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات جو بیت اللہ پر ہوتی ہیں ان سے بھی حصہ پاؤ۔ غرض ان کلمات کے ذریعہ یہ حضرات کسی جانے والے کو روکتے نہیں بلکہ شرائط داخلہ کی تحصیل کی جانب متوجہ فرماتے ہیں تاکہ خدانخواستہ ایسا نہو کہ انسان حج کو بھی جائے اور اسکا مصداق ہو کہ ؎

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم نہ دادند ۔۔۔ کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

(میں خانۂ کعبہ کا طواف کرنے کیلئے حاضر ہوا تو حرم میں مجھے گھسنے ہی نہیں دیا (اور یہ فرمایا کہ) تو نے

باہر کیا گیا ہے جواب گھر کے اندر آنا چاہتا ہے ؟

اور یہ سننا پڑے کہ ؎

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد	کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

(میں نے جب زمین پر سجدہ کیا تو زمین کے اندر سے یہ آواز آئی کہ ارے ظالم تو نے ریائی سجدہ کر کے مجھے بھی خراب کر دیا)

اب فرمائیے بزرگان دین کے یہ کلمات کس قدر اخلاص پیدا کرنے والے ہیں۔ نہایت عمدہ بات اور بالکل شریعت اور عقل کے موافق کلام ہے۔ لیکن نہ تو ہمکو آج حق تعالیٰ کی معرفت کی فکر ہے اور نہ دین اور بزرگوں کی معرفت ہی حاصل ہے اس لئے انکی باتوں کو بھی نہیں سمجھتے اور عار و استکبار کی وجہ سے کسی دوسرے سے انکو سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے حالانکہ جب کسی بڑے شخص سے کوئی ایسا کلام صادر ہو جو اپنے ظاہر کے اعتبار سے منکر (اور برا) معلوم ہوتا ہو تو اس کا مطلب سمجھنا چاہئے اور خود نہ معلوم ہو تو کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہئیے جیسا کہ ان صاحب نے مجھ سے دریافت کیا، تو میں انکے سوال سے بہت خوش ہوا کہ انھوں نے کام کی بات پوچھی۔

امداد علی صاحبؒ کا واقعہ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ میرے ماموں امداد علی صاحبؒ کہتے تھے کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے تو مجھ پر حج بھی فرض نہیں ہے لہٰذا یہ خیال بھی مجھے کبھی نہیں ہوتا کہ میرے پاس روپیہ ہوتا تو حج کرتا لیکن یہ تمنا ضرور ہوتی ہے کہ اگر میرے پاس روپیہ ہوتا تو حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت کو جاتا۔ یہ کیوں فرماتے تھے؟ اسی لئے فرماتے تھے کہ معرفت رب البیت زیارت بیت پر مقدم ہے حضرت حاجی صاحب سے بہت تعلق تھا شاید حضرتؒ ہی کی دعا سے پیدا بھی ہوئے تھے۔ بچپن میں حضرت حاجی صاحبؒ

نے انگوگود میں لیکر کہا تھا کہ میں امداد اللہ تو امداد علی پھر تیسرا کون؟

انھیں کے متعلق حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا کہ میاں فلاں! تمھارے ماموں صاحب ابھی تلوین میں ہیں میرے پاس آتے تو میں تمکین میں کر دیتا۔ اب آپ انکو کیسا سن رہے ہیں اس تلوین و تمکین کو تو آپ خوب ہی سمجھتے ہوں گے؟ اور یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ ہم سب لوگ تمکین ہی میں ہیں! جی اب تو مرے ہیں سمجھنے والے۔ حضرت مولاناؒ اور انکی تصانیف نہ ہوتیں تو ان چیزوں کا مصداق تو درکنار لوگ ان کے نام سے بھی آشنا نہ ہوتے۔

بزرگان دین اور انکی محبت معرفت الٰہی کے اعلیٰ ترین ذرائع ہیں خیر، میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان بزرگ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت کی جو تمنا کی تو اسلئے کہ وہ معرفت رب البیت کا ذریعہ تھا جس طرح سے مقصود زیارت بیت اللہ سے بھی معرفت رب البیت ہی ہے اور یہ زیارت اسکا ذریعہ ہے۔ اسی طرح سے یہ بزرگانِ دین بھی دراصل معرفت رب ہی کے اعلیٰ ترین ذرائع اور اسباب میں سے ہیں اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

صورتے کو فاخرو عالی بود — او ز بیت اللہ کے خالی بود

(جو صورت کہ نور ایمان اور آثار عمل صالح سے آراستہ ہوکر عمدہ اور عالی ہو جاتی ہے وہ بیت اللہ کی تجلی سے کب خالی ہوتی ہے)

اور اسی معنی کر بزرگوں نے اپنے مشائخ کو قبلہ تک کہدیا ہے چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ آب حیات کے شروع ہی میں فرماتے ہیں

"اوراق مسودہ کا پشتارہ باندھ کر جہاز پر چڑھا اور محض امداد خداوندی، باوجود گمراہی اور نامہ سیاہی کے جسکی وجہ سے اپنی رسائی تو درکنار ہمراہیوں کی گم گشتگی کا بھی اندیشہ تھا

دریا پار ہو کر جدہ پہونچا اور وہاں سے بسواری شتر دو روز میں دونوں قبلوں کی زیارت سے مشرف ہوا۔ بیت اللہ زادھا اللہ شرفاً و عزۃً الی یوم القیامۃ کا طواف میسر آیا اور حضرت پیر و مرشد ادام اللہ فیوضہ کی قدمبوسی سے رتبۂ عالی پایا۔

دیکھئے حضرت مولانا نانوتویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"دونوں قبلوں کی زیارت سے مشرف ہوا" ایک قبلہ تو بیت اللہ تھا اور دوسرا قبلہ پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ تھے حضرت حاجی صاحبؒ کو بھی قبلہ فرمایا۔

یہ حضرات چونکہ بزرگوں سے اور انکی باطنی دولت سے واقف تھے اور ان سے اسکو حاصل کر چکے تھے اسلئے انکی صحبت اور انکی زیارت کو کبریت احمر اور غنیمت کبریٰ سمجھتے تھے اور ہم لوگ چونکہ اس سے ناواقف ہیں ہم کو کیا معلوم کہ یہ دولت کیا ہوتی ہے اسلئے نہ ہم بزرگوں کا کلام ہی سمجھ سکتے ہیں اور نہ اہل عقیدت کے معاملات ہی کی فہم رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کے صرف اتنے ہی کلام سے کسقدر عقیدت، عظمت اور محبت کا پتہ چلتا ہے جو کہ ان حضرات کو اپنے بزرگوں سے ہوتی ہے لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ لوگ خشک ہوتے ہیں بزرگوں کو اور پیروں کو مانتے ہی نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جسقدر ان حضرات نے اپنے مشائخ کو مانا ہے شاید ہی کسی نے مانا ہو۔

غرضیکہ جو دولت بزرگوں کے پاس ہوتی ہے یعنی معرفت رب البیت ان حضرات کا مقصد مریدوں کو اسی کیجانب متوجہ کرنا ہوتا ہے اور اسی کو سمجھانے کے لئے کبھی کبھی عنوان میں اپنا اور بیت اللہ کا بظاہر مقابلہ سا بھی ہو جاتا ہے باقی جو باتیں فرماتے ہیں وہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہوتی ہے اب لوگ حج بھی کرنے جاتے ہیں مگر دیکھ لیجئے کہ معرفت رب البیت

سے ذرا حصہ انکو نہیں ملتا ۔ چنانچہ اسی کو آگے چل کر صاحب رسالۂ قشیریہ فرماتے ہیں :۔

والشبان الذین یخرجون الی الحج من هولاء القوم من غیر اشارة الشیوخ فهی بدلالات نشاط النفوس فهم متوسمون بهذه الطریقة ولیس سفرهم علی اصل والذی یدل علی ذالک انه لا یزداد سفرهم الا وتزداد تفرقة قلوبهم۔ فلو انهم ارتحلوا من عند انفسهم بخطوة لکان احظی لهم من الف سفرة (رسالۂ قشیریہ)	اور وہ نوجوان جو اس طریق میں ہو کر بدون اجازت شیخ کے حج کے لئے نکلتے ہیں تو محض اسلئے کہ نفس ذرا سیر و تفریح حاصل کرلے اور یہ لوگ بس نام کیلئے طریق میں ہیں اور انکا سفر صحیح مقصد پر ہوتا نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ جوں جوں انکا سفر زیادہ ہوتا رہتا ہے اتنا ہی ان کا قلبی تشتت وانتشار بھی زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ پس اگر یہ لوگ کہیں اپنے نفس کے چھوڑنے کے سفر کا ایک قدم بھی چلتے تو وہ ان کے لئے اس جیسے ہزاروں حج سے بہتر ہوتا۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ نفس کی اصلاح کرنا (گویا معرفت رب البیت) کہیں زیادہ اہم ہے زیارت بیت سے اور اصلاح نفس کا طریق صحبت ہے ۔ چنانچہ اسی مضمون کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید   معشوق دریں جاست بیائید بیائید

(یعنی اے وہ لوگ جو حج کو جاتے ہو کہاں جاتے ہو؟ معشوق تو یہاں موجود ہے ادہر آؤ ادہر آؤ)

اور اسی مضمون کو اس مصرعہ میں بھی بیان کیا گیا ہے جسے ان صاحب نے لکھا تھا ؎

آں رہ بسوئے کعبہ برد ایں بسوئے دوست

(یعنی وہ شخص تو کعبہ ہی تک راستہ پائیگا اور یہ دوست تک راستہ پائیگا)

یہ مضمون نہایت عمدہ اور بالکل صحیح ہے اور علماء ظاہر کے کلام بلکہ نصوص کے مؤید ہے غلط فہمی کا سبب ہماری ناواقفیت اور کم علمی ہے ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشادِ گرامی

اس مسئلہ کو اور واضح کرنا ہو تو سنیئے، حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے مالا بدمنہ میں فقہی ابحاث کے بعد "کتاب الاحسان" کا عنوان بھی قائم فرمایا ہے اس میں لکھتے ہیں :۔

این ہمہ گفتہ شد صورت ایمان واسلام و شریعت است و مغز و حقیقت او در خدمت درویشان باید جست

یہ جو کچھ کہا گیا ہے ایمان واسلام کی ظاہری شکل تھی جس کا نام شریعت ہے باقی اسکی حقیقت اور مغز کو بزرگوں کی خدمت اور صحبت میں تلاش کرنا چاہئے

پھر اسکے کچھ دور بعد فرماتے ہیں کہ :۔

نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را از سینۂ درویشاں باید جست و بداں نور سینۂ خود را روشن باید کرد تا ہر خیر و شر بفراست صحیحہ دریافت شود۔

(مالا بدمنہ ۱۶۱)

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نور باطن کو درویشوں کے سینہ سے حاصل کرنا چاہئے اور اس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہئے تاکہ فراست صحیحہ حاصل ہو اور ہر خیر و شر دریافت ہو سکے ۔

نور نبوت کے تحصیل کا مرکز

دیکھئے اس سے معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک باطنی نور بھی ہوتا ہے جو کہ درویشوں کے سینہ سے ملتا ہے اور اس نور کو حاصل بھی کرنا چاہیئے یہی وہ نور ہے جسکا ذکر اس آیت میں ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام

بِالْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ — کھولدیا وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے۔

اور اسی نور کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
علیہ وسلم النور اذا دخل الصدر	کہ نور جب سینہ میں داخل ہوتا ہے تو اس میں
انفسح فقیل یا رسول اللہ	وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ
ھل لتلک من علم یعرف بہ	یا رسول اللہ! اسکی کوئی علامت بھی ہے
قال نعم التجافی من دار الغرور	فرمایا ہاں دنیا سے نفرت، آخرت سے رغبت
والانابۃ الی دار الخلود	اور موت سے پہلے اسکی تیاری کی فکر اور یہ سب
والاستعداد للموت قبل	علامات ہیں کہ نور سینہ میں اتر گیا ہے۔
نزولہ	(رواہ البیہقی حاشیہ مکتوبات معصومیہ ص۱۲۳)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ دین وایمان کا ایک نور ہوتا ہے جو اہل اللہ کی صحبت اور ان کے سینوں سے اخذ کیا جاتا ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان میں معرفت پیدا ہوتی ہے۔ پس جس طرح سے کہ اس معرفت کا ایک ذریعہ حج بیت اللہ شریف ہے اسی طرح سے اسکا ایک ذریعہ بزرگوں کا قلب بھی ہے۔ پھر بیت اللہ سے معرفت تو کسی ہی کسی اللہ کے بندے کو حاصل ہوتی ہوگی جن میں اسکے حاصل کرنے کی پہلے سے استعداد پیدا ہو چکی ہو انھیں کو کچھ حاصل ہوتی ہوگی۔ اور بزرگان دین سے تو معرفت بھی حاصل ہوتی ہے اور یہ حضرات اسکی استعداد بھی پیدا کرتے ہیں۔

بزرگوں سے سنا ہے کہ جو لوگ اہل دل اور اہل معرفت ہوتے ہیں جنکے سینے میں نور ہوتا ہے جب وہ طواف کرتے ہیں تو پورا مطاف بلکہ ساری مسجد حرام ہی ان کے نور سے منور ہو جاتی ہے اور بعضے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو نور تو کیا ملتا اہل دل کو انکی ظلمت کی وجہ سے

طواف کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کا واقعہ

مولوی شفیع الدین صاحب کے بھائی مولوی محب الدین صاحب جو کہ حاجی صاحبؒ کے خلیفہ تھے ایک بار حرم میں موجود تھے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے آہا آپ موجود ہیں جب ہی تو میں کہوں کہ آج حرم کیوں اتنا منور ہو رہا ہے۔

قلب کے نور و ظلمت کے متعلق حاجی صاحب قدس سرہٗ کا قول

اسی طرح سے حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ بعض لوگ ایسے کامل النور ہوتے ہیں کہ انکے نور کو آدمی دیکھے تو بس دیکھتا ہی رہ جائے (اس ظاہری آنکھ سے نہیں بلکہ باطن کی آنکھ سے) اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انکی ظلمت کیوجہ سے لوگوں کو طواف کرنا مشکل ہو جاتا ہے

زیارت بیت اللہ سے متعلق بزرگان دین کے اقوال کی مزید تشریح

بہر حال اس تقریر سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ رب البیت کی معرفت زیارتِ بیت پر مقدم ہے اور معرفت الٰہی کا محل بزرگوں کا سینہ اور انکا قلب ہے اسی کی جانب وہ لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں تو اب اسکے بعد کلام میں کوئی وجہ اشکال کی باقی نہیں رہ جاتی اسلئے کان حضرات کے قلب میں دین اور اسلام اور اسکے شعائر کی جو عظمت و احترام اور اسکے ساتھ جو عقیدت و تعلق ہوتا ہے اس کا تو ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے خاصکر حج جیسا اہتم بالشان فریضہ جو شعائر اسلام میں سے ہے اور جس پر کہ تمام عالم اسلامی کا قیام ہے۔ جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ (خدا تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو

جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا) اور نہ صرف کعبہ شریف ہی بلکہ پورے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا اسلام میں جو مقام ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے زَادَهُمَا اللهُ شَرَفًا وَّعِزَّةً اور ان حضرات پر بھی وہ مخفی نہیں تو پھر اسکے بعد یہ بات خیال میں خطرہ اور وہم کے طور پر بھی نہیں آسکتی کہ یہ حضرات ایسی واجب الاحترام چیز کی تنقیص فرمائیں یا اس سے لوگوں کو منع کریں گے۔ معاذ اللہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ بات وہی ہے جس کو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس سے بھی جو اہم شے ہے یعنی رب البیت کی معرفت جب لوگوں کو اسکی جانب سے سست و غافل پایا تو اسکی جانب متوجہ کرنے اور اس کی اہمیت قلب میں زیادہ پیدا کرنے کے لئے اس قسم کے ذرا موحش عنوان اختیار فرمائے تاکہ مسلمان کے دل میں جاکر لگے اور وہ اتنی بڑی دولت سے محروم نہ رہے۔ اور متوجہ یوں فرمایا کہ بیت اللہ کی زیارت کا بڑا شوق ہے اور مشائخ کے قلب اور انکی صحبت سے اسقدر استغنار ہے؟ حالانکہ جس طرح بیت اللہ حق تعالیٰ کی تجلی گاہ ہے تو قلب اہل اللہ بھی حق اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مورد ہے۔

چنانچہ مشائخ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ کعبہ پر جو اسقدر تجلی ہے اسکا سبب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خلوص ہے ؎

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود — ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

(یہ جو کعبہ پر حق تعالیٰ کی تجلی ہر آن بڑھتی رہتی ہے (جانتے ہو ایسا کیوں ہے؟) یہ حضرت ابراہیم علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے اخلاص کی برکت اور اسکا اثر ہے)

پھر یہ افراط و تفریط کیسی؟ کیوں انکے سینہ سے نور باطن اخذ نہیں کیا جاتا؟ جیسا کہ علماء باطن یہ بھی فرماتے ہیں:۔

• نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را از سینۂ درویشاں باید جست

وبداں نور سینۂ خود را روشن باید کرد"

(رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نور باطن کو درویشوں کے سینہ سے حاصل کرنا چاہیئے اور اس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہیئے)

اصلاح نفس کی تاکید پس اسی کی جانب لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ مشائخ سے اخذ فیض کریں اور ان سے اپنی اصلاح نفس کرانے کو ضروری سمجھیں، یہی مقصود تھا ان حضرات کا چنانچہ یہی مطلب ہے اسکا ع۔ آں رہ بسوئے کعبہ برد ویں بسوئے دوست۔ (وہ راستہ تو صرف خانۂ کعبہ ہی تک جاتا ہے اور صحبت اہل اللہ کا راستہ براہ راست محبوب حقیقی تک پہونچا دیتا ہے)۔

اور اسکا کہ ؎

صورتے کو فاخر و عالی بود اوز بیت اللہ کے خالی بود

(جو صورت کہ نور ایمان اور آثار عمل صالح سے آراستہ ہوکر عمدہ اور عالی ہو جاتی ہے وہ بیت (اللہ کی تجلی) سے کب خالی ہوتی ہے)

اور اسکا کہ:۔

"بحج کسے رود کہ اورا پیر نباشد" (حج کرنے تو وہ جائے جسکا پیر نہو)

اور اسکا کہ ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید

(اے لوگو! جو حج کے لئے جا رہے ہو کہاں ہو کہاں ہو؟ محبوب تو یہیں ہے یہاں آؤ یہاں آؤ)

بلکہ اگر حالات کا تتبع کیجئے گا تو اس قسم کے کلیات کا محل عموماً نفلی ہی حج کو پائیے گا۔ فرض تو خدا کا ہے اسکے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے اسکو یہ لوگ کیسے منع کر سکتے ہیں؟ یہ حضرات خدا کے حکم کی اتباع سکھلاتے ہیں نہ یہ کہ بے عملی اور اسکی مخالفت ؎

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

(تم خدا سے ملانے اور جوڑنے کیلئے آئے ہو کاٹنے اور جدا کرنے کیلئے تم نہیں آئے ہو)

میرے خیال میں اب تو بات بالکل صاف ہو گئی اور اب شاید کسی کیلئے بزرگان دین کے اس قسم کے کلام میں اشکال کی کوئی وجہ نہ ہوگی

تکمیل نسبت کا ایک آسان ذریعہ

اب سنیئے کہ حج اور زیارت بیت اللہ بھی اللہ تعالیٰ سے نسبت اور تعلق ہی کا ذریعہ ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جسکی نسبت میں نقص اور کمی ہو وہ آئے اور بیت اللہ سے اپنے نور اور نسبت کی تکمیل کرلے تو دیکھئے لوگوں نے یہ بھی تو کہا ہے ۔ مولانا فضل الرحمن صاحبؒ کے خلیفہ کے ایک خلیفہ تھے وہی یہ فرماتے تھے ۔ میں نے کہا ٹھیک ہے مگر آپ سے کہتا ہوں کہ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جو شخص پہلے سے صاحب نسبت ہو اور اسکی نسبت میں ابھی کسر اور نقص ہو تو وہ تو اپنی نسبت کی تکمیل بیت اللہ سے کرسکے گا لیکن اگر کسی نے سرے سے نسبت ہی نہیں پیدا کی اور اس سے بالکل کورا ہے تو وہ کیا تکمیل کریگا؟ اسکے لیے تو ضرورت کسی شیخ کامل و مکمل ہی کی پڑے گی ۔

خیر وہ صاحب جو بات کہتے تھے وہ صحیح ہے کہ کعبہ شریف سے ایمان کی نسبت کی تکمیل بیشک ہوتی ہے چاہے کسی کی بھی ہوتی ہو ۔ لیکن میں ایک آسان ذریعہ اس قسم کی تکمیل کا اور بتلاتا ہوں لوگ اس کو نہیں لیتے اور اسکو مکمل ایمان اور متمم نسبت نہیں سمجھتے ، حالانکہ وہ بھی ہے اور یقیناً ہے اور آپ کی بھی سمجھ میں آجائے گا کہ بیشک وہ ہے ۔ وہ کیا چیز ہے ؟ وہ ہے قرآن شریف ۔ اب جس کے اندر کسی بزرگ کی صحبت کی برکت سے کچھ بھی حصہ نسبت کا پیدا ہو چکا ہے وہ قرآن شریف سے بھی اپنی تکمیل کر سکتا ہے کیونکہ جس طرح کعبہ شریف بیت اللہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہیں کہ انکا کوئی مکان ہو اسیطرح سے قرآن شریف بھی

کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ متکلم ہیں ۔ کلام اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ ازلیہ میں سے ہے ۔ پس جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی تجلی بیت اللہ میں ہوتی ہے اور وہی منشاء ہوتی ہے سالک کی تکمیل کا ، اسی طرح سے وہی تجلی کلام اللہ میں بدرجہ اتم و اعلیٰ موجود ہے کیونکہ کسی کے اسم کو مسمی سے وہ نسبت اور اتصال نہیں حاصل ہوتا جو کہ اسکے کلام کو اسکے ساتھ ہوا کرتا ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ کی جیسی کچھ تجلی اسکے کلام میں ہوگی ظاہر ہے کہ کسی دوسری چیز میں نہ ہوگی ۔

شاہ عبدالعزیز نور اللہ مرقدہ کلام شاہ گیلانی

اس مسئلہ پر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں نہایت ہی عمدہ کلام فرمایا ہے اسکو بعینہ نقل کرتا ہوں کَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ کے تحت لکھتے ہیں کہ :۔

واختلاف مضامین را در ذکر بودنش تاثیرے نیست زیرا کہ بہر مضمون کہ باشد کلام الٰہی است و اتصال کلام با متکلم اقوی و اشد است از اتصال نامے با صاحب نام و التفاتے کہ در وقت ذکر نام شخص بآں شخص حاصل میشود از التفاتے کہ در وقت خواندن کلام او حاصل می گردد کمتر است چنانچہ بر صاحب تجربہ پوشیدہ نیست ، نیز کلام شخص شانے است عمدہ از شیون ذات او

قرآن شریف میں مختلف مضامین جو بیان کئے گئے ہیں تو انکے اختلاف سے اسکے ذکر ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا اسلئے کہ جو مضمون بھی اس میں ہے وہ کلام الٰہی ہے اور کلام کو متکلم کے ساتھ جو اتصال اور نسبت ہوتی ہے وہ اس سے کہیں زائد قوی اور شدید ہوتی ہے جو کسی کے نام کو اپنے مسمی سے ہوتی ہے اور وہ توجہ اور التفات جو کسی شخص کے نام لینے سے اسکی طرف ہوتی ہے بہت ہی کم ہے اس توجہ اور التفات سے جو کہ اسکے کلام کے پڑھنے کے وقت اسکی جانب ہوتی ہے جیسا کہ صاحب تجربہ پر پوشیدہ نہیں نیز یہ کہ کسی شخص کا کلام اسکی ذات کے شانوں میں سے

در وقت تلاوت آں کلام بر قلب تالی متجلی می شود لہٰذا تاثیر کلام بزرگاں در نفس زیادہ تر تاثیر نام آنہا می باشد و لہٰذا در حدیث شریف وارد است کہ در حق قرآن فرمودہ اند کہ ھو حبل اللّٰہ المتین

ایک عمدہ شان ہے جو کہ اس کلام کے تلاوت کے وقت قلب تالی پر تجلی ہوتی رہتی ہے یہی وجہ کہ بزرگوں کے کلام کی تاثیر نفس میں انکے نام کی تاثیر سے زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے متعلق فرمایا ہے کہ،

" یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے "

حضرت امام جعفر صادقؒ فرمودہ اند کہ تجلی اللّٰہ لعبادہ فی کلامہ ولکنھم لایبصرون

(ص۴۲ عزیزی)

اور حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کیلئے اپنے کلام میں تجلی فرمائی ہے لیکن وہ دیکھتے نہیں۔

کلام اللہ میں تجلیات خداوندی

تو دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ کلام اللہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی تجلیات موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اسی طرح سے مخفی ہیں جیسے خوشبو پھول میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ چنانچہ خوب کہا ہے کہ ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

(میں اپنے کلام میں اسی طرح پوشیدہ ہوں جیسے گلاب کی خوشبو گلاب کی پنکھڑیوں میں چھپی ہوتی ہے لہٰذا جسے میرے دیدار کا شوق ہو اسے چاہیئے کہ وہ مجھے میرے کلام ہی میں دیکھے)

حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ اسکو اللہ تعالیٰ اور کلام اللہ کے لئے بھی پڑھا جاسکتا ہے یعنی چونکہ کلام اللہ میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہیں جو اسمیں اسی طرح سے موجود ہیں جیسے پھول میں خوشبو تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ان کے دیکھنے کا قصد رکھتا ہو تو وہ انکو انکے کلام میں دیکھے۔ گویا حق تعالےٰ

کی جانب سے اسکو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

پس اللہ تعالیٰ کی جو تجلی قرآن میں ہے یا بیت اللہ میں ہے اسکا مومن حاصل کرتا ہے اور بعد ازاں اپنے ایمان کے حاصل کرتا ہے ان سب تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی کیا کوئی مسلمان اسکا انکار کرسکتا ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات نہیں ہیں

قرآن کو ذریعہ تکمیل ایمان و نسبت نہ سمجھنے کا اصل سبب

پھر اسکو ذریعۂ تکمیل نسبت اور ایمان جو نہیں بنایا جاتا تو اس میں نفس کا ایک چور ہوتا ہے وہ یہ کہ حج کے لئے تو کچھ اہتمام و انتظام وغیرہ کرنا پڑتا ہے اور دور دراز کا سفر کرنا ہوتا ہے اسلئے اسکی تو عظمت قلوب میں ہے اور قرآن شریف چونکہ ہر شخص کے گھر میں موجود ہے اسلئے اسکی قدر نہیں حالانکہ کلام اللہ کو اللہ تعالیٰ سے جو نسبت اور تعلق ہے وہ ابھی آپ نے سن ہی لیا۔ اب اسکے بعد اگر حج اور قرآن کے متعلق یہ کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا کہ ؏

آں رہ بسوئے کعبہ برد ایں بسوئے دوست

رمضان المبارک میں خاص شغل

اب یہ رمضان شریف کا مہینہ ہے بہت سے لوگ یہاں اسلئے آتے ہیں کہ حج کیلئے جانا ہے اسکے لئے تیاری کریں تو میں کہتا ہوں مقصود حج سے نفس کی تکمیل ہی ہوتی ہے پھر اس مہینے میں اور وہ بھی قرآن شریف کے ذریعے سے نفس کی جو تکمیل ہوسکتی ہے اسکی جانب سے آپلوگ آخر کیوں غافل ہیں ؟

بات یہ ہے کہ بزرگوں سے بھی ایمان اور نسبت حاصل کیجاتی ہے لیکن اس زمانے میں چونکہ ان چیزوں کا اعتقاد لوگوں سے ختم ہوتا جارہا ہے اسلئے یہ سب باتیں سمجھ میں ہی نہیں آتیں بس اسلئے لوگ

پاتے بھی نہیں۔

ارے بھائی نفس کا مارنا جو فرض ہے تو کیا اسکے لئے مکہ شریف ہی جانے کا انتظار ہے؟ کیا وہ ہندوستان میں فرض نہیں ہے پھر آخر یہاں بھی جو چیز فرض ہے اسکی جانب التفات کیوں نہیں ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (کیا تو کتاب کے بعض پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض پر نہیں) یعنی کیا بعض چیزوں کو تو لیجئگا اور بعض کو چھوڑ دیجئے گا' یہ دین میں تقسیم کیسی؟

لہٰذا جس طرح سے قرب خداوندی کا ایک ذریعہ حج ہے اسی طرح سے اسکا ایک ذریعہ تلاوت قرآن بھی ہے اور جس طرح سے حصول نسبت کا ایک طریقہ زیارت بیت ہے اسی طرح سے اسکا ایک ذریعہ اہل اللہ کی صحبت بھی ہے اس میں کیا اشکال ہے؟

مجھے اس جگہ
مشائخ محققین کی کوئی بات خلاف شریعت نہیں ہوتی یہی کلام کرنا ہے

امید ہے کہ اس تشریح و توضیح کے بعد خلجان رفع ہوگیا ہوگا۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ محققین کی کوئی بات شریعت کے خلاف نہیں ہوا کرتی البتہ کبھی کبھی کلام میں کچھ خِفَا (پوشیدگی و ابہام) ہوتا ہے اسلئے اس کو کسی محقق سے سمجھنا چاہیے۔

بزرگوں کے کلام میں علوم و معارف ہوتے ہیں، کبھی ان کی ایک ہی بات سے آدمی کہیں سے کہیں پہونچ جاتا ہے اس لئے ان پر بجائے اعتراض و انکار کرنے کے ان حضرات سے مناسبت اور باطن کا ذوق پیدا کرنا چاہیئے ؎

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

(جب کسی صاحب دل اللہ والے کی بات سنو" اور تمھاری سمجھ میں نہ آئے" تو یہ مت کہو کہ یہ غلط ہے۔ عزیز من! تم سخن شناس نہیں ہو" یعنی بات سمجھ نہیں پاتے غلطی یہیں سے ہوتی ہے۔" لہٰذا انکار نہ کرو بلکہ کسی محقق سے اور سمجھدار سے اسکو سمجھ لو")

علمار نے لکھا ہے کہ اولیار اللہ کا کلام انکے بعد انکا خلیفہ ہوتا ہے یعنی جس طرح انکی ذات سے فیض ہوتا ہے بعد کے لوگوں کو انکے کلام سے بھی نفع ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے صالحین بندوں کے قال سے مستفید فرماوے اور انکے حال سے بھی حصۂ وافر نصیب فرماوے ؎

احب الصالحین ولست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحًا

(نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہوں گو میں خود ان میں سے نہیں ہوں
امید ہے اللہ تعالیٰ اس محبت صالحین کی برکت سے مجھے بھی صلاح
وتقویٰ کی دولت سے مشرف فرمادیں گے)

افادات حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

الدِّینُ الخالِص

(۴)

ایک دوسری غلطی اسکے مقابل یہ ہے کہ کوئی اسکو بہت مشکل سمجھ رہا ہے اسلئے اپنی اصلاح سے ہاتھ دھو بیٹھا اور کوئی اتنا آسان سمجھے ہوئے ہے کہ صرف ایک نگاہ کا کام سمجھتا ہے حالانکہ ؎

صوفی نشود صافی تا در نہ کشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(یعنی جب تک جام الفت نوش کر کے خوب مجاہدات اور ریاضات نہ کرے اس وقت تک اصلاح اور تصفیہ حاصل نہیں ہو سکتا)

اور فرماتے ہیں کہ ؎ شنیدم رہروے در سرزمینے
ہمی گفت ایں معما با قرینے

(ایک سالک کو سنا کہ اپنے ہمنشین سے یہ نکتہ بیان کر رہا تھا)

کہ اے صوفی شراب آنگہے شود صاف
کہ در شیشہ بماند اربعینے

(کہ اے صوفی شراب اسوقت عمدہ اور صاف ہوتی ہے جبکہ چالیس دن تک شیشے میں رکھی رہے)۔

اور فرماتے ہیں ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن
دل بدست دگرے دادن وحیراں بودن

یعنی عاشقی کیا ہے محبوب کا بندہ ہو جانا دل دوسرے کے ہاتھ میں دیکر خود حیران ہو جانا)

سوئے زلفش نظرے کردن و روئیش دیدن

گاہ کافر شدن و گاہ مسلماں بودن

(اسکے زلف کی طرف نظر کرنا اور اسکے چہرے کو دیکھنا کبھی فانی ہونا ہے اور کبھی باقی رہنا)

کافر و مسلمان ایک اصطلاح ہے فنا کو کفر اور بقا کو اسلام سے تعبیر کرتے ہیں اور فنا کی تجلی کو زلف اور بقا کی تجلی کو رخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ یہ کام نہ اتنا آسان ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ کچھ کرنا ہی نہ پڑے اور ایسا مشکل بھی نہیں جس سے ڈر کر ہاتھ دھوکر بیٹھ جاویں۔

تصوف کی حقیقت

وجہ ان غلطیوں کی یہ ہے کہ لوگوں کو اسکی حقیقت کی خبر نہیں اسلئے کوئی بہت مشکل سمجھ رہا ہے اور کوئی بہت آسان خیال کر رہا ہے۔ تو سنیئے تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ تَعْمِیْرُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ (ظاہر و باطن کی اصلاح اور درستگی) سو یہ اختیاری امر ہے اسلئے تو اسقدر دشوار نہیں اور بوجہ اختیاری ہونے کے موقوف ہے قصد پر۔ اسلئے اسقدر سہل نہیں کہ قصد و ارادہ بھی نہ کرنا پڑے۔ اور گو حقیقت میں یہ فضلِ خدا ہی پر موقوف ہے مگر تاہم صرف ایک چیز اپنے اختیار میں بھی ہے ارادہ اور سعی۔ اور سعی بھی ارادہ ہی سے ہوتی ہے، مگر اب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ارادہ بھی کچھ نہ کرنا پڑے اور کام ہوجائے، مگر صاحبو! بدون ارادہ تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

دیکھئے کھانا کھانا کتنا آسان کام ہے مگر وہ بھی جب تک ارادہ نہو نہیں ہو سکتا۔ غلہ خریدنا پڑے گا، پھر پسوانا، پکوانا، برتن میں نکالنا پھر کہیں جاکر کھانا نصیب ہوگا۔ اور اگر کوئی پکا ہوا بھی دے جائے

تب بھی منہ چلانا تو پڑے ہی گا۔ بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر سعی کریں تو جانے کیا کیا کرنا پڑے گا؟ بیوی چھوڑنی پڑے گی کھانا پینا کم کرنا ہوگا غرض بہت مشکل ہے تو انھوں نے یہ تدبیر نکالی کہ کسی بزرگ کے پاس چلو ایک ہی نظر میں کامل بنا دیں گے۔

چنانچہ ایک ڈپٹی کلکٹر پنشنر اسی خیال سے ایک بزرگ کے پاس گئے اور کہا کہ خدا تک پہونچنے کی کوئی آسان ترکیب بتلا دیجئے کہ جلدی کامیاب ہو جاؤں۔ تھوڑی دیر وہ بزرگ چپ رہے پھر کہا کہ آپ کی کیا عمر ہے؟ انھوں نے عمر بتلائی، پوچھا کہ پڑھنا کب شروع کیا تھا؟ معلوم ہوا کہ بسم اللہ چوتھے برس ہوئی تھی آجکل بسم اللہ کیلئے چار برس کی رسم بھی مسلمانوں میں بہت رائج ہے حدیث و قرآن میں اسکی کوئی اصل نہیں ملتی۔ غرض انھوں نے بیان کیا کہ اردو اتنے برس میں ہوئی فارسی اتنے دنوں میں ہوئی پھر انگریزی شروع ہوئی، پھر انگریزی میں پاس حاصل کیا، اتنی عمر میں ملازمت ملی اس وقت سے ترقی پاکر ڈپٹی کلکٹر ہوا، اب پنشن ملی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اتنی مدت میں آپ کو ترقی ہوئی؟ انھوں نے کہا ہاں۔ کہا کہ قاعدہ ہے کہ ایک چیز حاصل شدہ کے بعد جب دوسری چیز حاصل کرتے ہیں تو اسکو پہلے سے افضل سمجھتے ہیں آپنے دنیاوی ترقی کے لئے جس کو ادنیٰ بھی سمجھتے ہو اتنی مدت صرف کی اور خدا سے ملنے کے لئے کہتے ہو کہ ایک قدم میں پہونچ جاؤں کچھ تو شرم کرنی چاہئے۔ تو وہ ڈپٹی صاحب کہتے تھے کہ واقعی ایسا جواب دیا کہ میں بالکل چپ ہو گیا۔ یہ فرمائش تو بہت اچھی ہے کہ خدا تک پہونچنے کی ترکیب بتلا دو مگر آسانی کی فرمائش نازیبا ہے۔ طالب کو تو ایسا ہونا چاہئے کہ

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید
یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

(یعنی جب تک مقصد برآری نہوگی اسوقت تک طلب سے باز نہ رہونگا یا تو تن محبوب کے پاس پہونچ جائے یا جان تن سے نکل جائے)

اپنی طرف سے ارادہ اور طلب کرو اس طرف سے بہت فضل ہوگا

حدیث قدسی میں باری تعالٰے ارشاد فرماتے ہیں مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا الخ (کہ جو میری طرف ایک بالشت آتا ہے میں اسکی طرف ایک ہاتھ جاتا ہوں اور جو میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے میں اسکی طرف مقدار باع (دونوں ہاتھ لمبا کرنے کی مقدار) جاتا ہوں۔ جو میری طرف آہستہ چل کر آتا ہے میں اسکی طرف دوڑ کر جاتا ہوں) غرض تمھاری تھوڑی سی توجہ پر اس طرف سے عنایت ہی عنایت ہوتی ہے ؎

آب کم جو، تشنگی آور بدست تا بجوشد آبت از بالا و پست

تشنگان گر آب جویند از جہاں آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(پانی مت تلاش کرو، پیاس پیدا کرو تاکہ پستی و بلندی سے تمھارے لئے پانی جوش مارے یعنی اپنے اندر طلب پیدا کرو عنایت حق خودبخود متوجہ ہوگی اگر پانی کے پیاسے طالب ہیں تو پانی بھی پیاسوں کا طالب ہے) اس میں راز یہ ہے کہ جیسے پیاسے پانی کو ڈھونڈھتے ہیں پانی بھی پیاسوں کا طالب ہے، اسی طرح جیسے تم طالب عنایات حق ہو عنایات حق بھی تمھاری طالب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ذرا سی توجہ پر بیحد عنایات ہوتی ہیں۔ تم اپنے اندر طلب پیدا کرلو محبوب خودبخود تمھاری طرف متوجہ ہوگا۔ کہتے ہیں ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(جو بھی عاشق ہوا ہے محبوب نے ضرور اسکے حال پر نظر کی ہے حق یہ ہے

کردو (یعنی طلب ہی نہیں ورنہ طبیب یعنی عنایت حق تو ہر وقت موجود ہے)

حقیقت میں طلب ہی نہیں ورنہ خدا کے یہاں سے کوئی کمی نہیں غرض اس بھروسہ سے نہ رہنا کہ بدون کچھ کئے ایک نظر پڑجاوےگی اور کامل ہوجاؤ گے۔ نظر بھی جب ہی پڑے گی جب طلب ہوگی۔ دیکھو بعض مرتبہ اساتذہ حساب وغیرہ کا کوئی آسان قاعدہ بھی بتلا دیتے ہیں مگر ہر ایک کو نہیں بتاتے جس میں شوق و طلب دیکھتے ہیں اسی کو بتلاتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اخلاص بھی کچھ مشکل نہیں آسان ہے مگر بلا طلب حاصل نہیں ہوتا۔

اب اپنی حالت میں غور کرو ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں مگر کبھی اس طرف توجہ نہ ہوئی کہ نیت خالص ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی کے کہنے سے توجہ ہوئی بھی تو یوں چاہتے ہیں کہ خود کچھ نہ کریں اپنے آپ اخلاص ہونے لگے، جب اسقدر بے توجہی ہے تو اَنُلْزِمُكُمُوهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كَارِهُوْنَ کیا اپنی رحمت تمہارے سر چپکا دیں حالانکہ تم کو اسکی پروا بھی نہیں تو اخلاص اتنا آسان نہیں کہ بلا طلب بھی مل جائے۔

علم میں اخلاص کی ضرورت چونکہ دین کے دو شعبے ہیں ایک علم دوسرا عمل تو جیسے عمل میں اخلاص ضروری ہے ایسے ہی علم میں بھی ضروری ہے۔ اب دیکھئے کہ تحصیل علم میں تمہاری کیا نیت ہوتی ہے ایسے بہت کم ہیں جنکی یہ نیت ہو کہ غیر مرضیات حق سے بچیں گے اور خدا تعالیٰ اس سے خوش ہوگا۔ جب علم میں اخلاص نہیں تو عمل میں کہاں سے آئے اول علم میں اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اگر نیت خالص نہ ہو تو تحصیل علم ہی چھوڑ دو نہیں پڑھنا تو بہرحال ضروری ہے کیونکہ اگر تحصیل کے وقت اخلاص

نہیں ہے تاہم امید ہے کہ علم حاصل کر لینے سے پھر کبھی پیدا ہو جائیگا اور
گر علم بھی نہ حاصل کیا تو یہ امید بھی نہ رہے گی۔ اسی طرح اگر عمل میں اخلاص
ہو تاہم عمل نہ چھوڑو کہ کبھی عمل کرتے کرتے اسکی برکت سے بھی اخلاص
پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں میں تجاذب (باہمی کشش) بھی ہے۔ کبھی
عمل سے بھی نیت درست ہو جاتی ہے جیسا کہ علم سے اکثر یہ بات ہو جاتی ہے
اگر نیت خالص نہ ہوئی تب بھی چھوڑ نہ دے کیونکہ آئندہ حاصل ہو جانے کی
امید ہے بزرگوں کا قول ہے تَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَاَبَی الْعِلْمُ
اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ لِلّٰہِ (علم ہم نے غیر اللہ کے لئے پڑھا تھا مگر وہ مانا ہی نہیں
وہ غیر اللہ کا ہو کر رہے لہٰذا وہ اللہ ہی کا ہو کر رہا)

ہم نے فقہ اسلئے سیکھی تھی کہ فتویٰ لکھیں گے، مفتی کہلائیں گے
حدیث پڑھتے ہیں تاکہ وعظ کہیں گے، لوگ ہم کو نذرانے دیں گے دانت
لغسائی دیں گے۔ یا بعضوں نے مباحثہ کے لئے پڑھا تھا کہ بڑی عزت
ہوگی مگر علم خدا ہی کا ہو کر رہا۔ علم نے مانا نہیں کہ وہ غیر کا ہو کر رہے اور اسکی
وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مثلاً قرآن میں کوئی آیتِ وعید
پڑھی جس میں علم سے دنیا کمانے کی مذمت تھی اور قلب میں ایک کھٹکا پیدا
ہوا کہ میں بھی تو اسی مرض میں مبتلا ہوں تو اپنے کو ملامت کرتا ہے اور
روتا ہے پس اس طرح عالم باعمل ہو گیا۔ یہ ہے اَبَی الْعِلْمُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ
لِلّٰہِ (یعنی علم مانا ہی نہیں اسکے کہ وہ اللہ ہی کا ہو کر رہے) کہ علم سے
کبھی نہ کبھی اخلاص ہو ہی جاتا ہے۔

اس سے ان لوگوں کا جواب بھی سمجھ میں آگیا ہوگا جو کہتے ہیں کہ
اگر انگریزی سیکھنا برا ہے تو آجکل کے طالبعلموں کا عربی سیکھنا بھی
اچھا نہیں کیونکہ اسمیں انکی کون سی نیت اچھی ہے۔ دونوں سے مقصود
دنیا ہے بس دونوں برے ہوئے اور اگر یہ کہو کہ انگریزی میں علت آئد

خراب ہوتے ہیں اور عربی کے ساتھ بھی تو فلسفہ ہے اسکے ساتھ بھی عقائد خراب ہو سکتے ہیں، یہ ہیں اقوال اہل شبہات کے مگر یہ سب تلبیسات ہیں دونوں ہرگز برابر نہیں کیونکہ علوم محمودہ حدیث و قرآن جب عربی پڑھنے والے کی زبان سے ادا ہونگے کان سے بھی سنے گا اسمیں غور و فکر بھی کرے گا تو اسکے ساتھ ایک بازی تو موجود ہے کبھی تو اثر پڑے گا اور اصلاح ہو جاوے گی۔ انگریزی میں کوئی امید بھی اصلاح کی نہیں، بڑا کھلا فرق ہے، غرض اَبَی الْعِلْمُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ لِلّٰہِ کے یہ معنی ہیں کہ علم خدا کا کر کے رہتا ہے۔

اسلئے اول تو اسکی کوشش کرنا چاہیئے کہ پہلے ہی سے تحصیل علم میں نیت خالص ہو اور اگر کسی کی نیت ابھی خالص نہ ہو تو اسکو چھوڑنا ہرگز نہیں چاہیئے امید ہے کہ کبھی اخلاص حاصل ہو جائے اسی لئے اہل اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص عمل کرتا ہے گو ریاء ہی سے ہو اس شخص سے اچھا ہے جو عمل کرتا ہی نہیں کیونکہ کبھی نہ کبھی ریاء بھی جاتی رہے گی اور عمل رہ جاوے گا مثلاً کوئی شخص ذکر کرتا ہے تو دوسرا آدمی اسکو ریاء کار کہے تو اس سے کہا جائے گا کہ میاں تم نے تو ریاء کے لئے بھی نہ کیا تم کس منہ سے طعن کرتے ہو سودا نے کیا خوب کہا ہے ؎

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپکو کہتا ہے عشقباز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

تو کرنے والا نہ کرنے والے سے پھر بھی اچھا ہے البتہ عمل کرنیوالوں کی یہ شکایت ہے کہ نیت کو خالص کرنا بھی تو فرض ہے اسے کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ مثلاً ایک شخص بے چبائے کھانا کھاتا تو اسے یہ نہ کہا جائیگا کہ

تم کھاتے کیوں ہو ہاں یہ ضرور کہا جائے گا کہ اچھی طرح چبا کر کیوں نہیں کھاتے ۔ بعض لوگ نماز نہیں پڑھتے کہ جیسی پڑھنی چاہیئے ویسی تو ادا ہوتی نہیں پھر پڑھنے سے کیا فائدہ ؟ سو یہ لوگ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ کیا کوئی کام اچھی طرح نہ ہو سکے تو اسکو بالکل بھی نہ کرنا چاہیئے ۔ اگر ایک لڑکا تختی لکھنا چھوڑ دے کہ اچھا تو لکھا نہیں جاتا کیا کوئی اس عذر کو مانے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ اس سے کہا جاوے گا کہ تو خراب ہی لکھتا رہ کبھی نہ کبھی خط عمدہ ہو ہی جائے گا۔ ویسے ہی یہاں بھی سمجھ لو۔ رہا یہ کہنا کہ جیسی ادا ہونی چاہیئے ویسی ادا نہیں ہو سکتی یعنی ناممکن ہے یہ بھی غلط ہے ضرور ہو سکتی ہے ۔ شریعت میں کوئی ایسا کام نہیں کہ نہ ہو سکے ہاں ارادہ اور طلب پہلی شرط ہے ۔

اب میں ایسے لوگوں کو جو اس لئے کام نہیں کرتے کہ عمل کامل تو ہوتا نہیں پھر کیا کام کریں ایک بات سناتا ہوں کہ جس (عمل) کو آپ کامل سمجھتے ہیں اسکی توفیق کے بعد بھی، چونکہ اس وقت نظر صحیح ہوگی، آپ اسکو ناقص ہی دیکھئے گا ۔ بہرحال کام کئے جاؤ کامل ہو خواہ ناقص ہو انشاء اللہ ناقص ہی سے کامل ہو جائے گا ۔

دیکھو ! ایک شخص نے لکھنا شروع کیا اور خراب جیم لکھی گئی اور میر پنجہ کش کی جیم دیکھکر مایوس ہوگیا تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ ابتدا میں انتہا پر نظر نہیں کیا کرتے جیسا کچھ ہے کئے جاؤ، ہوتے ہوتے کام ہوتا ہے ایک دم سے نہیں ہو جاتا ۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

(اسی ادھیڑ بن میں لگے رہو آخر دم تک فارغ ہوکر مت بیٹھو)

تا دمِ آخر دمے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سِر بود

(آخری وقت تک کوئی گھڑی آخر ایسی ضرور ہوگی جس میں عنایت ربانی تمہاری ہمراز و معین بن جاویگی)

کام کئے جاؤ کسی نہ کسی روز انشاء اللہ فضل ہو جائے گا حافظ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں ؎

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور
کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

(یعنی یوسف گم شدہ کنعان میں واپس آجائیں گے غم مت کرو، فکر نہ کرو کسی روز رنج والم کی کوٹھڑی چمن ہو جائیگی یعنی کام اور طلب میں لگے رہو غمگین نہ ہو انشاء اللہ کسی روز فضل ایزدی ہو جائے گا) ۔

عبدیت کا تقاضا

باقی تقاضا اور جلدی خرابی کی بات ہے اور وجہ مایوسی کی یہ ہوتی ہے کہ آجکل لوگ کسی ایک خاص شئے کو اپنا مطلوب قرار دے لیتے ہیں جب وہ حاصل نہ ہوئی تو سمجھتے ہیں کچھ حاصل نہ ہوا سو خوب سمجھ لو لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وسعت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیجاتی ۔ انسان جتنی اصلاح پر اسوقت قادر ہے اس وقت میں اسی قدر کا مکلف ہے اور جیسے سو برس کا مجاہدہ کرنے والا خدا کا محبوب ہے ایسے ہی یہ بھی محبوب ہے جس نے ابھی کام شروع کیا اگرچہ درجۂ تکمیل کو نہیں پہنچا، محبوب دونوں ہیں اگرچہ مراتب کا فرق ہے ۔ دیکھئے اگر طالبعلموں کو شیرینی تقسیم ہو تو الف بے پڑھنے والے کو بھی اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا شمس بازغہ پڑھنے والے کو ۔ تو پڑھتے رہیئے ارادہ توڑیئے مشکل وہی ہے کہ اپنے نزدیک ایک خاص مطلوب تراش لیا ہے اور یوں چاہتے ہیں کہ ہم آج ہی جنیدؒ کے برابر ہو جائیں پھر اپنے اندر جب کمی دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوا اور نہ ہونے کی امید ہے ۔ بعضے اس سے ناامید ہو جاتے ہیں کہ کامل تو وہی ہے جو جنیدؒ کے برابر ہو اور انکی برابری ممکن نہیں ۔ سو اول تو کمال منحصر نہیں مماثلت جنید میں

دوسرے تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ جنید کے برابر نہیں ہو سکتے خداوند تعالیٰ کا فیض ہر وقت اور ہر زمانہ میں یکساں ہے انکی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ اب بھی جنیدؒ وشبلیؒ جیسے بنا دیں ؎

ہنوز آں ابر رحمت دُرفشان است
خمُ وخم خانہ با مُہــر و نشان است

(یعنی اب بھی وہ ابر رحمت درفشاں ہے خم اور خم خانہ اب بھی مُہر ونشان کے ساتھ ہے۔ رحمت الٰہی اب بھی ایسی ہے جیسے پہلے تھی)۔

البتہ یہ ضروری نہیں کہ تمکو بھی اپنا جنید ہونا معلوم ہو جائے۔ اور کیا خبر ہے اگر تم کو یہ مساوات معلوم بھی ہو جائے تو تم عُجب میں مبتلا ہو کر فاسق سے بھی بدتر ہو جاؤ۔ تو اسکا طالب ہونا کہ ہمکو بھی معلوم ہو جائے کہ ہم کس مرتبے کے ہیں اپنے تنزل کا طالب ہونا ہے۔ اس راہ میں ترقی یہی ہے کہ اپنے کو سب سے حقیر سمجھے اور کسی درجہ کا مستحق نہ سمجھے جو کچھ مل جاوے وہ محض انعام خداوندی ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر شخص کو اپنی ترقی محسوس ہو جایا کرے۔

مثلاً اگر ایک شخص مرے اور نابالغ بچہ چھوڑے اور جائداد کورٹ ہو جائے تو یہ بچہ زمین کا مالک ہے اور زمیندار ہے اگر چہ اسکو خبر بھی نہیں کہ میں کتنے کا مالک ہوں تو ایسی خبر کا طالب ہونا یہ اپنے کو گرانا ہے اس اعلیٰ درجہ سے جو اسکو حاصل ہے آپ کو کام کے لئے کہا گیا ہے اپنا کام کئے جاؤ۔ ع کار خود کن کار بیگانہ مکن "اپنا کام کئے جاؤ دوسرے کے کرنے کا جو کام ہے اس کی فکر میں نہ پڑو"۔ آپ کا کام امتثال امر ہے دیکھئے پھر جس مرتبہ کا ارادہ اور استعداد ہوگی اسکے مطابق کامیابی ہوگی پھر تشویش کیوں کیجاوے اکثر کام کرنے والوں سے ایسی غلطی سرزد ہو جاتی ہے کہ وہ اسکے درپے ہو جاتے ہیں کہ ہمیں کچھ حاصل ہوا یا نہیں اسکا وسوسہ بھی دل میں نہ لانا چاہئے۔

اب لوگوں میں یہ عیب ہے کہ جو چیزیں ان کے اختیار میں نہیں ہیں (جیسے ثمرات مخصوصہ کا مرتب ہونا) انکی طلب میں پڑ جاتے ہیں۔ یاد رکھو جو شخص غیر اختیاری امور کی طلب کریگا وہ ہمیشہ پریشانی میں مبتلا رہے گا۔ بعض ثمرات تو موعود بھی نہیں انکا ترتب تو یقینی بھی نہیں انکی فکر میں پڑنا تو پوری پریشانی ہے۔ باقی جو موعود بھی ہیں جیسے اجر و ثواب کا وعدہ آخرت میں ہے یہاں انکا انتظار کرنا بھی ظاہر ہے پریشانی ہی پریشانی ہے۔ خدا تعالے نے ہمکو ایک کام بتلایا ہے اور ایک شے کا وعدہ کیا ہے ہمارا کام عبادت ہے وہ اپنا وعدہ خود پورا کر دیں گے ہمارا طالب ثمرات ہونا خلاف عبدیت ہے اور اسی طرح یہ دیکھنا کہ میں اتنے دنوں سے کام کر رہا ہوں کچھ ملا بھی یا نہیں خلاف اخلاص بھی ہے۔ کیونکہ ثمرات عاجلہ کا طالب ہونا ہے۔ حالانکہ اب بھی جو اسکو ملا ہے یعنی اصلاح کے تدریجی مراتب اسکا سکو پتہ بھی نہیں چلتا۔ ایسی مثال ہے۔ جیسے بچہ بڑھتا ہے اور آج اور کل میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا حالانکہ بالکل اول اور بہت آخر کو ملا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کتنا بڑا فرق ہوگیا ہے۔

صاحبو! ایسے ہی مومن کے اول و آخر کو ملا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہوگیا تو فرق یقیناً ہوتا ہے۔ مگر یہ بات کہ کرنے والے کو بھی معلوم ہو سو یہ ضروری نہیں۔ اول تو ثمرات عاجلہ کا حاصل ہونا ہی ضروری نہیں اور ہوں بھی تو خبر ہونا ضروری نہیں اسکو خوب سمجھ لینا ورنہ اس سے بہت سے خطرات اور وساوس پیدا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کسی کو بسط عنایت کرتے ہیں کسی کو حزن و غم عطا فرماتے ہیں اور یہ ہر ایک کے حالت کے موافق ہوتا ہے کیونکہ اگر بسط والے کو حزن و غم دیدے تو وہ عمل ہی چھوڑ بیٹھے اور اگر حزن والے کو بسط دے تو وہ اپنے کو بڑا سمجھنے لگے تو ہر ایک کے لئے وہی مناسب ہے جو اسکو ملے اسی کو کہتے ہیں

بہ دُرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

(قبض و بسط کی خواہش یا انکار کا تم کو حق نہیں ہے جو کچھ عطا ہو جائے وہی تربیت باطنی کے لئے مصلحت اور وہی عین لطف ہے)

نیک نیتی کی ضرورت تو ارادہ کرنے کے بعد یہ غلطیاں ہوتی ہیں انکی وجہ سے ارادہ میں سستی ہو جاتی ہے۔ غرض بعض تو سرے سے ارادہ ہی نہیں کرتے اور بعض شروع کرتے ہیں مگر ان وساوس کی وجہ سے انکو تعطل ہو جاتا ہے اسلئے میں نے اسکی شرح کر دی کہ ارادہ کرو اور ان قصوں کو چھوڑ دو۔ تم ارادہ کئے جاؤ اور جس کے مکلف ہو اسکے درپے ہو اور وہ مکلف بہ یہ ہے کہ نیت کو خالص کرو علوم میں بھی اور اعمال میں بھی۔ تحصیل علم میں جو خرابیاں لوگوں نے کر رکھی ہیں اسکی تفصیل کی مجھکو اس وقت اسلئے ضرورت ہوئی کہ اس وقت مخاطب اہل علم ہیں تو انکو یہ نیت کرنا چاہیئے کہ علم حاصل کرکے ہم احکام الٰہی پر خود کاربند ہونگے اور لوگوں کو ہدایت کریں گے۔ اور میں وصیت کرتا ہوں کہ نوکری کی نیت نہ کرو گو انشاء اللہ وہ ملے گی ضرور مگر نیت اسکی مت رکھو اور بعد میں جب مل جاوے تو کرلو اور پڑھانے پر تنخواہ لینا بھی جائز ہے۔ یہ غلطی ہے کہ تعلیم پر تنخواہ لینا جائز نہیں۔ اور یہ جواز حنفیہ کے اصول پر بھی ہے کیونکہ جو شخص کسی کے کام میں محبوس ہوتا ہے اسکا نفقہ اسی کے ذمہ واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ دیکھو قضاۃ کو وظیفہ اسلئے دیا جاتا ہے کہ وہ محبوس ہیں۔

دوسرے دیکھو بیت المال کیا ہے وہ مجموعہ ہے مسلمانوں کے مال کا جس کو سلطان حسب ضرورت مختلف مقاموں میں صرف کرتا ہے علماء کو بھی اس سے وظائف دیئے جاتے تھے اور کسی نے انکو حرام

نہیں کہا تو چندہ کی کمی تو یہی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے مال کا مجموعہ ہے
صرف اتنا فرق ہے کہ بیت المال سلطان کی طرف منسوب ہوتا ہے اسلئے
لوگوں کی نظروں میں اسکی وقعت ہے چندہ کی وقعت نہیں ورنہ اصل میں دونوں
یکساں ہیں پھر چندہ میں سے علماء کو وظائف لینا کیوں حرام ہونے لگا ہے اور
اور تعیین مقدار سے اسکے اجرت ہونے کا شبہ نہ کیا جائے تعیین تو اس لئے کی
جاتی ہے تاکہ بعد میں نزاع نہ ہو ورنہ اگر تعیین نہ کیجائے اور موافق ضرورت
دیا جائے تو اس میں اختلاف و نزاع کا بڑا اندیشہ ہے۔ تم کہو کہ مجھے اتنی مقدار
ناکافی ہے۔ دوسرا کہے کہ کافی ہے۔ اس نزاع کے رفع کرنے کو پہلے ہی سے
مقدار تعیین کردی جاتی ہے۔ غرض تنخواہ کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں لیکن اسکا
انتظام کرنا یہ تو مسلمانوں کا کام ہے آپ اسکی فکر میں کیوں پڑیں۔ آپ کے ذمہ
جو کام ہے خدمت دین آپ اسکی نیت رکھیں اور اسے بلا تنخواہ شروع
کر دیں، مسلمان اپنا کام کریں گے۔ یہ تو ایسا ہوا کہ امام مصلے پر پہونچکر یہ قصد
کرے کہ میں اس وقت نیت باندھوں جب پہلے مقتدی نیت باندھ چکیں۔
تم اپنا کام شروع کرو لوگ اپنا کام کرینگے اور میں وعدہ بلکہ دعویٰ کرتا ہوں کہ
اگر تم اپنا کام شروع کردو گے تو لوگ زبردستی تمھاری خدمت کریں گے
تم انکو دھکیلو گے اور وہ ہاتھ جوڑ کر دیں گے۔ اسی لئے میں اکثر اپنے دوستوں
کو کہا کرتا ہوں کہ میاں تنخواہ میں جھگڑا نہ کیا کرو۔

صاحبو! خدمت دین تو خود ہمارا کام ہے اس میں بھاؤ تاؤ
کیسا؟ کیا وہ کرنا چاہتے ہو جیسا ہندوؤں کے ساتھ برہمن کیا کرتے ہیں۔
کہ جب انکی دعوت کرتے ہیں تو کچھ کھا کر ہاتھ کھینچ لیتے ہیں ہندو انکی خوشامد
کرتے ہیں کہ اور کھاؤ، پوچھتے ہیں کہ کیا دوگے وہ کہتے ہیں کہ ایک لڈو پر
ایک روپیہ وہ ایک دو لقمہ کھا کر پھر ہاتھ روک لیتے ہیں پھر وہ ایک لڈو پر
دو روپئے دیتے ہیں۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ تنخواہ کبھی چھوڑ دو کہ درست کر دو جو خدمت کریں خوشی سے قبول کرو جب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ تمہارا کام نہیں چلتا تو وہ خود تمہاری امداد کریں گے۔ آپ اللہ کے واسطے اپنا کام کیجئے۔ یہ تو مضمون تھا اخلاص فی العلم کا۔

عدم اخلاص کی خرابیاں اب رہے اعمال سو ان میں عدم اخلاص کے سبب جو خرابیاں ہیں ان میں عوام بھی شریک ہیں کیونکہ علوم میں تو عوام بہت اچھے ہیں وہ کوئی مسئلہ اس نیت سے نہیں پوچھتے کہ اس سے نوکری ملے گی البتہ بعض اوقات ایک فعل عبث میں تو مبتلا ہو جاتے ہیں کہ بلا ضرورت مسئلے پوچھتے ہیں اور بعض دوسری اغراض فاسدہ میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں، اسلئے مسئلے پوچھتے ہیں تاکہ جھگڑا کریں مگر ایسے لوگ کم ہیں زیادہ یہی حالت ہے کہ پوچھ لیا اور عمل کر لیا۔ ہاں عمل کی خرابی میں خواص اور عوام دونوں شریک ہیں گو خواص کا محل ریاء دوسرا ہے انکا دوسرا مثلاً بعض خواص غور کر کے دیکھ لیں کہ وہ ذکر و تلاوت کس غرض سے کرتے ہیں محض اسلئے کہ نام ونمود ہو جاہ ہو، جلسے اس واسطے کرتے ہیں کہ ہمارا گزر ہو، آمدنی ہو، شہرت ہو۔ پیری مریدی کرتے ہیں تو نیت ہوتی ہے کہ آمدنی بڑھے۔ بعض پیر ایسے بھی ہیں کہ مال نہیں لیتے نذرانے قبول نہیں کرتے مگر وہاں بھی نیت خالص نہیں ہوتی نہ لینے کے اندر بھی دنیاوی غرض ہوتی ہے کہ وقعت ہو عزت ہو لوگ مستغنی سمجھیں۔ چونکہ اخلاص نہیں اسلئے ایسوں کے لینے میں بھی خرابی اور نہ لینے میں بھی خرابی، وہ حال ہے کہ ؎

چو گرسنہ می شوی سگ می شوی   چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

(جب بھوکے ہوتے ہو تو سگ (کتے) ہو جاتے ہو اور جب کھا لیتے ہو تو تندخو اور بدرگ ہو جاتے ہو)

عوام کی یہ حالت ہے کہ مسجد بناتے ہیں فخر و مباہات کے لئے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ یہ مسجد فلاں کی بنوائی ہوئی ہے اور اسی لئے آجکل لوگ کثرت سے مسجدیں بناتے ہیں باوجودیکہ ضرورت بھی نہیں۔

صاحبو! مسجدیں تو پیچھے بنائیے گا پہلے مسجد والے تو بناؤ بہت سی مسجدیں آجکل ویران نظر آتی ہیں جن میں نہ اذان ہو نہ جماعت۔

اسی طرح اکثر لوگ وعظ کے بعد مٹھائی تقسیم کرتے ہیں جس سے صرف نام ہی مقصود ہوتا ہے۔ قیمتی کپڑے پہنتے ہیں لوگوں کی آنکھوں میں بڑا بننے کے لئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ قیمتی کپڑے نہ پہنو، نہیں خوب پہنو مگر نیت یہ ہو کہ اس سے ہمارا جی خوش ہوگا خدا تعالیٰ کی نعمت پر شکر کی توفیق ہوگی۔ دوسروں کو دکھانے کی نیت نہو، یہ ناجائز ہے اور اسکی پہچان یہ ہے کہ اگر ہم تنہا ہوں تو دیکھ لیں کہ اسی زینت کے ساتھ اسوقت بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔ ہم نے تو دیکھا ہے کہ تکلف والے گھر میں معمولی حالت سے بھی کمتر ہوتے ہیں ہاں باہر جانے کے لئے ساری زینت کیجاتی ہے پھر یہ کیسے کہیں کہ دکھلانا مقصود نہیں۔

دیکھو اگر عمدہ غذا کھانے کی عادت ہو تو تنہائی میں بھی عمدہ غذا کھاؤ گے اور سب کے سامنے بھی تو اگر عمدہ کپڑا پہننا اپنا جی خوش کرنے کے لئے ہے تو تنہائی میں بھی اسکو کیوں اتارا جاتا ہے بعض لوگ اس نمائش کی بدولت ایسے کپڑے پہنتے ہیں جس سے تکلیف ہوتی ہے. مثلاً گرمی کے وقت گرم اچکن۔ تو ریاء میں آخرت اور دنیا دونوں کا زیاں ہی ہے باقی اگر قیمتی لباس پہننے کے ساتھ اس طرف التفات نہو اور مالی گنجائش بھی ہو تو عمدہ لباس پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اکثر ایسا ہی دیکھا ہے کہ گنجائش والے کو لباس کی طرف زیادہ مشغول نہیں ہوتی۔

بھوپال کی شکایت سنی ہے کہ ایک مرتبہ نماز کے وقت بارش

آگئی فرض تو ہو چکے تھے لوگ سنتیں پڑھ رہے تھے اور تو سب جلدی جلدی نماز ختم کرکے اندر چلے گئے مگر ایک رئیس جو قیمتی کپڑے پہنے ہوئے تھے انھوں نے جلدی نہیں کی بلکہ بہت خشوع اور خضوع سے نماز پڑھتے رہے، جب نماز ختم کرکے اندر گئے تو بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نے نماز میں اختصار کیوں نہ کرلیا بارش سے آپ کے تمام کپڑے خراب ہو گئے انھوں نے کہا کہ کپڑے تو میرے پاس بہت ہیں میں انکو اتار کر دوسرے پہن سکتا ہوں مگر جلدی سے جو نماز میں خرابی آتی اسکا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا تھا۔

سبحان اللہ! ایسے شخص کا البتہ حق ہے کہ اچھے کپڑے پہنے جس کو پہنکر اسکو نماز پر ترجیح نہیں دی۔

جیسے ایک خبطی شاعر کی حکایت ہے کہ نماز میں ایک مصرعہ یاد آیا تو فوراً نماز توڑ کر مصرعہ کو قلمبند کر کے پھر نماز شروع کر دی، لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی؟ نماز کے بعد شعر لکھ لیا ہوتا تو اس نے کہا کہ نماز کی تو قضا بھی ہے مصرعہ اگر بھول جاتا تو اسکی کوئی قضا نہ تھی۔

مگر یہ ان لوگوں کی حکایت ہے جو پورے شاعر نہ تھے کاملین تو ایسے ہوتے ہیں کہ ذوق کہا کرتا تھا کہ یہ کیا شاعری ہے کہ ایک کوٹھری میں بند ہو کر شعر لکھے جائیں شاعری اسے کہتے ہیں کہ میرے اور میرے کسی معاصر کی کمر میں رسی باندھکر کنوئیں میں لٹکا دو اور رسی کاٹ دو پانی کی سطح پر پہنچتے پہنچتے جو شخص زیادہ شعر لکھ لائے وہی شاعر ہے۔ تو جو شخص زیادہ صاحب کمال ہوتا ہے اسکو زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح جس کے پاس کپڑا گنجائش کا ہوگا اسکو زیادہ پروا بھی نہیں ہوتی اور جن کے پاس گنجائش نہیں وہ اگر اس میں مشغول ہو جاتے ہیں تو انکو انہماک ہو جاتا ہے کہ اگر یہ لوگ گبرون کا بھی کپڑا لیں گے تو ایسا کہ ذرا لینا معلوم ہو۔

(جاری)

والدین کی خدمت جنت کا ذریعہ

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

یاد رکھئے! اس دنیا میں جتنی محبتیں اور تعلقات ہیں ان سب میں انسان کی کوئی نہ کوئی غرض ضرور وابستہ ہے۔ اس دنیا میں بے غرض محبت نہیں ملے گی، لیکن والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بے غرض ہوتی ہے انکا جذبہ تو یہ ہوتا ہے کہ اپنی جان بھی چلی جائے لیکن اولاد کو فائدہ پہنچ جائے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حقوق میں انکا درجہ سب سے زیادہ رکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

والدین کی خدمت جنت کا ذریعہ

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ و نتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء: ۳۶)

(اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غربا کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی

اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر کے ساتھ بھی اور انکے ساتھ بھی جو تمھارے مالکانہ قبضہ میں ہیں۔

اٰمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العلمین۔

حقوق العباد کا بیان

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ایک نیا باب قائم فرمایا ہے جو والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کے بیان میں ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ یہ ابواب جو اس کتاب "ریاض الصالحین" میں چل رہے ہیں انکا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ بعض حقوق العباد کا بیان گزر چکا ہے ان حقوق کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ سُن چکے ہیں اس نئے باب میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں آیات واحادیث لائے ہیں۔ سب سے پہلی حدیث یہ ہے کہ

افضل عمل کونسا؟

عن ابی عبد الرحمٰن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال سئلت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ای العمل احب الی اللہ؟ قال: الصلاۃ علیٰ وقتھا، قلت: ثم ای؟ قال برالوالدین قلت ثم ای: قال الجہاد فی سبیل اللہ " (صحیح بخاری باب فضیلت الصلوٰۃ حدیث نمبر ۵۰۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل یہ ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے۔ میں نے پھر پوچھا کہ نماز کے بعد سب سے

زیادہ محبوب عمل کونسا ہے ؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ۔ میں نے پھر پوچھا والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد تیسرے نمبر پر محبوب عمل کونسا ہے ؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ۔

اس حدیث میں ترتیب اس طرح بیان فرمائی گئی کہ سب سے افضل اور پسندیدہ عمل وقت پر نماز پڑھنے کو قرار دیا گیا اور دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اور تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ کو ۔

نیک کاموں کی حرص

یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں ایک یہ کہ اگر احادیث کا جائزہ لیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ بہت سے صحابہ کرام نے مختلف مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے ؟ اس سے صحابہ کرام رضی کی یہ فکر اور یہ حرص ظاہر ہوتی ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو عمل اللہ تعالے کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور افضل ہو اسکو انجام دینے کی کوشش کی جائے اور وہ عمل ہماری زندگیوں میں آجائے اسلئے کہ ہر وقت دل و دماغ پر آخرت کی فکر طاری تھی ۔

وہ تو یہ چاہتے تھے کہ آخرت میں کسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرب اور اسکی رضا حاصل ہو جائے اسلئے ہر وقت یہ معلوم کرنے کی فکر میں رہتے تھے کہ کس عمل میں کیا اجر و ثواب ہے اور وہ ہمیں حاصل ہو جائے :

آج ہم لوگ فضائل کی احادیث میں پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں عمل میں یہ فضیلت ہے فلاں عمل میں یہ فضیلت ہے ، پڑھتے بھی ہیں ، سنتے بھی ہیں لیکن اسکے بعد کما حقہ عمل کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا ۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل جس کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ثواب کا کام ہے بس اسکی طرف دوڑ

پڑھتے تھے۔

افسوس میں نے تو بہت سے قیراط ضائع کردیئے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی نماز جنازہ میں شریک ہو تو اسکو ایک قیراط اجر ملے گا "قیراط" اس زمانہ میں ایک پیمانہ تھا جس کے ذریعہ سونا چاندی کا وزن کیا جاتا تھا اور جو شخص نماز جنازہ کے بعد اسکے پیچھے چلے تو اسکو دو قیراط ملیں گے اور جو شخص اسکی تدفین میں بھی شامل ہو اسکو تین قیراط اجر ملے گا۔ ویسے تو قیراط ایک چھوٹا سا پیمانہ ہے لیکن ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جنت کا قیراط احد پہاڑ سے بھی بڑا ہے۔

جب یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنائی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث پہلے نہیں سنی جسکی وجہ سے ہم نے بہت سے قیراط ضائع کردیئے۔ مقصد یہ تھا کہ مجھے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز جنازہ پڑھنے اور جنازہ کے پیچھے چلنے، اور تدفین میں شرکت کی ایسی فضیلت ہے اگر پہلے سے مجھے معلوم ہوتا تو میں اسکا اہتمام کرتا، اور اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے میرے بہت سے قیراط ضائع ہوگئے۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جنکا مشغلہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا تھا جنکے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا ذخیرہ موجود ہے لیکن اسکے باوجود جب ایک نیا عمل معلوم ہوا تو اس پر افسوس ہورہا ہے کہ میں نے کیوں ابتک یہ عمل اختیار نہیں کیا تھا۔ تمام صحابہ کرامؓ کا یہی حال نظر آتا ہے کہ ہر وقت

اسی فکر میں ہیں کہ ذرا سی کوئی نیکی کرنے کا موقع مل جائے جس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر و ثواب میں اضافہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

سوال ایک جواب مختلف

اسی لئے بار بار صحابۂ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے کہ یا رسول اللہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ روایات میں یہ نظر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابۂ کرام کو مختلف جواب دیئے۔ مثلاً اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے ایک حدیث پیچھے گزر چکی ہے کہ ایک صحابی کے اس سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے یعنی ہر وقت تمہاری زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سب سے افضل عمل والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ کسی صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ سب سے افضل کونسا عمل ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا سب سے افضل عمل ہے۔ غرض کہ مختلف صحابۂ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف جوابات عطا فرمائے بظاہر اگرچہ ان جوابات میں تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں تضاد نہیں۔

ہر شخص کا افضل عمل جدا ہے

بات دراصل یہ ہے کہ ہر آدمی کے حالات کے لحاظ سے افضل عمل بدلتا رہتا ہے کسی شخص کے لئے نماز پڑھنا سب سے افضل عمل ہے، کسی شخص کیلئے والدین کی اطاعت سب سے افضل عمل ہے کسی شخص کے لئے جہاد سب سے

افضل عمل ہے، کسی شخص کے لئے ذکر سب سے افضل عمل ہے، حالات کے لحاظ سے اور آدمیوں کے لحاظ سے فرق پڑ جاتا ہے۔ مثلاً بعض صحابہ کرام کے بارے میں آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ نماز کی تو ویسے بھی پابندی کرتے ہیں انکے سامنے نماز کی زیادہ فضیلت بیان کرنے کی ضرورت نہیں لیکن والدین کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہے تو اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تمھارے حق میں سب سے افضل عمل والدین کی اطاعت ہے، کسی صحابی کا عبادت کی طرف تو زیادہ دھیان تھا مگر جہاد کی طرف اتنی رغبت نہیں تھی انکے حق میں فرمایا کہ تمھارے لئے سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے، کسی صحابی کو آپ نے دیکھا کہ وہ عبادت بھی کر رہے ہیں جہاد بھی کر رہے ہیں لیکن ذکر اللہ کی طرف اتنا التفات نہیں ہے انکو فرمایا کہ تمھارے حق میں سب سے افضل عمل ذکر اللہ ہے۔ لہٰذا مختلف صحابۂ کرام کو ان کے حالات کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جوابات دیئے لیکن یہ سب فضیلت والے اعمال ہیں۔ یعنی وقت پر نماز پڑھنا، والدین کی اطاعت کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کرنا، ہر وقت ذکر اللہ کرنا وغیرہ البتہ لوگوں کے حالات کے لحاظ سے افضلیت بدلتی رہتی ہے۔

نماز کی افضلیت

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل اعمال کی ترتیب یہ بیان فرمائی ہے کہ سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے صرف نماز پڑھنا نہیں بلکہ وقت کا لحاظ کرکے نماز پڑھنا۔ بعض اوقات انسان وقت کا دھیان نہیں کرتا اور وقت گزار دیتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ نماز قضا ہوگئی تو ہونے دو یہ انسان کیلئے کسی طرح بھی مناسب نہیں بلکہ وقت کے اندر نماز ادا کرنے کی فکر کرے، قرآن کریم کی آیت ہے:۔

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ

(الماعون: ۴)

"یعنی ان نمازیوں پر افسوس ہے جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت میں ہیں" نماز کا وقت آیا اور چلا گیا، نماز ادا کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا یہاں تک نماز قضا ہو گئی۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اَلَّذِیْ تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ کَاَنَّمَا وُتِرَ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ

"یعنی جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہو گئی وقت گزر گیا اور نماز نہیں پڑھی وہ ایسا ہے جیسا اسکے سارے گھر والے لٹ گئے اور سارا مال لٹ گیا" جس طرح وہ شخص تنگ دست اور مفلوک الحال ہے اسطرح وہ شخص بھی مفلوک الحال ہے جس کی ایک عصر کی نماز قضا ہو گئی ہو۔ لہذا نماز کو قضا کرنا بڑی سنگین بات ہے اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں اسلئے نماز کا بھی دھیان ہونا چاہیئے اور نماز کے وقت کا بھی دھیان ہونا چاہیئے۔

جہاد کی افضلیت

اس حدیث میں دوسرے نمبر پر" افضل عمل، والدین کے ساتھ حسن سلوک کو قرار دیا اور تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ، گویا کہ والدین کی اطاعت اور انکے ساتھ حسن سلوک کو جہاد جیسی عبادت پر فوقیت عطا فرمائی ہے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ جہاد اتنی بڑی عبادت ہے اور اسکے اتنے فضائل ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کرے اور اس جہاد میں شہید ہو جائے تو اللہ تعالی اسکو دنیا سے اسطرح گناہوں سے پاک و صاف کرکے لیجاتے ہیں جس طرح کہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

(صحیح بخاری باب تمنی المجاہد، حدیث نمبر ۲۶۶۲)

ایک حدیث میں ہے کہ جب ایک انسان مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقامات قرب کا مشاہدہ کرے گا اور جنت کا مشاہدہ کرے گا تو اسکے دل میں کبھی دنیا میں واپس آنے کی خواہش پیدا نہیں ہوگی کہ میں دوبارہ دنیا میں واپس جاؤں اسلئے کہ دنیا کی حقیقت کھل کرا سکے سامنے آجائیگی کہ یہ دنیا اس جنت کے مقابلے میں کتنی بے حقیقت، کتنی ناپائیدار، کتنی گندی چیز تھی جو جنت اسکو مل گئی ہے۔ لیکن وہ شخص جو جہاد کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں شہید ہو چکا ہو وہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے اور وہاں جاکر دوبارہ جہاد کروں اور پھر اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤں۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل کی خواہش یہ ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور شہید ہو جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے پھر شہید ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جائے پھر شہید ہو جاؤں۔ تو جنت میں جانے کے بعد کوئی اللہ کا بندہ دنیا میں واپس آنے کی خواہش نہیں کرے گا سوائے شہید کے کہ وہ اس بات کی خواہش کرے گا۔ جہاد کی اتنی بڑی فضیلت ہے۔

(صحیح بخاری باب تمنی الشہادۃ حدیث نمبر ۲۶۴۴)

والدین کا حق

لیکن والدین کی اطاعت اور انکے ساتھ حسن سلوک کو جہاد پر بھی مقدم رکھا ہے اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ جتنے حقوق العباد ہیں ان میں سب سے مقدم حق والدین کا ہے۔ اس سے زیادہ واجب الاحترام حق دنیا میں کسی اور کا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو انسان کے وجود کا ذریعہ بنایا ہے اسلئے انکا حق بھی زیادہ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکے ساتھ حسن سلوک کا اتنا اجر رکھا ہے کہ حدیث شریف آتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ اپنے والدین کو محبت کی نگاہ سے دیکھے تو اسکے بدلے میں اللہ تعالےٰ

اسکو ایک حج اور عمرے کے برابر ثواب عطا فرماتے ہیں۔

بے غرض محبت یاد رکھئے! اس دنیا میں جتنی محبتیں اور تعلقات ہیں ان تمام محبتوں اور تعلقات میں انسان کی کوئی نہ کوئی غرض ضرور وابستہ ہوتی ہے اس دنیا میں بے غرض محبت نہیں ملے گی سوائے والدین کی محبت کے، یعنی والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بے غرض ہوتی ہے اس محبت میں انکا اپنا کوئی مفاد اور کوئی غرض شامل نہیں۔ اسکے علاوہ کوئی محبت بے غرض نہیں، مثلاً شوہر بیوی سے محبت کرے تو اس میں غرض شامل ہے بیوی شوہر سے محبت کرے تو اس میں غرض ہے۔ بھائی بھائی سے محبت کرے یا ایک دوست دوسرے دوست سے محبت کرے غرض یہ کہ جتنے تعلقات ہیں سب کے اندر غرض شامل ہے ان سب میں کوئی نہ کوئی غرض کارفرما ہوتی ہے لیکن ایک محبت غرض سے پاک ہے وہ ماں باپ کی محبت ہے یعنی ماں باپ اپنی اولاد سے جو محبت کرتے ہیں اسمیں انکی ذات کی کوئی غرض شامل نہیں ہوتی انکا جذبہ تو یہ ہوتا ہے کہ اپنی جان نکلی چلی جائے لیکن اولاد کو فائدہ پہونچ جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حقوق میں انکا درجہ سب سے زیادہ رکھا اور جہاد فی سبیل اللہ پر بھی اسکو مقدم فرمایا۔

والدین کی خدمت حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا بہت دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور جہاد سے میرا مقصد صرف یہ ہے اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائیں اور اس پر مجھے اجر و ثواب عطا فرمائیں، صرف اسی غرض کے لئے جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

سے نے فرمایا کیا تم واقعی ثواب حاصل کرنے کے لئے جہاد کرنا چاہتے ہو انھوں نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ! میں صرف ثواب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تمھارے والدین زندہ ہیں؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والدین زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور جاکر انکی خدمت کرو اسلئے کہ اگر تمھیں اجر حاصل کرنا ہے تو پھر والدین کی خدمت کر کے تمہیں جو اجر حاصل ہوگا وہ اجر جہاد سے بھی حاصل نہیں ہوگا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ یعنی جاکر انکی خدمت کرکے جہاد کرو۔ ان روایات میں والدین کی خدمت کو جہاد سے بھی زیادہ فوقیت عطا فرمائی۔

(صحیح بخاری باب نمبر ۱۳۶ حدیث نمبر ۲۸۴۲)

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں — ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بات فرمایا کرتے تھے یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے، فرماتے تھے کہ بھائی اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے۔ یہ دیکھو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے اسوقت کا کیا تقاضا ہے بس اس تقاضے کو پورا کرو، اسکا نام دین ہے۔ اسکا نام دین نہیں کہ مجھے فلاں چیز کا شوق ہوگیا ہے اس شوق کو پورا کر رہا ہوں مثلاً کسی کو اس بات کا شوق ہوگیا کہ میں ہمیشہ صف اول میں نماز پڑھوں کسی کو اس بات کا شوق ہوگیا کہ میں جہاد پر جاؤں، کسی کو اس بات کا شوق ہوگیا کہ میں تبلیغ و دعوت کے کام میں نکلوں، اگرچہ یہ سب کام دین کے کام ہیں اور باعث اجر و ثواب ہیں لیکن یہ دیکھو کہ اسوقت کا تقاضا کیا ہے مثلاً گھر کے اندر والدین بیمار ہیں اور انھیں تمھاری خدمت کی

ضرورت ہے لیکن تمھیں تو اس بات کا شوق لگا ہوا ہے کہ صف اول میں جاکر جماعت سے نماز پڑھوں اور والدین اتنے بیمار ہیں حرکت کرنے کے قابل نہیں اب اس وقت میں تمھارے لئے اللہ تعالیٰ کیطرف سے تقاضہ یہ ہے کہ صف اول کی نماز کو چھوڑ دو اور والدین کی خدمت انجام دو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور نماز گھر کے اندر تنہا پڑھ لو اب اگر اسوقت تم نے والدین کو اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ حرکت تک بھی کرنے کے قابل نہیں اور تم اپنا شوق پورا کرنے کے لئے مسجد چلے گئے اور صف اول میں جاکر شامل ہو گئے تو یہ دین کی اتباع نہ ہوگی بلکہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب مسجد کہیں دور ہے مسجد آنے جانے میں وقت لگے گا اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ انکو تکلیف ہوگی لیکن اگر مسجد گھر کے بالکل قریب ہے اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ انکو بیٹے کے تھوڑی دیر کے دور رہنے سے تکلیف نہ ہوگی یا کوئی اور خدمت کرنے والا موجود ہے تو اس صورت میں اسکو مسجد جاکر ہی نماز ادا کرنی چاہیئے۔

یہ دین نہیں ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی ایک مثال دی فرمایا کہ فرض کریں کہ ایک ویرانے جنگل میں ایک شخص اور صرف اسکی بیوی ہے اور کوئی شخص قریب موجود نہیں اس حالت میں نماز کا وقت ہوگیا اور مسجد آبادی کے اندر فاصلے پر ہے، اب یہ شخص بیوی سے کہتا ہے کہ چونکہ نماز کا وقت ہوگیا ہے اسلئے میں تو مسجد میں جاکر جماعت سے نماز ادا کروں گا، اسکی بیوی کہتی ہے کہ اس ویرانے جنگل کے اندر میں تنہا ہوں کوئی پاس نہیں اب اگر تم نماز کے لئے دور آبادی میں چلے گئے تو اس ویرانے میں

خوف کی وجہ سے میری تو جان نکل جائے گی لیکن شوہر کہتا ہے کہ جماعت سے صف اول میں نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے میں تو صف اول میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کروں گا اور اس فضیلت کو میں حاصل کرونگا چاہے کچھ ہو جائے۔ حضرتؒ نے فرمایا یہ دین نہوا یہ تو صف اول میں نماز پڑھنے کا شوق ہوگیا اس شوق کو پورا کررہا ہے اسلئے کہ اسوقت دین کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جماعت کی نماز کو چھوڑو اور وہیں پر تنہا نماز پڑھو۔ اگر ایسا نہیں کروگے تو پھر اپنا شوق پورا کرنا ہو جائے گا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہوگی۔

یا مثلاً گھر میں والدین بیمار ہیں، بیوی بچے بیمار ہیں اور انکو آپکی خدمت کی ضرورت ہے لیکن آپ کو تبلیغ میں جانے کا شوق ہوگیا اور آپ نے کہاکہ میں تبلیغ میں جاتا ہوں، دیکھئے ویسے تبلیغ میں جانا بڑے ثواب کا کام ہے لیکن اس حالت میں جبکہ والدین یا بیوی کو تمھاری خدمت کی ضرورت ہے اور تمھاری خدمت کے بغیر انکا کام نہیں چلے گا تو اس حالت میں یہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا یہ دین کا تقاضہ نہوگا اور دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے کا نام دین ہے جس وقت جس کام کا تقاضہ ہے اس وقت اسکو انجام دو

آپ نے اس حدیث میں دیکھاکہ ایک صحابی آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں آپ نے انکو منع فرمادیا اور فرمایاکہ تمھارے لئے حکم یہ ہے کہ جاکر والدین کی خدمت کرو۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہیں اور مسلمان ہیں اور وہ چاہتے بھی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر آپکی زیارت کروں اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وہ سعادت اور خوش نصیبی ہے کہ شاید اس روئے زمین پر اس سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کوئی اور نہ ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لیجائیں تو پھر آپ کے جانے کے بعد یہ شرف حاصل نہیں ہو سکتا لیکن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں لیکن میری والدہ بیمار ہیں اور انکو میری خدمت کی ضرورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حاضر ہونے سے منع فرما دیا اور یہ فرما دیا کہ تم یہاں میری زیارت اور ملاقات کے لئے مت آؤ بلکہ والدہ کی خدمت کرو۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل، باب من فضائل اویس قرنی رضی اللہ عنہ حدیث نمبر ۲۵۴۲)

بھلا بتلائیے کیسا بھی صاحب ایمان ہو اسکے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا کتنا شوق ہوگا اور جب آپ اس دنیا میں بقید حیات تھے اس وقت آپ سے ملاقات اور آپ کی زیارت کے شوق کا کیا عالم رہا ہوگا جبکہ آج یہ حالت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی آپ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے کتنے بے تاب اور بے چین رہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حاضری ہو جائے اور روضۂ اقدس کی زیارت ہو جائے۔ لیکن آپ کی زیارت کے شوق، اسکی بے چینی اور بے تابی کو ماں کی خدمت پر قربان کر دیا۔ آپ نے حکم فرما دیا کہ ماں کی خدمت کرو اور میری زیارت اور ملاقات کی سعادت کو چھوڑ دو۔ چنانچہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم پر اس سعادت کو چھوڑ دیا جس کے نتیجے میں "صحابیت" کا مقام چھوٹ گیا اسلئے کہ صحابیت کا درجہ آپ کی ملاقات اور زیارت پر موقوف ہے اور صحابیت وہ مقام ہے کہ کوئی شخص ولایت اور بزرگی کے چاہے کتنے بڑے مقام پر پہونچ جائے مگر وہ کسی صحابی کی گرد تک

نہیں پہونچ سکتا۔

صحابیت کا مقام

حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں سے ہیں، مشہور بزرگ، فقیہ، محدث گزرے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے ایک عجیب سوال کیا، سوال یہ کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں؟ سوال کرنے والے شخص نے یہ سوال اس طرح ترتیب دیا کہ صحابۂ کرامؓ میں سے ان صحابی کا انتخاب کیا جنکے بارے میں لوگوں نے طرح طرح کی مختلف باتیں مشہور کر رکھی ہیں اور اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی لڑائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی، اس عقیدے پر تقریباً ساری امت متفق ہے۔ بہرحال صحابۂ کرام میں سے توان صحابی کو لیا جس کی شخصیت متنازع فیہ رہی ہے اور دوسری طرف سوال میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا جنکو عدل و انصاف تقویٰ و طہارت میں "عمر ثانی" کہا جاتا ہے اور یہ دوسری صدی ہجری کے مجدد ہیں اللہ تعالیٰ نے انکو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ بہرحال حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ بھائی! تم یہ پوچھ رہے ہو کہ حضرت معاویہ افضل ہیں یا عمر ابن عبدالعزیز افضل ہیں؟ ارے حضرت معاویہؓ تو در کنار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے جو مٹی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں گئی تھی وہ مٹی بھی ہزار عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے "صحابیت" کا جو مقام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا ساری

زندگی انسان کوشش کرتا رہے تب بھی صحابیت کا وہ مقام حاصل نہیں کرسکتا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۳۹)

ماں کی خدمت کرتے رہو

بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو یہ فرمادیا کہ ہماری زیارت کی ضرورت نہیں اور صحابیت کا مقام حاصل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ماں کی خدمت کرو۔ اگر ہم جیسا کوئی ناواشناس ہوتا تو یہ کہتا کہ یہ صحابیت کی دولت بعد میں تو ملنے والی نہیں اگر ماں بیمار ہے تو کیا ہوا کسی نہ کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا ہوتا ہی ہے اس لئے اس ضرورت کے تحت گھر سے چلے جاؤ اور جاکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرکے واپس آجاؤ مگر وہاں تو اپنا شوق پورا کرنا پیش نظر نہیں تھا اپنی ذاتی خواہش پوری نہیں کرنی تھی بلکہ وہاں تو صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا شوق تھا اس لئے آپ کی زیارت کے شوق کو چھوڑ دیا اور گھر میں ماں کی خدمت میں لگے رہے حتیٰ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کرسکے۔

ماں کی خدمت کا صلہ

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو ماں کی خدمت کا یہ صلہ عطا فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! کسی زمانہ میں "قرن" یعنی یمن کے علاقے سے ایک آدمی مدینہ آئے گا جس کے یہ اوصاف یہ حلیہ ہوگا' جب یہ آدمی تمھیں مل جائے تو اے عمر! اپنے حق میں ان سے دعا کرانا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انکی دعا ئیں قبول فرمائینگے۔

چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب بھی یمن سے کوئی قافلہ مدینہ طیبہ آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جاکر ان سے سوال کرتے کہ اس قافلے میں اویس قرنی نامی کوئی شخص ہیں؟ جب ایک مرتبہ قافلہ آیا اور آپ کو معلوم ہوگیا کہ اس میں اویس قرنی تشریف لائے ہیں تو آپ بہت خوش ہوئے جاکر ان سے ملاقات کی اور انکا نام دریافت کیا اور جو حلیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا وہ حلیہ بھی موجود تھا تو پھر آپ نے ان سے درخواست کی کہ آپ میرے حق میں دعاء فرمائیں۔ حضرت اویس قرنی نے سوال کیا کہ آپ مجھ سے دعاء کرانے کیونکر تشریف لائے؟ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب "قرن" سے یہ صاحب آئیں تو ان سے اپنے حق میں دعاء کرانا اللہ تعالیٰ انکی دعاء کو قبول فرمائیں گے۔ جب حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا تو انکی آنکھوں میں آنسو آگئے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ عزت عطا فرمائی دیکھئے! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے یہ کہا جارہا ہے کہ اپنے حق میں دعاء کراؤ۔ یہ چیز ان کو کس طرح حاصل ہوئی؟ یہ چیز انکو والدہ کی خدمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بدولت حاصل ہوئی۔ انھوں نے یہ دیکھا کہ میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جس کام کا حکم دیا ہے اب میں اس پر عمل کرونگا چاہے کچھ ہوجائے۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۵۴۲)

صحابہؓ کی جاں نثاری

کون صحابی ایسا تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جاں نثار وفداکار نہو میں نے ایک مضمون میں ایک بات لکھی تھی اور وہ بات صحیح لکھی تھی

کہ ہر صحابی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی جان دیکر کسی دوسرے کی زندگی میں اضافہ کرنے کے قابل ہوتا تو تمام صحابہ کرامؓ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک ایک سانس کے اوپر اپنی ساری جانیں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو جاتے، وہ صحابہؓ اتنے فدا کار تھے۔ انکا تو یہ حال تھا کہ وہ کسی وقت یہ نہیں چاہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوۂ انور نگاہوں سے روپوش ہو یہاں تک جنگ کے میدان میں بھی یہ بات گوارہ نہیں تھی، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جنکو جنگ احد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے تلوار عطا فرمائی تھی جب دشمنوں کیطرف مقابلے کیلئے نکلے تو اسوقت دشمنوں کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بوچھار آرہی تھی اسوقت حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ تیروں کیطرف پشت کرکے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف چہرہ کرکے کھڑے ہو گئے اور سارے تیر اپنی پشت پر روکنے لگے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کیلئے سارے تیر اپنی پشت پر لینے لگے سینے پر اسلئے نہ لئے کہ اگر تیروں کو اپنے سینے پر سامنے سے روکیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہوتی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوۂ جہاں آرا نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ لہٰذا جنگ کی حالت میں بھی یہ احتیاط ہے کہ پشت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف نہ ہو بلکہ پشت تیروں کیطرف رہے اور چہرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف ہو۔

بہرحال صحابہ کرامؓ جو اپنا ایک ایک لمحہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارنے کیلئے بے چین تھے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہؓ میں کسی کو شام بھیجدیا کسی کو یمن بھیجدیا، کسی کو مصر بھیجدیا اور یہ حکم دیا کہ وہاں جاکر میرے دین کا پیغام پہنچاؤ۔ جب یہ حکم آگیا تو اب حضور کی خدمت میں رہنے کا شوق قربان کردیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کو مقدم رکھا اور مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گئے۔ (جاری)

مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی

مسائل تراویح

تراویح کی بیس رکعات ہیں

سوال:۔ تراویح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کی کتنی رکعات ہیں؟ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کا کوئی ثبوت ہے؟ اگر ہے تو کتنی رکعات؟

ہمارے یہاں لوگ کہتے ہیں کہ تراویح کی نماز صرف آٹھ رکعات ہیں۔ بیس رکعت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس سے عوام میں بڑا اضطراب ہے۔ براہ کرم آپ واضح دلائل کے ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح صورت حال متعین فرمائیں تاکہ ہماری پریشانی دور ہو اور راہ صواب ہم پر کھل جائے، اور پھر اطمینان سے اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔

جواب: تراویح سنت موکدہ ہیں اور مرد و عورت دونوں کے لئے حکم ایک ہی ہے۔ اور تراویح کی بیس رکعات ہیں۔ اور یہ بیس رکعات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہیں اسی لئے حضرات تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمدؒ بن حنبل کے نزدیک تراویح کی بیس رکعت ہیں۔ اور حضرت امام مالکؒ کے ایک قول کے مطابق بھی تراویح کی بیس رکعات ہیں۔ ان چاروں برحق اماموں نے بیس رکعات سے کم تراویح کو اختیار نہیں فرمایا، یہی جمہور کا قول ہے، اور آج تک مشرق سے مغرب تک پوری دنیا میں اسی پر امت مسلمہ کا عمل ہے۔ آج کل بھی مسجد الحرام مکہ مکرمہ میں، مسجد نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) مدینہ منورہ میں تراویح کی بیس رکعات ہوتی ہیں۔ آٹھ رکعات تراویح پر عمل کرنے والے بہت اقلیت میں ہیں اور غلطی پر ہیں۔ کیونکہ جن روایات میں آٹھ

رکعات کا ذکر ہے اس سے تہجد کی نماز مراد ہے، تراویح کی نماز مراد نہیں اور یہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں۔

تراویح کی بیس رکعات ہونے پر چند دلائل درج ذیل ہیں۔

حدیث: عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر

(رواہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رمضان المبارک میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وتر اور بیس رکعات (تراویح) پڑھا کرتے تھے۔

(ف) اس روایت کو ابن ابی شیبہؒ نے اپنی مصنف میں، عبد بن حمیدؒ نے اپنی مسند میں، طبرانیؒ نے معجم کبیر میں، بیہقی نے اپنی سنن میں اور امام بغویؒ نے مصابیح السنہ میں تحریر فرمایا ہے اس حدیث مرفوع کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے ابراہیم بن عثمان کے، لیکن محض ایک راوی کی وجہ سے جب کہ بعض سے اس کی توثیق بھی منقول ہے، بالکل نظر انداز کرنا صحیح نہیں علاوہ اس کے بہت سے آثار قویہ اور تعامل صحابہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جس سے اس کا یہ معمولی سا ضعف بھی دور ہو جاتا ہے۔ اور اس مسئلہ میں اس سے استدلال کرنا یقیناً درست اور صحیح ہے۔

(اعلاء السنن ص ۷۱، ج ۷، بتصرف)

حدیث: عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ۔ (رواہ مالک اسنادہ مرسل قوی)

ترجمہ: حضرت یزید بن رومان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعات (تراویح) اور تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے۔

حدیث: عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطابؓ امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعۃ۔ (رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ واسنادہ مرسل قوی)

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

حدیث: وعن عبد العزیز بن رفیع قال:۔ کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ و یوتر بثلاث۔ (اخرجہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ واسنادہ حسن)

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھایا کرتے تھے۔

حدیث: عن عطاء بن السائب عن عبد الرحمٰن السلمی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بھم۔ الخ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۴۹۶ کتاب الصلوٰۃ ج دوم)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان المبارک میں قراء کو بلایا پھر ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔ راوی کا کہنا ہے کہ وتر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود پڑھایا کرتے تھے۔

ف:۔ ان روایتوں اور دیگر تصریحات سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر، حضرت عثمان،

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانہ میں ان کے قول و عمل سے بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی تھیں۔

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المغنی" میں بڑے دل کش انداز سے بیس رکعات تراویح پڑھنے کے پس منظر کو اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ تراویح کی بیس رکعات ہیں اور یہ سنت موکدہ ہیں۔ سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا آغاز فرمایا۔ دو یا تین شب آپ نے ان کی باقاعدہ جماعت فرمائی۔ پھر آپ نے اس کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا انتہائی شوق و جذبہ دیکھا تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تراویح امت پر فرض نہ ہو جائے۔ اس لئے آپ نے اس کی جماعت ترک فرما دی، اور حضرات صحابہ انفرادی طور پر تراویح پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آ گیا، آپ نے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اب ان کی فرضیت کا کوئی امکان نہیں، لہٰذا اسے پھر باقاعدہ جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔ بالآخر آپ نے اس کا فیصلہ فرما لیا، اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تراویح کی امامت پر مقرر فرمایا۔ حضرات صحابہ میں سے کسی نے بھی آپ کے اس فیصلہ پر نکیر نہیں فرمائی، بلکہ بخوشی اس پر عمل شروع کر دیا۔ اور روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کو بیس رکعات پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ تمام صحابۂ کرام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ اسی پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع ہو گیا۔ اور اجماع خود مستقل حجت شرعیہ ہے۔ اس لئے بیس رکعات تراویح کے ثبوت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ یہی راہ حق ہے اور اسے چھوڑنا گمراہی ہے۔

(المغنی ص ۷۹۹ ج ۱ بزیادہ)

تراویح کا وقت

سوال: تراویح کا وقت عشاء کے فرضوں سے پہلے ہے یا بعد میں؟ اگر کوئی شخص فرضوں سے پہلے تراویح پڑھ لے اور بعد میں عشاء کے فرض ادا کرلے تو کیا اس کی تراویح درست ہو جائیں گی، نیز تراویح کا وقت کب تک باقی رہتا ہے؟

جواب: نماز تراویح کا وقت عشاء کے فرضوں کے بعد شروع ہوتا ہے اور صبح صادق تک رہتا ہے۔ نماز عشاء سے پہلے اگر تراویح پڑھی جائیں گی تو اس کا شمار تراویح میں نہ ہوگا۔ فرضوں کے بعد تراویح دوبارہ پڑھنی ہوں گی (فتاوی محمودیہ بحوالہ درمختار ص ۴۹۴ ج ۱)

سوال: تراویح اور وتر وغیرہ سب پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ امام یا منفرد کو عشاء کے فرض میں کچھ سہو ہو گیا تھا جس کی وجہ سے عشاء کی نماز نہیں ہوئی تھی۔ تو کیا صرف فرض لوٹائیں گے یا تراویح یا وتر سب دوبارہ پڑھنے ہوں گے؟

جواب: تراویح عشاء کی تابع ہیں۔ جیسے اگر کوئی شخص عشاء سے پہلے تراویح پڑھ لے تو تراویح نہیں ہوں گی۔ اسی طرح اگر عشاء فاسد ہو جائیں اور منفرد یا امام تراویح پڑھ چکا ہے تو فرضوں کے لوٹانے کے ساتھ ساتھ تراویح بھی لوٹائی جائیں گی خواہ وہ تراویح تمام پڑھ چکا ہو یا بعض، البتہ وتر کے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ وہ عشاء کے تابع نہیں ہیں۔

(ہندیہ و کبیری)

مسئلہ: اگر بعد میں معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے عشاء کے فرض صحیح نہیں ہوئے۔ مثلاً امام نے بغیر وضو کے نماز پڑھائی یا کوئی رکن چھوڑ دیا تو فرضوں کے ساتھ تراویح کا بھی اعادہ کرنا چاہئے اگرچہ یہاں یہ وجہ موجود نہ ہو۔

(فتاوی محمودیہ، بحوالہ کبیری)

تراویح کی نیت

سوال: تراویح پڑھنے کی نیت کس طرح کرنی چاہئے؟

جواب: تراویح کی نیت یوں کرنی چاہئے۔ "یا اللہ آپ کی رضا کے

لئے تراویح پڑھتا ہوں" یا " یا اللہ اس وقت کی سنت ادا کرتا ہوں " یا " رمضان المبارک کے قیام لیل کی نماز ادا کرتا ہوں " یا امام کی اقتداء میں تراویح پڑھ رہا ہو تو اس طرح بھی نیت کر سکتا ہے " یا اللہ امام جو نماز پڑھا رہا ہے میں بھی وہی نماز ادا کرتا ہوں۔" ان میں سے جو بھی نیت کی جائے تراویح ادا ہو جائیں گی۔ (خانیہ)

مسئلہ: مطلقاً نماز یا نوافل کی نیت پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے۔ (خانیہ)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے عشاء کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں اور تراویح پڑھانے والے امام کے پیچھے سنت عشاء کی نیت کر کے اقتداء کی تو یہ جائز ہے۔

(فتاوی محمودیہ، بحوالہ خانیہ)

مسئلہ: اگر امام تراویح کا دوسرا یا تیسرا شفعہ پڑھ رہا ہے اور کسی مقتدی نے اس کے پیچھے پہلے شفعہ کی نیت کی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر یاد آیا کہ گذشتہ شب کوئی شفعہ تراویح کا فوت ہوگیا یا فاسد ہوگیا تھا تو آج اسکو جماعت کے ساتھ تراویح کی نیت سے قضا کرنا مکروہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ خانیہ)

تراویح میں پورا قرآن کریم پڑھنا

سوال: تراویح میں پورا قرآن کریم پڑھنا افضل ہے یا سنت؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کرنا (پڑھ کر یا سن کر) سنت ہے۔ دوسری مرتبہ فضیلت ہے اور تین مرتبہ افضل ہے۔ لہذا اگر ہر رکعت میں تقریباً دس آیتیں پڑھی جائیں تو ایک مرتبہ بسہولت ختم ہو جائے گا اور مقتدیوں کو بھی گرانی نہ ہوگی۔ تاہم لوگوں کی سستی کی وجہ سے حتی الامکان سنت کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ (درمختار وخانیہ)

مسئلہ: جو لوگ حافظ ہیں ان کے لئے فضیلت یہ ہے کہ مسجد سے واپس آکر بیس رکعت اور پڑھ لیا کریں تاکہ دو مرتبہ قرآن ختم کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے۔ (خانیہ)

مسئلہ: ہر عشرہ میں ایک مرتبہ ختم کرنا افضل ہے۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ بحر)
مسئلہ: اگر مقتدی اس قدر ضعیف اور کاہل ہوں کہ ایک مرتبہ بھی پورا قرآن شریف نہ سن سکیں بلکہ اس کی وجہ سے جماعت چھوڑ دیں۔ تو پھر جس قدر وہ سننے پر راضی ہوں اُسی قدر پڑھ لیا جائے۔ یا الم ترکیف سے پڑھ لیا جائے۔ (بحر) لیکن اس صورت میں ختم کی سنت کے ثواب سے محروم رہیں گے۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ خانیہ)
مسئلہ: ستائیسویں شب کو ختم کرنا مستحب ہے۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ بحر)
مسئلہ: اگر اپنی مسجد کا امام قرآن شریف ختم نہ کرے تو پھر کسی دوسری مسجد میں جہاں قرآن شریف ختم ہو تراویح پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (کبیری) کیوں کہ ختم کی سنت وہیں حاصل ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ)
مسئلہ: اگر اپنی مسجد کا امام قرآن شریف غلط پڑھتا ہو تو دوسری مسجد میں تراویح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ ہندیہ)

ایک یا تین یا سات راتوں میں ختم کرنا

سوال: آج کل بعض شہروں میں کسی جگہ ایک رات میں تراویح کے اندر قرآن کریم ختم کیا جاتا ہے اور بعض جگہ تین راتوں میں، اور بعض جگہ سات راتوں میں اسکا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر ایک رات یا تین یا سات راتوں میں تراویح کے اندر قرآن کریم قواعد و تجوید کے مطابق صاف صاف اور بالکل صحیح طریقہ سے پڑھا جائے اور حروف کاٹے نہ جائیں اور صرف یعلمون، تعلمون سنائی نہ دے بلکہ کلام پاک اچھی طرح سامعین کی سمجھ میں آئے اور نمازی خوش دلی سے اس میں شریک ہوں تو اس طرح ختم کرنا جائز ہے شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن اگر قرآن کریم صاف اور صحیح نہ پڑھا جائے، حروف کٹنے لگیں سامعین کو سوائے یعلمون تعلمون کے کچھ سمجھ میں نہ آئے جیسا کہ بعض جگہ صورت حال اسی طرح

ہے۔ تو پھر اس طرح پڑھنا درست نہیں ہے۔ اس سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

تراویح میں عورتوں کی جماعت

سوال: تراویح میں عورتوں کی جماعت کیسی ہے جبکہ امام بھی عورت ہو اور مقتدی بھی عورتیں ہو؟ جو عورت حافظ قرآن ہو، اور تراویح میں سنائے بغیر اس کا قرآن کریم حفظ نہ رہ سکتا ہو، بھولنے کا اندیشہ ہو، تو کیا ایسی حافظ عورت گھر کے اندر عورتوں کی جماعت میں تراویح کے اندر قرآن کریم سنا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: عورتوں کی جماعت کے بارے میں اصل حکم یہی ہے کہ ان کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ تراویح میں ہو، اس لئے خواتین کو تراویح اور وتر کی نماز بغیر جماعت کے الگ الگ پڑھنی چاہئے۔ البتہ جو عورت قرآن کریم کی حافظ ہو اور تراویح میں سنائے بغیر حفظ رکھنا مشکل ہو اور بھولنے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں عورتوں کی جماعتِ تراویح میں حافظ عورت کو قرآن کریم سنانے کی کوئی تصریح تو نہیں ملی لیکن حضرت مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا محمد شفیع بلا تداعی صرف گھر کی خواتین کو حافظ خاتون کے قرآن کریم کی یاد داشت کو محفوظ رکھنے کی غرض سے اس شرط کے ساتھ اجازت دیا کرتے تھے کہ حافظ کی آواز گھر سے باہر نہ جائے اور تداعی سے پرہیز کیا جائے۔ تداعی سے پرہیز کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر دو باتوں میں سے کوئی بات نہ پائی جائے۔ ایک اس کے لئے باقاعدہ اہتمام کرکے خواتین کو نہ بلایا جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر اہتمام سے خواتین کو نہ بلایا جائے لیکن اقتدا کرنے والی خواتین کی تعداد امام خاتون کے علاوہ دو تین سے زیادہ نہ ہو۔ حضرت مفتی اعظم کی اس اجازت کی تصریحات ذیل سے ہوتی ہے۔ بلکہ آخری تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ خاتون کی اگر صرف ایک ہی خاتون مقتدی ہو اور دونوں برابر کھڑی ہوں

کچھ کراہت نہیں۔

بہرحال جہاں تک ہو سکے حافظ خواتین کو بھی ختم تراویح کی جماعت سے گریز کرنا چاہئے البتہ بوقت ضرورت شرائط مذکورہ کے ساتھ اس مذکورہ گنجائش پر عمل کر سکتی ہیں۔

وفی خلاصة الفتاوی:۔ امامة المرأة للنساء جائزة إلا ان صلاتهن فرادیٰ افضل (ص ۱۴۷، ج ۱)

قوله ویکره تحریماً جماعة النساء۔ لان الامام ان تقدمت لزم زیادة الکشف وان وقفت وسط الصف لزم ترك الامام مقامه وکل منهما مکروه کما فی العنایة وهذا یقتضی عدم الکراهة لو اقتدت واحدة فقط محاذیة لفقد الامرین اه

(طحطاوی علی الدر ص ۲۴۰ ج ۱ (تبویب رجسٹر ۳۵/۳۸ الف)

تراویح میں نابالغ بچہ کی امامت

سوال: نابالغ بچہ کلام پاک کا حافظ ہے کیا وہ مردوں کو تراویح پڑھا سکتا ہے؟

جواب: مختار اور صحیح قول یہ ہے کہ نابالغ بچہ خواہ قریب البلوغ ہی کیوں نہ ہو، تراویح میں بالغوں کی امامت نہیں کر سکتا اور ان کو تراویح نہیں پڑھا سکتا۔ (ہدایہ و درمختار)

مسئلہ: نابالغ کو تراویح کے لئے امام بنانا درست نہیں (کبیری) البتہ اگر وہ نابالغوں کی امامت کرے تو جائز ہے۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ خانیہ)

تراویح میں جماعت کا حکم

سوال: تراویح جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا واجب ہے یا سنت؟ وضاحت فرمائیں۔ نیز تراویح کی جماعت اگر گھر میں کر لی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

جواب: تراویح مسجد میں باجماعت پڑھنا سنت ہے مگر سنت کفایہ ہے۔ یعنی مسج
اگر تراویح کی جماعت نہ ہوا ور تمام اہل محلہ تراویح کی جماعت کو چھوڑدیں تو تما
اہل محلہ گنہ گار ہوں گے اور تارکین سنت بھی۔ اور اگر بعضوں نے باجماعت مسج
میں اور بعض نے باجماعت گھر میں ادا کی تو ترک سنت کا گناہ تو نہ ہوگا۔ مگر گھر
تراویح پڑھنے والے مسجد کی فضیلت عظمیٰ اور جماعت مسجد کی فضیلت اعلیٰ سے
محروم رہیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تراویح کی جماعت سنت کفایہ نہیں
بلکہ ہر ہر شخص پر جماعت سے تراویح پڑھنا مستقل سنت ہے۔ اگر کوئی شخص جماع
چھوڑ کر چاہے مسجد ہی میں تراویح ادا کرلے پھر بھی ترک سنت کا گناہ ہوگا (شامی کبی
امداد الفتاوی میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مصا
دینیہ کے پیش اسی قول ثانی پر فتویٰ ہونا چاہئے۔ اس لئے پورے اہتمام کے سات
مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح ادا کرنی چاہئیں اور بلاضرورت گھر میں تراو
کی جماعت کرنے سے اجتناب کریں۔

مسئلہ:۔ اکثر اہل محلہ نے تو تراویح جماعت سے پڑھی، مگر اتفاقاً ایک دو شخص
- - - - جماعت سے نہیں پڑھی بلکہ اپنے مکان میں تنہا پڑھی تب بھی سن
ادا ہوگئی۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ کبیری۔ ص ۳۸۴)

مسئلہ: گھر پر تراویح کی جماعت کرنے سے بھی جماعت کی فضیلت حاصل ہوج
گی۔ لیکن مسجد میں پڑھنے کا جو ستائیس درجہ ثواب ہے وہ نہیں ملے گا۔
(فتاوی محمودیہ، بحوالہ کبیری ص ۳۸۴

مسئلہ: تراویح کی جماعت عشاء کی جماعت کے تابع ہے (لہذا عشاء کی جماع
سے پہلے جائز نہیں) اور جس مسجد میں عشاء کی جماعت نہیں ہوئی وہاں پر تراو
کو بھی جماعت سے پڑھنا درست نہیں۔ (فتاوی محمودیہ، بحوالہ کبیری۔ ص ۹۱
مسئلہ: ایک شخص تراویح پڑھ چکا امام بن کر یا مقتدی ہوکر۔ اب اسی ش
میں اس کو امام بن کر تراویح پڑھنا درست نہیں۔ البتہ دوسری مسجد میں

راویح کی جماعت ہورہی ہو تو وہاں (بہ نیت نفل) شریک ہونا بلا کراہت جائز ہے۔ (کبیری ص ۳۸۹)

مسئلہ: ایک امام کے پیچھے فرض اور دوسرے کے پیچھے تراویح اور وتر پڑھنا بھی جائز ہے۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ کبیری۔ ص ۳۹۱)

مسئلہ: کسی مسجد میں ایک مرتبہ تراویح کی جماعت ہو چکی تو دوسری مرتبہ اسی شب میں وہاں تراویح کی جماعت جائز نہیں لیکن تنہا تنہا پڑھنا درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ، بحوالہ بحر ص ۹۶)

تراویح میں داڑھی منڈے کی امامت

سوال: بعض حفاظ ایسا کرتے ہیں کہ تمام سال داڑھی منڈواتے یا کترواتے رہتے ہیں اور ماہ رمضان سے کچھ عرصہ پہلے داڑھی چھوڑ دیتے ہیں، رمضان تک کچھ ہلکی سی داڑھی نکل آتی ہے پھر لوگ انھیں تراویح پڑھانے کے لیے امام مقرر کر لیتے ہیں اور رمضان کے بعد یہ حفاظ حسب سابق دوبارہ داڑھی منڈوا یا کتروالیتے ہیں، تو ان کے پیچھے تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: درج ذیل حدیث سے داڑھی کا چھوڑنا اور زیادہ کرنا اور مونچھوں کا کتروانا اور کم کرنا ثابت ہے اور داڑھی جب کہ قبضہ سے کم ہو تو اس کا منڈوانا یا کتروانا شرعاً بالکل ناجائز ہے۔ لہٰذا جو حفاظ قبضہ (مٹھی) سے کم داڑھی کو منڈواتے یا کترواتے ہیں وہ ارتکاب حرام کی وجہ سے فاسق ہیں (خواہ دوسری باتوں میں کتنے ہی نیک ہوں مگر ان باتوں سے فسق ختم نہیں ہو سکتا۔) اور فاسق کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یعنی حرام کے قریب ہے اور ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں ہے ہر مسجد کی انتظامیہ کا فرض ہے کہ اچھی طرح دیکھ بھال کر تراویح کے لئے حافظ مقرر کرے۔ اس میں قرابت داری یا باہمی تعلقات کی رعایت کر کے فاسق کو امام مقرر کرنا جائز نہیں ہے جو انتظامیہ ایسا کرے گی وہ گناہگار ہوگی اور لوگوں کی نمازیں خراب کرنے کا وبال بھی انہی پر ہوگا۔ لہٰذا تراویح کے لئے ایسا حافظ منتخب کریں جو ظاہراً

بھی باشرع متقی پرہیزگار ہو۔

حدیث: عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واحفوا الشوارب وفی روایۃ انھکوا الشوارب واعفوا اللحی متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۳۸۰)

البتہ اگر کوئی حافظ داڑھی منڈوانے یا کتروانے کے گناہ سے سچے دل کے ساتھ توبہ کرلے اور آثار و قرائن سے نمازیوں کو یا انتظامیہ کو اس کی توبہ پر اطمینان ہو تو بعد توبہ صادقہ کے اس کو تراویح میں امام بنالینا درست ہے۔

اجرت تراویح

سوال: (الف) اجرت دے کر تراویح پڑھوانا کیسا ہے؟ بعض حفاظ صاف صاف معاملہ کرتے ہیں۔ بعض یوں کہہ دیتے ہیں جو آپ چاہیں دے دینا۔ بعض کچھ نہیں کہتے مگر لینے کی نیت ہوتی ہے کسی جگہ متولی صاحب کہہ دیتے ہیں کہ اپنی خوشی سے جو چاہیں گے دے دیں گے۔ تو اس طرح اجرت کی تعیین مشروط یا معروف طور پر شرعاً درست ہے؟

(ب) بعض جگہ رقم کے علاوہ جوڑا بھی بنا کر دیتے ہیں اور بعض مساجد میں ختم قرآن کے موقع پر یا اس سے پہلے تراویح پڑھانے والے کی امداد کرنے کے لئے لوگوں سے باقاعدہ چندہ لے کر جمع کیا جاتا ہے اور امام کو دے دیا جاتا ہے۔ اس کے لینے کا کیا حکم ہے؟

(ج) بعض لوگ انفرادی طور پر تنہائی میں امام صاحب کی کچھ مدد کر دیتے ہیں پہلے سے کچھ طے نہیں ہوتا نہ ملنے کی امید ہوتی ہے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ حافظ منتظمین سے اپنی آمد و رفت کا خرچہ لے سکتا ہے یا اگر دوسرے شہر میں جائے تو وہاں اپنے قیام کا خرچہ بھی لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: (الف، ب) ان تمام صورتوں میں تراویح میں کلام پاک پڑھنے کی اجرت خواہ مشروط ہو یا معروف جیسا کہ عام طور پر رائج ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے لینا دینا لازم سمجھا جاتا ہے اور حفاظ بھی ایسی جگہ کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں تر

ملنے کی امید ہو، حتیٰ کہ اگر دوسرے شہر جانا پڑے تو برداشت کرتے ہیں اور اگر کسی جگہ کچھ ملنے کی امید نہ ہو تو وہاں نہیں جاتے بلانے پر بھی عذر کر دیتے ہیں اور اگر زبان سے نہ کہیں مگر دل میں ملنے یا لینے کی نیت ہوتی ہے تو ان سب صورتوں میں ہدیہ چندہ اور اعانت کے عنوان سے جو کچھ نقدی یا جوڑا دیا جاتا ہے ان کا لینا حرام ہے، کیوں کہ قرآن کریم کا پڑھنا عبادت ہے اور عبادت پر اجرت لینا حرام ہے بعض حضرات اس کو اذان واقامت اور تعلیم ووعظ پر قیاس کرکے جائز کہتے ہیں مگر ان کا یہ قیاس غلط ہے۔ کیوں کہ اصل مسئلہ ان میں بھی عدم جواز ہی کا ہے مگر متاخرین فقہاء نے ضرورت شرعی کی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور تراویح میں قرآن سنانا ضروریات دین سے نہیں لہٰذا اس کی اجرت حرام رہے گی (امداد الفتاویٰ ص۲۹ ج۱ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی گئی ہے)، لہٰذا اگر خالص لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا حافظ نہ ملے تو تراویح الم ترکیف سے پڑھ لی جائیں۔

(ج) اگر کسی حافظ نے محض اللہ کی رضا کے لئے قرآن سنایا اور معروف یا مشروط طور پر کچھ دینا ٹھہرایا اور نہ لینے کا کوئی ارادہ تھا۔ پھر اتفاق سے کسی نے چپکے سے کچھ پیش کر دیا تو اس کا لینا درست ہے یہ حکم اجرت میں داخل نہیں ہے۔ نیز حافظ کو اپنے آمد ورفت کا خرچ اور بصورت قیام قیام کا خرچ لینا درست ہے

تراویح کے لئے اجرت پر امام مقرر کرنا

سوال: جس طرح پنج وقتہ نمازوں کے لئے امام مقرر کیا جاتا ہے، اسی طرح ماہ رمضان میں تراویح پڑھانے کے لئے کسی حافظ امام کو مقرر کرنا کیسا ہے۔ جائز ہے یا نہ؟"

جواب: چوں کہ مقصود اصلی یہاں امامت نہیں ہے۔ بلکہ تراویح میں قرآن کریم کا ختم ہے، اس لئے اس پر جو اجرت لی اور دی جائے گی وہ ختم قرآن کریم کی وجہ سے ہوگی نہ محض امامت کی وجہ سے۔ لہٰذا ناجائز ہوگی، اور قرآن کریم کی اجرت حلال کرنے کے لئے یہ حیلہ اختیار کرنا درست نہ ہوگا۔ (ملخص از فتاویٰ دارالعلوم مدلل)

ہر چار رکعت پر آرام کرنا

سوال: تراویح کی ہر چار رکعات کے بعد بیٹھنے کا کیا حکم ہے اور کتنی دیر بیٹھنا چاہئے اور اس میں کیا کرنا چاہئے؟ تفصیل سے بیان کیجئے۔

جواب: ہر ترویحہ پر یعنی چار رکعات پڑھ کر اتنی ہی دیر یعنی چار رکعات کے موافق جلسۂ استراحت مستحب ہے۔ اسی طرح پانچویں ترویحہ کے بعد وتر سے پہلے بھی جلسہ مستحب ہے۔ لیکن اگر مقتدیوں پر اس سے گرانی ہو تو نہ بیٹھے (عالمگیری) اور اتنی دیر تک اختیار ہے کہ تسبیح، قرآن شریف، نفلیں جو دل چاہے پڑھتا رہے۔ اہل مکہ کا معمول طواف کرنے اور دو رکعت نفل پڑھنے کا ہے۔ اور اہل مدینہ کا معمول چار رکعت پڑھنے کا (کبیری) اور یہ دعا بھی منقول ہے۔

سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوتِ سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ
وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوتِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِي
لَا يَمُوتُ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ لَا إِلٰهَ
إِلَّا اللّٰهُ نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ نَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ

(فتاوی محمودیہ بحوالہ شامی)

دس رکعت پر جلسۂ استراحت کرنا مکروہ تنزیہی ہے (فتاوی محمودیہ بحوالہ کبیری)

مسئلہ: ہر شفعہ کے بعد دو رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھنا بدعت ہے (فتاوی محمودیہ بحوالہ کبیری)

ہر ترویحہ کے بعد دعا

سوال: ہمارے یہاں تراویح کے ہر چار رکعت کے بعد جلسۂ استراحت کرتے ہیں اور ہر جلسۂ استراحت میں امام اور تمام مقتدی باآواز بلند درود اور کلمۂ توحید و استغفار پڑھتے ہیں ایسے پڑھنا کیسا ہے کتب فقہ سے جواب دیں۔

جواب: حامداً و مصلیاً۔ دعا درود آہستہ پڑھنا افضل ہے ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ الآیۃ (فتاوی محمودیہ)

شفعہ کسے کہتے ہیں

سوال: ہر شفعہ کے بعد دو رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھنا

بدعت ہے تو جواب مطلب امر یہ ہے کہ شفعہ کسے کہتے ہیں۔
جواب: دو رکعت کو شفعہ کہتے ہیں۔ (فتاوی محمودیہ)

ایک سلام سے بیس تراویح پڑھنا

سوال: تراویح کی تنتی رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا جائز ہے؟ تفصیلی جواب دیجئے۔

جواب: تراویح کی دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے اور چار میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اور آٹھ رکعت بھی ایک سلام سے پڑھنا مکروہ نہیں (مگر ہر ترویحہ پر جلسۂ استراحت کی فضیلت حاصل نہ ہوگی) البتہ اس سے زائد خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ، بحوالہ کبیری)

جماعت تراویح کے وقت عشاء کے فرض پڑھنا

سوال: زید جب مسجد میں آیا تو دیکھا عشاء کی نماز ہو گئی ہے اور تراویح ہو رہی ہیں تو اب زید پہلے عشاء کے فرض پڑھے یا تراویح میں شریک ہو جائے؟

جواب: زید کو چاہئے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے یعنی فرض اور سنت پڑھے اور پھر تراویح میں شریک ہو اس دوران میں تراویح کی جو رکعات رہ جائیں انھیں وتر پڑھنے کے بعد پڑھے کیوں کہ تراویح فرض عشاء کے تابع ہیں (ھندیہ)

مسئلہ: کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ تراویح کی جماعت شروع ہو گئی تھی تو اس کو چاہئے کہ پہلے فرض اور سنتیں پڑھے اس کے بعد تراویح میں شریک ہو اور چھوٹی ہوئی تراویح دو ترویحوں کے درمیان جلسہ کے وقت پوری کر لے اگر موقع نہ ملے تو وتروں کے بعد پڑھے اور وتروں یا تراویح کی جماعت چھوڑ کر تنہا نہ پڑھے۔
(فتاوی محمودیہ بحوالہ کبیری)

اکیلے عشاء کے فرض پڑھنے والے کا وتر جماعت سے پڑھنا

سوال: زید نے عشاء کے فرض بغیر جماعت کے پڑھے اور تراویح میں امام کے ساتھ شریک ہو گیا تو اب وتر بھی جماعت

سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ نیز اگر تراویح کی کچھ رکعات رہ گئی ہوں تو بھی وتر کی جماعت میں شرکت کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: زید وتر میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اور اگر کچھ تراویح باقی رہ گئی ہوں تو انہیں وتر پڑھنے کے بعد پڑھے۔ (ہندیہ)

تراویح کے وقت لوگوں کا بیٹھے رہنا

سوال: تراویح کے وقت بعض لوگ پیچھے بیٹھے رہتے ہیں یا کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جاتے ہیں اور امام جب رکوع میں جاتا ہے تو یہ لوگ کھڑے ہو کر رکوع میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس طرح کرنا مکروہ اور منع ہے کیوں کہ اس میں نماز پڑھنے میں سستی کا اظہار ہے جو منافقین کے عمل کے مشابہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ، بحوالہ خانیہ)

مسئلہ: جس شخص پر نیند کا غلبہ ہو اس کو چاہئے کہ کچھ دیر سو رہے اس کے بعد تراویح پڑھے۔ (شامی)

مسئلہ: تراویح کو شمار کرتے رہنا مکروہ ہے کیوں کہ یہ اکتا جانے کی علامت ہے۔ (خانیہ)

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ شب کا اکثر حصہ تراویح میں خرچ کیا جائے۔ (فتاوی محمودیہ، بحوالہ بحر)

تراویح پورے ماہ سنت ہیں

سوال: تراویح میں جب کلام پاک ختم ہو جاتا ہے تو بعض لوگ تراویح بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: یہاں دو چیزیں جدا جدا سنت ہیں۔ ایک تو تراویح میں ختم قرآن ہے۔ جو مستقل سنت ہے، دوسرے تراویح یہ علیحدہ سنت مؤکدہ ہیں۔ تراویح رمضان کا چاند نظر آنے پر شروع ہوتی ہیں اور عید الفطر کا چاند نظر آنے پر ختم ہوتی ہیں۔ چنانچہ اگر کلام پاک کسی جگہ ایک دن یا تین دن یا سات دن یا دس پندرہ روز میں

ختم ہو جائے تو بھی بقیہ رمضان میں تراویح پڑھنی چاہئے کیوں کہ یہاں ایک سنت ختم قرآن تو مکمل ہو گئی مگر دوسری سنت تراویح باقی ہیں، لہٰذا ختم قرآن کے بعد رمضان کی جتنی راتیں باقی ہوں ان میں بھی تراویح جماعت سے پڑھنی چاہئیں (ہندیہ)۔

رکعات تراویح میں شبہ کے مسائل

سوال: رکعات تراویح کے بارے میں مقتدی حضرات کے درمیان اختلاف ہوا بعض کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہوئیں اور بعض کہتے ہیں بیس ہوئیں اور ہر فریق کو اپنی بات پر پورا یقین ہے تو اب کس کا قول معتبر ہوگا؟

جواب، امام جس طرف ہوگا اس جماعت کا قول معتبر ہوگا۔ فان اختلفوا وکان الامام مع بعضھم رجح اذا ادعی کل فریق الیقین (کبیری ص ۳۰۰)

سوال: امام نے دو رکعت تراویح پڑھ کر جب سلام پھیرا تو مقتدیوں میں اختلاف ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ دو رکعت ہوئیں بعض کہتے ہیں تین ہوئیں تو اب امام کس کی بات مانے اور اگر امام کو بھی شک ہو جائے تو کس بات پر عمل کرے؟

جواب: اگر امام کو یقین ہے کہ دو رکعت ہوئی ہیں تب تو امام ہی کی بات معتبر ہوگی مقتدیوں کی بات کا اعتبار نہ ہوگا لیکن اگر خود امام کو شک ہو جائے تو مقتدیوں کی بات پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن اگر مقتدیوں میں بھی آپس میں اختلاف ہے تو اس صورت میں مقتدیوں میں سے جو لوگ امام کے نزدیک سچے اور قابل اعتبار ہیں ان کی بات مانی جائے گی (قاضی خاں۔ص ۲۳۹ ج ۱ وکبیری ص ۳۸۰)

سوال: تراویح کی رکعت میں امام کو شک ہو گیا کہ اٹھارہ ہوئی ہیں یا بیس؟ اور مقتدیوں میں بھی اختلاف ہے اور امام کو مقتدیوں میں سے کسی کی بات پر یقین بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں امام کیا کرے؟

جواب: جب یہ صورت پیش آئے تو سمجھا جائے گا کہ گویا سب لوگ شک میں مبتلا ہیں جس کا حکم یہ ہے کہ بجائے جماعت کے سب لوگ فرداً فرداً دو رکعت تراویح پڑھ لیں جس میں انھیں شک ہوا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، بحوالہ قاضی خاں ص ۲۳۹ ج ۱، وکبیری ص ۳۸۰)

مسئلہ: اگر اٹھارہ رکعت پڑھ کر امام سمجھا کہ بیس پوری ہوگئیں اور وتروں کی نیت باندھ لی۔ مگر دو رکعت پڑھ کر یاد آیا کہ ایک شفعہ تراویح کا باقی رہ گیا ہے۔ جب ہی دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو یہ شفعہ تراویح کا شمار نہ ہوگا (فتاویٰ محمودیہ بحوالہ خانیہ)

مسئلہ: اگر وتر پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ ایک شفعہ مثلاً رہ گیا تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ (ہندیہ)

مسئلہ: اگر بعد میں یاد آیا کہ ایک مرتبہ صرف ایک ہی رکعت پڑھی گئی اور شفعہ پورا نہیں ہوا اور کل تراویح انیس ہوئی ہیں تو دو رکعت اور پڑھ لی جائیں۔ یعنی صرف شفعۂ فاسدہ کا اعادہ ہوگا اور اس کے بعد کی تمام تراویح کا اعادہ نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ، بحوالہ کبیری صفحہ ۲۹)

مسئلہ: جب شفعہ فاسدہ کا اعادہ کیا جائے تو اس میں جس قدر قرآن شریف پڑھا تھا اس کا بھی اعادہ کرنا چاہئے تاکہ تمام قرآن شریف صحیح نماز میں ختم ہو۔

(فتاویٰ محمودیہ، بحوالہ خانیہ)

مسئلہ: ایک شخص تراویح سمجھ کر نماز میں شریک ہوا۔ پھر معلوم ہوا کہ امام وتر پڑھ رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ امام کے سلام کے بعد چوتھی رکعت بھی اپنی رکعت میں ملالے لیکن اگر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا اور چوتھی رکعت نہیں ملائی تب بھی اس کے ذمہ اس کی قضا نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ)

تراویح میں رکعت یا قعدہ بھولنا

سوال: تراویح کی دوسری رکعت میں بیٹھنا بھول جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہو جائے تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو واپس آکر بیٹھ جائے اور باقاعدہ سجدہ سہو کرکے نماز پوری کرے اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرلیا ہو تو چوتھی رکعت ملا کر سجدہ سہو کرکے سلام پھیر دے مگر ان چار رکعت کو صرف دو رکعت شمار کیا جائے۔ یعنی دو رکعت تراویح ہوں گی۔ اور دو رکعت نفل۔ (ہندیہ)

مسئلہ: اگر امام نے دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا بلکہ چار پڑھ کر قعدہ کیا تو اخیر کی دو رکعت تراویح شمار ہوں گی (فتاوی محمودیہ بحوالہ کبیری)

سوال: امام یا منفرد نے تراویح کی تین رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا تو اب اس کی دو رکعت تراویح ٹھیک ہوئی یا نہیں؟

جواب: اگر امام یا منفرد دوسری رکعت پر بیٹھ گئے تھے تب تو دو رکعت تراویح صحیح ہوگئیں لیکن چوں کہ نفل کی ایک رکعت ملا چکا تھا لہٰذا چوتھی رکعت بھی ملانی چاہئے تھی۔ مگر جب کہ درمیان میں سلام پھیر دیا تو اب دو رکعت نفل کی قضا پڑھنا واجب ہوگی اور اگر دوسری رکعت کا قعدہ بالکل کیا ہی نہیں بلکہ بھول کر تیسری رکعت میں دو رکعت سمجھ کر سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہوگئی اب دو رکعت تراویح دوبارہ پڑھنی پڑیں گی (خانیہ)

تراویح میں بھول کو بتانے کا طریقہ

سوال: اگر تراویح میں امام بھول کر تیسری رکعت پر کھڑا ہو جائے تو مقتدیوں کو کن الفاظ کے ذریعے امام کو اس کا سہو یاد دلانا چاہئے؟

جواب: تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے مقتدیوں کو لفظ "سبحان اللہ" کہنا چاہئے تاکہ امام واپس قعدہ میں بیٹھ جائے۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ ہندیہ ص ۸، ج-۱)

مسئلہ: تراویح میں امام کو قرات وغیرہ میں بھول بتانے کے لئے نابالغ حافظ کو مقرر کرنا جائز ہے اور یہ نابالغ حافظ جب امام کے ساتھ نماز میں ہو اور امام کو لقمہ دے تو جائز ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی (طحطاوی علی المراقی بتصرف)

مسئلہ: اور نیز مردوں کی صفِ اوّل میں امام کے پیچھے نابالغ حافظ کو غلطی بتلانے کی غرض سے کھڑا کرنا بھی جائز ہے (احسن الفتاوی بتصرف)

بلاعذر تراویح بیٹھ کر پڑھنا

مسئلہ: بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے تراویح ادا ہو جائیگی مگر ثواب نصف ملیگا (فتاوی محمودیہ بحوالہ ہندیہ)

مسئلہ: اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر تراویح پڑھائے تب بھی مقتدیوں کو کھڑے ہو کر پڑھنا مستحب ہے (فتاوی محمودیہ بحوالہ خانیہ)

جماعت تراویح میں شرکت کے مسائل

مسئلہ: کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہوا کہ امام قرارت شروع کرچکا تھا تو اب اس کو سبحانک اللہم نہیں پڑھنا چاہئے۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ کبیری)

مسئلہ: اگر مسبوق نے امام کے ساتھ یا امام سے کچھ پہلے بھول کر سلام پھیر دیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں اور اگر امام کے لفظ السّلام کہنے کے بعد سلام پھیرا ہے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے (فتاوی محمودیہ بحوالہ محیط)

مسئلہ: مسبوق اپنی نماز تنہا پوری کرنے کے لئے نہ اٹھے جب تک کہ امام کی نماز ختم ہونے کا یقین نہ ہو جائے (محیط) کیوں کہ بعض دفعہ امام سجدۂ سہو کے لئے سلام پھیرتا ہے اور مسبوق اس کو ختم کا سلام سمجھ کر اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں فوراً لوٹ کر امام کے ساتھ شریک ہو جانا چاہئے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں تھا یہ فوراً تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہوا اور جب ہی امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا پس اگر سیدھا کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں گیا تھا اور رکوع میں جھکنے سے پہلے پہلے اللہ اکبر کہہ چکا تھا اور کمر کو رکوع میں برابر کر لیا تھا۔ اس کے بعد امام نے رکوع سے سر اٹھایا ہے تب تو رکعت مل گئی تسبیح اگرچہ ایک مرتبہ بھی نہ کہی ہو اور اگر امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع میں کمر کو برابر نہیں کر سکا تو رکعت نہیں ملی اور اگر تکبیر سیدھے کھڑے ہو کر نہیں کہی بلکہ جھکتے ہوئے کہی اور رکوع میں پہنچ کر ختم کی ہے تو یہ شروع کرنا ہی صحیح نہیں ہوا (فتاوی محمودیہ، بحوالہ محیط)

مسئلہ: اگر کوئی شخص رکوع میں آکر شریک ہوا مگر رکوع اس کو نہیں ملا تب بھی سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہونا اس پر واجب ہے۔ لیکن اگر سجدہ میں شریک نہ ہوا بلکہ سجدہ کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوا تب بھی اس کی نماز فاسد نہ ہوگی (فتاوی محمودیہ، بحوالہ بحر)

مسئلہ: اگر قیام میں امام کے ساتھ شریک ہوگیا مگر رکوع امام کے ساتھ نہیں کیا

بلکہ امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رکوع کیا تب بھی رکعت مل گئی۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ محیط تبصرف)

مسئلہ: اگر رکوع میں امام کے ساتھ آکر شریک ہوا اور صرف ایک ہی تکبیر کہی تب بھی نماز صحیح ہوگئی۔ اگرچہ اس تکبیر سے رکوع کی تکبیر کی نیت کی ہو اور تکبیر تحریمہ کی نیت نہ کی ہو اس نیت کا اعتبار نہ ہوگا (فتح القدیر) بشرطیکہ تکبیر کھڑے ہو کر کہی ہو رکوع میں نہ کہی ہو۔

مسئلہ: امام جب تشہد کے لئے بیٹھا تو ایک مقتدی سو گیا امام نے سلام پھیر کر دوسرا شفعہ پڑھا اور جب تشہد کے لئے بیٹھا تب یہ سونے والا جاگا۔ پس اگر اس کو معلوم ہے کہ یہ دوسرا شفعہ ہے تو سلام پھیر کر دوسرے شفعہ میں شریک ہو جائے اور امام کے سلام کے بعد کھڑے ہو کر مسبوق کی طرح دو رکعت پڑھے پھر امام کے ساتھ تیسرے شفعہ میں شریک ہو (فتاوی محمودیہ بحوالہ ہندیہ)

تین مسئلے

مسئلہ: تراویح میں ایک مرتبہ کسی سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بھی زور سے تمام قرآن شریف کی طرح پڑھنا چاہئے۔ آہستہ پڑھنے سے امام کا تو قرآن شریف پورا ہو جائے گا مگر مقتدیوں کا پورا نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر کوئی آیت چھوٹ گئی اور کچھ حصہ آگے پڑھ کر یاد آیا کہ فلاں آیت چھوٹ گئی ہے تو اس کے پڑھنے کے بعد آگے پڑھے ہوئے حصہ کا اعادہ بھی مستحب ہے (فتاوی محمودیہ بحوالہ ہندیہ ص ۱۱۸)

مسئلہ: کسی چھوٹی سورت کا فصل کرنا دو رکعت کے درمیان فرائض میں مکروہ ہے تراویح میں مکروہ نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ بحر)

تراویح کی قضا نہیں ہے

مسئلہ: اگر تراویح کسی وجہ سے فوت ہو جائیں اور رات گذر جائے تو دن میں یا کسی اور وقت ان کی قضا نہیں، نہ جماعت کے ساتھ نہ بغیر جماعت کے۔ اگر کسی نے قضا کی تو تراویح نہ ہوں گی بلکہ نفلیں ہونگی۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ بحر) کیونکہ قضا فرائض اور واجبات یا فجر کی سنتوں

کی ہوتی ہے فقط۔ (درمختار رد ہندیہ)

تراویح میں سجدۂ تلاوت کے احکام

مسئلہ: آیت سجدہ کے بعد فوراً ہی سجدہ کرنا افضل ہے۔ لیکن اگر نماز میں آیت سجدہ کے بعد سجدہ نہ کیا بلکہ رکوع کیا اور اس میں اس سجدہ کی نیت کرلی تب بھی سجدہ ادا ہو جائیگا اگر رکوع میں نیت نہیں کی تو اس کے بعد سجدۂ نماز سے بلانیت بھی ادا ہو جائے گا۔ یہ جب ہے کہ آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ نہ پڑھا ہو۔ اگر آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ پڑھ چکا ہو تو اب اس سجدہ کا وقت جاتا رہا نہ نماز میں ادا ہو سکتا ہے نہ خارج نماز تو بہ استغفار کرنا چاہئے۔ (محیط) (فتاوی محمودیہ بحوالہ محیط)

مسئلہ: اگر آیت سجدہ جو کہ سورۃ کے ختم پر ہے پڑھ کر سجدہ کیا تو اب سجدہ سے اٹھ کر فوراً رکوع نہ کیا جائے (اس خیال سے کہ سورہ تو ختم ہو ہی گئی) بلکہ تین آیت کی مقدار پڑھ کر رکوع کرنا چاہئے۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ محیط)

مسئلہ: آیت سجدہ پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔ (محیط) (فتاوی محمودیہ بحوالہ محیط)

مسئلہ: سورۂ حج میں پہلا سجدہ واجب ہے دوسرا نہیں۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ محیط)

مسئلہ: اگر خارج نماز آیت سجدہ کی تلاوت کی مگر سجدہ نہیں کیا، نماز میں وہی آیت پڑھی اور سجدہ کیا تو یہ سجدہ دونوں دفعہ کی تلاوت کے لئے کافی ہے۔ اگر پہلے سجدہ کرلیا تھا تو اب دوبارہ بھی سجدہ کرنا چاہئے (فتاوی محمودیہ بحوالہ محیط)

مسئلہ: اگر امام نے آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا اور کوئی شخص آیت سجدہ سن کر امام کے ساتھ اس سجدہ کے بعد اسی رکعت میں شریک ہو گیا تو اس کے ذمہ سے یہ سجدہ ساقط ہو گیا اگر اس رکعت میں شریک نہیں ہوا تو اس کو خارج صلوٰۃ علیحدہ سجدہ کرنا چاہئے۔ (فتاوی محمودیہ بحوالہ محیط)

حامل مضامین تصوف وعرفان ◦ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ: ۳ - ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ مطابق مارچ ۱۹۹۹ء جلد: ۲۲

قیمت فی پرچہ آٹھ روپیہ ۸ سالانہ زر تعاون اسی روپیہ ۸۰ ششماہی پینتالیس ۴۵ روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ ۱۰۰ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D Code No 0532

پرنٹر، پبلشر، صغیر حسن: اسرار کریمی پریس نخاس کہنہ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اعلان

رسالہ کا زر تعاون جنوری ۱۹۹۹ء سے مبلغ اسّی روپیہ سالانہ کر دیا گیا ہے۔

حضرت مصلح الامۃ مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ

تعلیم قرآن کیلئے ذوق کا ہونا ضروری ہے

فرمایا کہ - اپنے بعض اکابر کے کلام میں ترغیب دیکھی کہ "قرآن شریف کو عام کیا جائے" میں اس قول کی کچھ توضیح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھکر اس زمانے میں اور کام ہی کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن کو عام کیا جائے کیونکہ اسکا لفظ بھی ہدایت ہے اور معنی بھی ہدایت ہے۔ یہ سرتاپا ہدایت ہے لہذا اسکے ساتھ جتنا بھی شغف ہوگا وہ سب ہی اللہ اور رسول کو پسند ہوگا اور جلب رحمت کا سبب بنے گا اسلئے یہ ترغیب تو بالکل صحیح ہے لیکن اسی کے ساتھ میں یہ کہتا ہوں کہ شاید مراد ان اکابر کی واللہ اعلم اس ترغیب سے یہ ہو کہ لوگوں میں قرآن کی اشاعت کا ذوق ہونا چاہیئے اور وہی ذوق دوسروں میں بھی پیدا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بغیر اسکے قرآن کریم کا حقیقی فائدہ نہ تو معلم کو ہو سکتا ہے نہ متعلم کو بلکہ بعض حالات میں تو اندیشہ ہے کہ اگر ذوق و حال سے عاری ہو کر اس کام کو انجام دیا گیا تو خود اپنے لئے یا دوسروں کے لئے کہیں مہلک نہ ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں -

فکذالک الشیخ اذا اسی طرح سے اگر خود شیخ بھی صاحب لم یکن صاحب ذوق ذوق نہ ہوگا بلکہ طریق کو محض کتابوں

اخذ الطريق من الكتب سے اور لوگوں کی زبانی حاصل کرکے
افواہ الرجال وقعد طلب جاہ اور ریاست کے لئے مرید
بی به المريد طلبا کی تربیت کرنے لگے گا تو وہ تو اپنے
مرتبة والرياسة متبعین کے لئے مہلک ہی ثابت ہوگا
نه مهلك لمن تبعه اس لئے کہ اس مرید کے نشیب
نه لايعرف مورد فراز سے قطعی ناواقف ہوگا
لطالب ولامصدرة

(آداب الشیخ والمرید)

دیکھئے جب طریق میں شیخ کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ اسکو صاحب ذوق ہونا چاہئے پھر قرآن شریف کی تعلیم میں تو یہ شرط بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیئے ہی کہ جو شخص قرآن شریف کی تعلیم کو عام کرنا چاہے اور سکے لفظ و معنیٰ کو دوسروں تک پہونچانا چاہے تو اسکے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ صاحب ذوق ہو ذوق سے خالی وکر اگر اسکی اشاعت کرنا چاہے گا تو نہیں ہوگی کیونکہ ذوق کے نہونے کی وجہ سے خود ہی اسکا اثر نہ قبول کرے گا تو پھر یسا شخص دوسروں میں کیا اثر پیدا کر سکتا ہے

میرا مقصد یہ ہے کہ سب سے بڑی سعادت آج ہمارے لئے قرآن شریف کی جانب توجہ کرنا ہی ہے مگر یہ کہ اسکی ترغیب عام مسلمانوں کو دی جائے تو وہ جب ہی کچھ مفید ہو سکتی ہے کہ ذوق کے ساتھ دی جائے کیونکہ انسان جب خود ذوق والا ہوگا تب ہی دوسروں میں ذوق پیدا کر سکتا ہے مگر یہ دیکھا جاتا ہے کہ قرآن شریف کی جانب تو مسلمانوں کو کچھ توجہ دی ہے ہمارے مدارس میں بھی ترجمۂ قرآن اور تفسیر

قرآن کا درس دیا جاتا ہے لیکن افسوس اسکا ہے کہ قرآن کا ذوق طلبا، اور عوام میں نہیں پیدا ہو رہا ہے اور پیدا کیسے ہو جبکہ اہل درس کا اس زمانہ میں بقول علامہ عبد العزیز خولی رح کے یہ حال ہوگیا ہے جیسا کہ مقدمہ مفتاح السنۃ میں فرماتے ہیں کہ

ومن عجیب امرھم ان یعدوا من کبار المفسرین من درس مثل تفسیر الجلالین او النسفی دون ان تکون لہ ملکۃ فھم فی القرآن وذوق یدرک بہ سر فصاحتہ وکمال اقتدار علی تطبیقہ علی سیر الناس ومعاملاتھم (ص۱)

اور اس زمانہ میں لوگوں کا حال بھی تعجب خیز ہی ہے کہ ان میں کا وہ شخص کبار مفسرین میں شمار کیا جاتا ہے جو بس تفسیر جلالین یا تفسیر مدارک کا درس دے اگرچہ اسکے اندر نہ تو قرآن فہمی کا ملکہ ہو اور نہ اسکو کتاب اللہ سے ذوق ہو جسکے ذریعہ اسکی فصاحت کے اسرار معلوم کر سکے اور نہ اسکو اس بات کی قدرت اور مہارت ہی حاصل ہو کہ وہ آیاتِ قرآنیہ کو لوگوں کی سیرت اور حالات اور معاملات پر منطبق کر سکتا ہو۔

یعنی انکو بتاتا ہو کہ یہ تمھاری سیرت و حالات ہیں اور قرآن یہ کہتا ہے اور تم سے یہ مطالبہ کرتا ہے

آجکل تعلیمات قرآنی سے بے التفاتی کی وجہ

علامہ خولی رح نے کیا خوب بات بیان فرمائی اور کیسا چور پکڑا ہے واقعی آج عام حالت یہی ہے کہ ایک شخص کو کتاب و سنت کا ذرا بھی ذوق حاصل نہیں ہوتا مگر دیکھا جاتا ہے کہ وہی انکا واعظ اور معلم بنا بیٹھا ہے یہی وجہ ہے آج تعلیمات قرآنی کے نہ پھیلنے کی کہ علماء محققین نے

ایک منصب کے لئے جس چیز کو اولین شرط قرار دیا تھا آج اسکی جانب اصلاً التفات نہیں رہا پھر قرآن کی اشاعت اور اسکی تعلیم ہو تو کیسے؟ ورنہ تو یہ ہو نہیں سکتا کہ عالم ذوق کے ساتھ قرآن کا وعظ کہے اور معلم ذوق کے ساتھ قرآن کا درس دے پھر بھی متعلمین اور سامعین اسکے اثر فیض سے کورے رہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اثر جب نہیں دیکھا جا رہا ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ کام طریقہ سے نہیں ہو رہا ہے۔ بہرحال ان بعض اکابر کا قرآن کی تعلیم اور اسکی تعمیم کی ترغیب دینا بالکل بجا اور درست ہے اسلئے کہ کتاب وسنت ہی تو ہمارے لئے سرچشمۂ ہدایت اور سرمایۂ حیات ہے جیسا کہ یہی علامہ خولیؒ لکھتے ہیں کہ :-

ولا شیٔ اھدی للنفوس وا جلب لسعادتھا وارعی لطھارتھا من تفھم ھذین المصنوین والعکوف علی درسھا وتدبر معانیھما والنفوذ الیٰ مغزاھما فھما لھٰ طھارۃ القلب وصفاء العقل وکمال النفس ۔	کوئی چیز کتاب وسنت کے سمجھنے اور انکے درس پر مداومت کرنے اور انکے معانی میں غور کرنے اور انکی تہ تک پہونچنے سے بڑھکر نفوس کو ضلالت سے نکالنے اور انکو ہدایت کرنے اور سعادت نفس حاصل کرانے اور اسکو طہارت دینے والی نہیں ہے پس انکا اعتنار اور انکے ساتھ شغف ہی وہ چیز ہے جو قلوب کی طہارت، عقول کی صفائی اور نفوس کیلئے حصول کمال کی ضامن ہے

(مفتاح السنۃ ص۴)

لیکن جیسا ابھی عرض کیا گیا شرط یہی ہے کہ یہ درس وتدریس تعلیم وتعلم اور قرآن کا وعظ وتبلیغ ذوق کے ساتھ ہو۔

تعلیم قرآن کے سلسلے میں مصلح الامت کے گرانقدر افادات

میں نے یہاں بعض احباب سے اسی سلسلہ میں کچھ دریافت کیا جواب میں انھوں نے کام کی بات کہی ناظرین کے افادہ کے لئے اپنا استفسار اور انکا جواب بعینہٖ نقل کرتا ہوں

میں نے ان سے دریافت کیا کہ میں جسطرح سے قرآن شریف پڑھا رہا ہوں اور آپ لوگوں کو سمجھا رہا ہوں اس میں اور دوسرے حضرات میں جو قرآن شریف کا ترجمہ اور تفسیر پڑھتے پڑھاتے ہیں اس میں آپ کے نزدیک کیا فرق ہے ؟

انھوں نے کہا کہ آپ کے طرز بیان میں اور دوسرے لوگوں کے طرز تعلیم میں بہت فرق ہے میں نے آپ کا طریقہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ

(۱) لوگوں کو قرآن شریف کا وعظ کہنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اسکے قلوب میں پہلے کلام اللہ کی عظمت پیدا کیجائے کیونکہ جسقدر اسکی عظمت قلب میں زیادہ ہوگی قلب اسکے مضامین کو . . . زیادہ پکڑے گا اور تاثر بڑھ جائے گا یوں تو قرآن شریف پر اپنا ایمان ہی ہے لیکن اسمیں شک نہیں کہ اسکی جو عظمت وقعت آپکے ارشادات سننے کے بعد اب پیدا ہوئی ہے پہلے ویسی نہ تھی اور یہ بھی صحیح ہے کہ جس طرح حضور والا اس موضوع پر گفتگو فرمارہے ہیں اور ہم خدام کو قرآن شریف کی جانب متوجہ فرمارہے ہیں دوسرا کوئی اور نہیں بتلاتا ۔

(۲) دوسری چیز جس کا لحاظ تفسیر قرآن بیان کرنے والے کے لئے خاصکر اس زمانہ میں بہت ضروری ہے . . . .

وہ یہ ہے کہ محض اپنی عربی دانی اور لغت فہمی پر اکتفا نہ کرے کیونکہ اسکی وجہ سے تفسیر میں یقیناً غلطی کر جائے گا متقدمین علماء محققین میں سے کسی ایک کی تفسیر سامنے رکھکر اسی کی روشنی میں کلام کرے اور اسی کو اپنے بیان کا محور اور مبنیٰ قرار دے پھر اسکے بعد اگر کوئی بات انھیں بزرگوں کی برکت سے اسکے سمجھ میں بھی آجائے تو اسکو بھی بیان کر دینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ شریعت کے مزاحم نہو۔

(۳) تیسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ تکثیر مقدار کے درپے نہو، تھوڑی ہی مقدار بیان کرے مگر اسکا لحاظ ضروری ہے کہ مقام کو حل کر دے اور اس طرح بیان کرے کہ مقصد قرآن لوگوں پر واضح ہو جائے بچا ہے اس میں ایک مضمون کو مکرر سہ کرر ہی کیوں نہ بیان کرنا پڑے اسلئے کہ مقصود معنئ قرآن کا افہام و تفہیم ہے نہ کہ الفاظ پر عبور۔

(۴) چوتھی چیز جو حضرت والا کے بیان میں محسوس کرتا ہوں اور اسکو اس زمانہ میں حضرت والا ہی کی خصوصیت سمجھتا ہوں اور بلا شبہہ حق خالق اور حق مخلوق دونوں کا تقاضا ہے کہ انسان اس سے متصف ہو اور وہ یہ ہے کہ حضرت والا مضامین قرآن کو خود اپنے قلبی تأثر اور حال اور مخصوص ذوق وکیف کے ساتھ بیان فرماتے ہیں تو چونکہ خود متاثر ہوتے ہیں اسلئے دوسرے لوگوں پر بھی اسکا اثر پڑتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ واعظ بالقرآن کے لئے سب سے پہلے ضروری شرط یہ ہے کہ وہ ان مضامین سے خود متاثر ہو ورنہ اسکے کلام اور بیان کا اثر بھی دوسروں پر نہیں پڑے گا۔

ہم لوگوں کا آج یہی حال ہے کہ اول تو قرآن سے وعظ ہی

نہیں کہا جاتا اور اگر کہا بھی گیا تو خود چونکہ تاثر سے خالی ہوتے ہیں اسلئے وعظ بھی تاثیر سے خالی ہوتا ہے۔

پھر دوسرے وقت میں نے انھیں مولوی صاحب سے دریافت کیا اچھا یہ بتائیے کہ جس طرح سے آپ کے نزدیک میں لوگوں کو قرآن شریف سمجھا رہا ہوں اسی طرح سے زیادہ سے زیادہ لوگ اگر اسکو پہنچانا شروع کریں تو کیا اسکا نفع عام نہیں ہو جائیگا؟ اور آپ تو اس سلسلے میں بہت دنوں سے ہیں یہ بھی فرما دیجئے کہ اسطرح سے قرآن شریف کی تبلیغ کرتے ہوئے آپ نے کتنوں کو دیکھا ہے انھوں نے کہا کہ جس شان اور جس عنوان سے آپ تعلیم قرآن فرمارہے ہیں اس طرح تو شاید ہی کوئی کرتا ہوتا ہم اپنی اپنی استعداد کے مطابق لوگ اگر طریقہ سے اس کام کو کریں تو اس میں شک نہیں کہ بہت زیادہ کام ہونے کی امید ہے باقی آپ نے جو یہ فرمایا کہ تو نے کتنے لوگوں کو اس طرح سے کام کرتے دیکھا ہے تو اسکے متعلق یہ عرض کرتا ہوں کہ جس ذوق وحال کے ساتھ کہ پہلے خود اپنے کو متاثر کر کے حضرت قرآن کا وعظ بیان فرماتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سامعین بھی اپنے اندر اثر وحال اور کلام اللہ کی حلاوت محسوس کرتے ہیں، صحیح تو یہ ہے کہ میں نے اس طرح کسی کا بیان نہیں سنا

پھر دوسرے دن میں نے مجلس میں اسی مسئلہ پر گفتگو کی اور مولوی صاحب سے کہا کہ یہ باتیں ٹھیک کہہ رہا ہوں کہ نہیں انھوں نے کہا بالکل صحیح ہیں۔

قرآن کی طرف سے بے اعتنائی میں خواص بھی شامل ہیں

اس زمانے میں جہاں اور عام لوگ قرآن شریف کی طرف سے بے اعتنائی

برت رہے ہیں انھیں میں خواص بھی داخل ہیں کیونکہ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ درس حدیث کا کچھ اہتمام بھی ہے مگر قرآن کا اتنا بھی نہیں۔ یوں کہیں کوئی اللہ کا بندہ قرآن کی صحیح خدمت کر رہا ہو تو سبحان اللہ، باقی ہمارے علم میں تو عام حالات یہی ہیں کہ جس قدر اہتمام حدیث کے درس و تدریس کا ہے تفسیر کا نہیں حالانکہ قرآن سارے علوم کی اصل اور انکا سرچشمہ ہے۔ علوم عالیہ میں سے فقہ تو خیر کتاب و سنت سے ماخوذ ہی ہے خود سنت بھی کتاب اللہ کی شرح ہے، اب شرح کا اہتمام تو زیادہ ہو اور متن کا اتنا بھی نہ ہو یہ تو قلب موضوع ہے اور عظمت کتاب اللہ کے قطعی خلاف ہے اہل علم اور دیندار لوگوں سے یہ عمل باعث حیرت و تعجب ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو احترام و تعظیم قرآن کی توفیق عطا فرمائے اور اسکے فہم سے حصۂ وافر نصیب فرمائے۔ آمین۔

چوں ترک قرآں کردۂ آخر مسلمانی کجا؟
خود شمع ایماں کشتۂ پس نور ایمانی کجا؟

چیست قرآن اے کلام حق شناس
رونمائے ربِّ ناس آمد بناس

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

قربانی، حج اور عشرۂ ذی الحجہ

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ و نستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلاھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا و سندنا و نبینا و مولانا محمد عبدہٗ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَّ الشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ (سورۃ الفجر ۱-۵)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العٰلمین

عبادات میں ترتیب ذی الحجہ کے یہ دس دن یعنی یکم ذی الحجہ سے ۱۰ ذی الحجہ تک ہیں اللہ تبارک تعالے نے انکو ایک عجیب خصوصیت اور فضیلت بخشی ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فضیلت کا یہ سلسلہ رمضان المبارک سے شروع ہو رہا ہے اللہ تعالےٰ نے عبادتوں کے درمیان عجیب وغریب ترتیب رکھی ہے کہ سب سے پہلے رمضان لائے اور اس میں روزے فرض فرما دیئے اور پھر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر فوراً اگلے دن سے حج کی عبادات کی تمہید شروع ہوگئی۔ اسلئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج کے تین مہینے ہیں شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ۔ اگرچہ حج کے مخصوص ارکان تو ذی الحجہ ہی میں ادا ہوتے ہیں لیکن حج کیلئے احرام باندھنا شوال سے جائز اور مستحب ہو جاتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص حج کو جانا چاہے تو اسکے لئے شوال کی پہلی تاریخ سے حج کا احرام باندھ کر نکلنا جائز ہے۔ اس تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ پہلے زمانے میں حج پر جانے کے لئے کافی وقت لگتا تھا اور بعض اوقات دو دو تین تین مہینے وہاں پہونچنے میں لگ جاتے تھے اسلئے شوال کا مہینہ آتے ہی لوگ سفر کی تیاری شروع کر دیتے تھے گویا کہ روزے کی عبادت ختم ہوتے ہی حج کی عبادت شروع ہوگئی اور پھر حج کی عبادت اس پہلے عشرے میں انجام پاجاتی ہے اسلئے کہ حج کا سب سے بڑا رکن جو "وقوف عرفہ" ہے ۹ ذی الحجہ کو انجام پا جاتا ہے۔

"قربانی" شکر کا نذرانہ ہے اور پھر جب اللہ تعالےٰ نے رمضان کے روزے پورے کرنے کی اور

حج کے ارکان پورے کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور یہ دو عظیم الشان عبادتیں تکمیل کو پہونچ گئیں اس وقت اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ ضروری قرار دیا کہ مسلمان ان عبادتوں کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کریں جس کا نام "قربانی" ہے۔ لہٰذا ۱۰-۱۱-۱۲ تاریخ کو اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے ہمیں یہ دو عظیم عبادتیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "عید الفطر" کو اس وقت رکھا جب روزے کی عبادت کی تکمیل ہو رہی تھی اور "عید الاضحیٰ" کو اللہ تعالیٰ نے اسوقت رکھا جب حج کی عظیم الشان عبادت کی تکمیل ہو رہی ہے لیکن اُس میں حکم یہ دیا کہ عید الفطر میں خوشی کا آغاز صدقۃ الفطر سے کرو اور عید الاضحیٰ کے موقع پر خوشی کا آغاز اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کر کے کرو۔

دس راتوں کی قسم

چونکہ ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے اور عشرۂ ذی الحجہ کا آغاز ہے اس لیئے خیال ہوا کہ کچھ باتیں اس عشرۂ ذی الحجہ کے متعلق عرض کر دی جائیں یہ عشرہ جو یکم ذی الحجہ سے شروع ہوا اور دس ذی الحجہ پر جسکی انتہا ہوگی۔ یہ سال کے بارہ مہینوں میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اور پارۂ عم میں یہ جو سورۂ فجر کی ابتدائی آیات ہیں وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں لیکن کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا اس چیز کی حرمت اور عزت پر دلالت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ فجر میں جن راتوں کی قسم کھائی ہے اسکے بارے میں مفسرین

کی ایک بڑی جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں اس سے ان دس راتوں کی عزت اور حرمت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

دس ایام کی فضیلت

اور خود نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ارشاد میں واضح طور پر ان دس ایام کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے یہاں تک فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت کے اعمال کسی دوسرے دن میں اتنے محبوب نہیں ہیں جتنے ان دس دنوں میں محبوب ہیں۔ خواہ وہ عبادت نفلی نماز ہو، ذکر یا تسبیح ہو یا صدقہ خیرات ہو (صحیح بخاری کتاب العیدین / باب فضل العمل فی ایام التشریق حدیث نمبر ۹۶۹)

ایک اور حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان ایام میں ایک دن روزہ رکھے تو ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے یعنی ایک روزے کا ثواب بڑھا کر ایک سال کے روزوں کے ثواب کے برابر کردیا جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ ان دس راتوں میں ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے یعنی اگر ان راتوں میں سے کسی بھی ایک رات میں عبادت کی توفیق ہوگئی تو گویا اسکو لیلۃ القدر میں عبادت کی توفیق ہوگئی۔ اس عشرۂ ذی الحجہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنا بڑا درجہ عطا فرمایا ہے۔

(سنن ترمذی، کتاب الصوم باب ما جاء فی العمل فی ایام العشر حدیث نمبر ۷۵۸)

ان ایام کی دو خاص عبادتیں

اور ان ایام کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی کہ وہ عبادتیں جو سال بھر کے دوسرے ایام میں نہیں انجام دی جا سکتیں انکی انجام دہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی زمانے کو منتخب فرمایا، مثلاً حج ایک ایسی

عبادت ہے جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتی، دوسری عبادتوں کا یہ حال ہے کہ انسان فرائض کے علاوہ جب چاہے نفلی عبادت کر سکتا ہے۔ مثلاً نماز پانچ وقت کی فرض ہے لیکن انکے علاوہ جب چاہے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے رمضان میں روزہ فرض ہے لیکن نفلی روزہ جب چاہیں رکھیں۔ زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے لیکن نفلی صدقہ جب چاہے ادا کر دے لیکن دو عبادتیں ایسی ہیں کہ انکے لئے اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر فرما دیا ہے ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں اگر ان عبادتوں کو کیا جائے گا تو وہ عبادت ہی نہیں شمار ہوگی ان میں سے ایک عبادت حج ہے۔ حج کے ارکان مثلاً عرفات میں جاکر ٹھہرنا، مزدلفہ میں رات گذارنا۔ جمرات کی رمی کرنا وغیرہ یہ ارکان اور اعمال ایسے ہیں کہ اگر انہی ایام میں انجام دیا جائے تو عبادت ہے اور دنوں میں اگر کوئی شخص عرفات میں دس دن ٹھہرے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ جمرات سال بھر کے بارہ مہینے تک منیٰ میں کھڑے ہیں لیکن دوسرے ایام میں کوئی شخص جاکر انکو کنکریاں مار دے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ تو حج جیسی اہم عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ہی ایام کو مقرر فرما دیا کہ اگر بیت اللہ کا حج ان ایام میں انجام دوگے تو عبادت ہوگی اور اس پر ثواب ملے گا۔

دوسری عبادت قربانی ہے، قربانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کے تین دن یعنی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ مقرر فرما دیئے ہیں ان ایام کے علاوہ اگر کوئی شخص قربانی کی عبادت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص صدقہ کرنا چاہے تو بکرا ذبح کرکے اسکا گوشت صدقہ کر سکتا لیکن یہ قربانی کی عبادت ان تین

دنوں کے سوا کسی اور دن میں انجام نہیں پا سکتی لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس زمانہ کو یہ امتیاز بخشا ہے اسی وجہ سے علماء کرام نے ان احادیث کی روشنی میں یہ لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے ایام اس عشرۂ ذی الحجہ کے ایام ہیں ان میں عبادتوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان ایام میں اپنی خصوصی رحمتیں نازل فرماتے ہیں لیکن کچھ اور اعمال خاص طور پر ان ایام میں مقرر کر دیئے گئے ہیں انکا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے

بال اور ناخن نہ کاٹنے کا حکم ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی جو حکم سب سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہو جاتا ہے وہ ایک عجیب و غریب حکم ہے اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کو قربانی کرنی ہو تو جس وقت وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے اسکے بعد اسکے لئے بال کاٹنا اور ناخن کاٹنا درست نہیں۔ چونکہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اسواسطے اس عمل کو مستحب قرار دیا گیا ہے کہ آدمی اپنے ناخن اور بال اس وقت تک نہ کاٹے جب تک قربانی نہ کرلے (ابن ماجہ، کتاب الاضاحی باب من اراد ان یضحی فلا یأخذ فی العشر من شعرہ واظفارہ حدیث نمبر ۳۱۴۸)

انکے ساتھ تھوڑی سی شباہت اختیار کرلو بظاہر یہ حکم بڑا عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے کہ چاند دیکھکر بال و ناخن کاٹنے سے منع کر دیا گیا لیکن بات در اصل یہ ہے کہ ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے حج کی عظیم الشان عبادت مقرر فرمائی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد الحمدللہ اسوقت اس

ن سے بہرہ اندوز ہو رہی ہے اس وقت وہاں یہ حال سے
سا معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے اندر ایک ایسا مقناطیس
دا ہے جو چاروں طرف سے فرزندان توحید کو اپنی طرف
رہا ہے ہر لمحہ ہزاروں افراد اطراف عالم سے وہاں پہونچ
، ہیں اور بیت اللہ کے اردگرد جمع ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ
ان لوگوں کو حج بیت اللہ کی ادائیگی کی یہ سعادت بخشی
ان حضرات کے لئے یہ حکم ہے کہ جب وہ بیت اللہ شریف
ارف جائیں تو وہ بیت اللہ کی وردی یعنی احرام پہنکر
ں اور پھر احرام کے اندر شریعت نے بہت سی پابندیاں
لردیں مثلاً یہ کہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے، خوشبو نہیں
سکتے، منہ نہیں ڈھانک سکتے وغیرہ ان میں سے ایک پابندی
ہے کہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے۔
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اور ان لوگوں پر
بیت اللہ کے پاس حاضر نہیں ہیں اور حج بیت اللہ کی عبادت
شریک نہیں ہیں اللہ تعالےٰ کے کرم کو متوجہ فرمانے اور انکی
ت کا مورد بنانے کے لئے یہ فرمادیا کہ ان حجاج بیت اللہ کے
ذ تھوڑی سی مشابہت اختیار کرلو، تھوڑی سی انکی شباہت
نے اندر پیدا کرلو اور جس طرح وہ بال نہیں کاٹ رہے ہیں تم
مت کاٹو، جس طرح وہ ناخن نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی
، کاٹو۔ یہ ان اللہ کے بندوں کے ساتھ شباہت پیدا کرادی
ں وقت حج بیت اللہ کی عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔

کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے

اور ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ

فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بہانے ڈھونڈھتی ہیں جب ہمیں یہ حکم دیا کہ انکی شباہت اختیار کرلو تو اسکے یہ معنی ہیں کہ ان پر جو رحمتیں نازل فرمانا منظور ہے اسکا کچھ حصہ تمہیں بھی عطا فرمانا چاہتے ہیں تاکہ جس وقت عرفات کے میدان میں ان اللہ کے بندوں پر رحمت کی بارشیں برسیں اسکی بدلی کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی رحمت برسا دے تو یہ شباہت پیدا کرنا بھی بڑی نعمت ہے۔ اور حضرت مجذوب صاحب کا یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ ؎

ترے محبوب کی یارب شباہت لیکے آیا ہوں
حقیقت اسکو تو کردے میں صورت لیکے آیا ہوں

کیا بعید ہے کہ اللہ اس صورت کی برکت سے حقیقت میں تبدیل فرمادے اور اس رحمت کی جو گھٹائیں وہاں برسیں گی انشاء اللہ ہم اور آپ اس سے محروم نہیں رہیں گے۔

تھوڑے دھیان اور توجہ کی ضرورت ہے

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق یہ تھا کہ فرماتے تھے کہ کیا اللہ تبارک و تعالیٰ اس بنا پر محروم فرمادیں گے کہ ایک شخص کے پاس جانے کے لئے پیسے نہیں ہیں؟ کیا اس واسطے اسکو عرفات کی نعمتوں سے محروم فرمادینگے کہ اسکو حالات نے جانے کی اجازت نہیں دی اور اس واسطے وہ نہیں جاسکا؟ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو بھی اس رحمت میں شامل فرمانا چاہتے ہیں البتہ تھوڑی سی توجہ اور دھیان کی بات ہے۔ بس تھوڑی سی توجہ اور فکر کرلو کہ میں تھوڑی سی شباہت پیدا کررہا ہوں اپنی صورت تھوڑی سی ان جیسی بنارہا ہوں تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اس رحمت میں شامل

دیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

عرفہ کا روزہ

دوسری چیز یہ ہے کہ یہ ایام اتنی فضیلت والے ہیں کہ ان ایام میں ایک روزہ ... کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے ... ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ ... سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایک مسلمان جتنا بھی ... ایام میں نیک اعمال اور عبادات کر سکتا ہے وہ ضرور کرے ... نویں ذی الحجہ کا دن عرفہ کا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لئے حج کا عظیم الشان رکن یعنی وقوف عرفہ تجویز ... فرمایا اور ہمارے لئے خاص اس نویں تاریخ کو نفلی روزہ ... فرمایا اور اس روزے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ ... وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کے دن جو شخص روزہ رکھے ... مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے یہ امید ہے کہ اس ... کے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ... جائے گا

(ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب صیام یوم عرفہ حدیث نمبر ۱۷۳۴)

صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ بعض لوگ ... دین کا کما حقہ علم نہیں رکھتے تو اس قسم کی حدیثیں جو آتی ہیں ... ایک سال پہلے کے گناہ معاف ہو گئے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہو گئے اس سے ان لوگوں کے دلوں میں خیال آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک سال پہلے کے گناہ معاف ہی کر دیئے اور ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف

رما دیئیے اسکا مطلب یہ ہے کہ سال بھر کے لئے چھٹی ہو گئی
رچاہیں کریں سب گناہ معاف ہیں خوب سمجھ لیجئے جن جن اعمال
کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے
. یہ گناہوں کو معاف کرنے والے اعمال ہیں مثلاً وضو کرنے
ں ہر عضو کو دھوتے وقت اس عضو کے گناہ معاف ہو جاتے
ہیں ، نماز پڑھنے کے لئے جب انسان مسجد کی طرف چلتا
ہے تو ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک درجہ
بلند ہوتا ہے ، رمضان کے روزوں کے بارے میں فرمایا
دجس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اسکے تمام پچھلے
گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۔ یاد رکھئے اس قسم کی تمام احادیث میں
گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہوتے ہیں اور جہاں تک کبیرہ
گناہوں کا تعلق ہے اسکے بارے میں قانون یہ ہے کہ بغیر توبہ
کے معاف نہیں ہوتے ویسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی کے
کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بخش دیں وہ الگ بات ہے لیکن قانون
یہ ہے کہ جب تک توبہ نہیں کرے گا معاف نہیں ہونگے ۔ اور
پھر توبہ سے بھی وہ گناہ معاف ہوتے ہیں جنکا تعلق حقوق اللہ
سے ہو اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے مثلاً کسی کا
حق دبا لیا ہے ، کسی کا حق مار لیا ہے ، کسی کی حق تلفی کر لی ہے
اسکے بارے میں قانون یہ ہے کہ جب تک صاحب حق کو اسکا حق
ادا نہ کر دے یا اس سے معاف نہ کرا لے اس وقت تک معاف
نہیں ہونگے ۔ لہٰذا یہ تمام فضیلت والی احادیث جن میں گناہوں
کی معافی کا ذکر ہے وہ صغیرہ گناہوں کی معافی سے متعلق ہیں ۔

تکبیر تشریق ان ایام میں تیسرا عمل تکبیر تشریق ہے جو عرفہ کے

نماز فجر سے شروع ہو کر ۱۳ تاریخ کی عصر تک جاری رہتی ہے اور یہ تکبیر ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے اور وہ تکبیر یہ ہے "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" مردوں کے لئے اسے متوسط بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور آہستہ آواز سے پڑھنا خلاف سنت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۹۰، شامی ج ۲ ص ۱۷۸)

گنگا الٹی بہنے لگی ہے

ہمارے یہاں ہر چیز میں ایسی الٹی گنگا بہنے لگی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا ہے کہ آہستہ آواز سے کہو ان چیزوں میں تو لوگ شور مچا کے بلند آواز سے پڑھتے ہیں مثلاً دعاء کرنا، قرآن کریم میں دعاء کے بارے میں فرمایا کہ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً یعنی آہستہ اور تضرع کے ساتھ اپنے رب کو پکارو اور آہستہ دعاء کرو۔ چنانچہ عام اوقات میں بلند آواز سے دعاء کرنے کے بجائے آہستہ آواز سے دعاء کرنا افضل ہے (البتہ جہاں زور سے دعاء مانگنا سنت سے ثابت ہو وہاں اسی طرح مانگنا افضل ہے) اور اسی دعاء کا ایک حصہ درود شریف بھی ہے اسکو بھی آہستہ آواز سے پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اس میں تو لوگوں نے اپنی طرف سے شور مچانے کا طریقہ اختیار کرلیا اور جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا تھا کہ بلند آواز سے کہو مثلاً تکبیر تشریق جو ہر نماز کے بعد بلند آواز سے کہنی چاہیئے لیکن اسکے پڑھنے کے وقت آواز ہی نہیں نکلتی اور آہستہ سے پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

شوکت اسلام کا مظاہرہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تکبیر تشریق

رکھی ہی اسلئے گئی ہے کہ اس سے شوکتِ اسلام کا مظاہرہ ہو اور اسکا تقاضا یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد مسجد اس تکبیر سے گونج اٹھے لہٰذا اسکو بلند آواز سے کہنا ضروری ہے۔

اسی طرح عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے جا رہے ہوں تو اسمیں بھی مسنون یہ ہے کہ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہتے جائیں البتہ عید الفطر میں آہستہ آواز سے کہنی چاہیئے۔

تکبیر تشریق خواتین پر بھی واجب ہے

یہ تکبیر تشریق خواتین کے لئے بھی مشروع ہے اور اس میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے اور خواتین خواتین کو یہ تکبیر پڑھنا یاد نہیں رہتا۔ مرد حضرات تو چونکہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں اور جب سلام کے بعد تکبیر تشریق کہی جاتی ہے تو یاد آجاتا ہے اور وہ کہہ لیتے ہیں لیکن خواتین میں اسکا رواج بہت کم ہے اور عام طور سے خواتین اسکو نہیں پڑھتیں اگرچہ خواتین پر واجب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں، بعض علماء کہتے ہیں کہ واجب ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ خواتین پر واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے مردوں پر واجب ہے لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورتیں بھی پانچ روز تک یوم عرفہ (یعنی نویں ذی الحجہ) کی فجر سے ۱۳ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد یہ تکبیر کہیں البتہ مردوں پر تو بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور خواتین کو آہستہ آواز سے کہنا چاہیئے۔ لہٰذا خواتین کو بھی اسکی فکر کرنی چاہیئے اور خواتین کو یہ مسئلہ بتانا چاہیئے اور چونکہ خواتین کو اسکا پڑھنا یاد نہیں رہتا اسلئے میں کہا کرتا ہوں کہ خواتین جس جگہ نماز پڑھتی

ہیں وہاں یہ دعا رلکھکر لگائیں تاکہ انکو یہ تکبیر یاد آجائے اور سلام کے بعد کہہ لیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۹۰ شامی ج ۲ ص ۱۷۹)

قربانی دوسرے ایام میں نہیں ہوسکتی

اور پھر چوتھا اور سب سے افضل عمل جو اللہ تعالیٰ نے ایام ذی الحجہ میں مقرر فرمایا ہے وہ قربانی کا عمل ہے اور جیساکہ میں نے عرض کیا یہ عمل سال کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دیا جاسکتا صرف ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو انجام دیا جاسکتا ہے انکے علاوہ دوسرے اوقات میں آدمی چاہے کتنے جانور ذبح کرلے لیکن قربانی نہیں ہوسکتی۔

دین کی حقیقت حکم کی اتباع

لہذا حج اور قربانی جوان ایام کے بڑے اعمال ہیں انکے ذریعہ اللہ تبارک وتعالےٰ ہمیں دین کی حقیقت سمجھانا چاہتے ہیں کہ دین کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی عمل کی اپنی ذات میں کچھ نہیں رکھا نہ کسی جگہ میں کچھ رکھا ہے، نہ کسی عمل میں کسی وقت میں ان چیزوں میں جو فضیلت آتی ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے آتی ہے۔ اگر ہم کہدیں کہ فلاں کام کرو تو وہ اجروثواب کا کام بن جائیگا اور اگر ہم اس سے روک دیں تو پھر اسمیں کوئی اجروثواب نہیں۔ "میدان عرفات" کو لے لیجئے ۹ ذی الحجہ کے علاوہ سال کے ۳۵۹ دن وہاں گزاردیں ذرہ برابر بھی عبادت کا ثواب نہیں ملے گا۔ حالانکہ وہی میدان عرفات ہے وہی جبل رحمت ہے۔ اسواسطے کہ ہم نے عام دنوں میں وہاں وقوف کرنے کے لئے نہیں کہا۔ جب ہم نے کہاکہ ۹ ذی الحجہ کو آؤ تو اب ۹ ذی الحجہ کو آنا تو عبادت ہوگی اور ہماری طرف سے اجروثواب کے مستحق ہوگے۔ اصل بات

یہ ہے کہ نہ میدان عرفات میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس وقت میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس عمل میں کچھ رکھا ہے لیکن جب ہم کہدیں تو عمل میں بھی فضیلت پیدا ہو جاتی ہے اور جگہ میں بھی اور وقت میں بھی فضیلت پیدا ہو جاتی ہے۔

اب مسجد حرام سے کوچ کر جائیں آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی اتنی فضیلت رکھی ہے کہ ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کا اجر رکھتی ہے اور حج کے لئے جانے والے حضرات ہر نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل کرتے ہیں لیکن جب ۸ ذی الحجہ کی تاریخ آتی ہے تو اب اللہ تعالیٰ کیطرف سے حکم ہوا کہ مسجد حرام کو چھوڑو اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب جو ابتک مل رہا تھا اسکو ترک کرو اور اب منیٰ میں جاکر پڑاؤ ڈالو چنانچہ ۸ ذی الحجہ کی ظہر سے لیکر ۹ ذی الحجہ کی فجر تک کا وقت منیٰ میں گزارنے کا حکم دیدیا گیا اور ذرا یہ دیکھئے کہ اس وقت میں حاجی کا منیٰ کے اندر کوئی کام ہے؟ کچھ نہیں نہ اس میں جمرات کی رمی ہے، نہ اس میں وقوف ہے اور نہ کوئی اور عمل ہے بس صرف یہ کہ پانچ نمازیں وہاں پڑھو اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھو اس حکم کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ مسجد حرام کا جو ثواب ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے ہے اب جب ہم نے کہدیا کہ جنگل میں جاکر نماز پڑھو تو جنگل میں نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ مسجد حرام میں بھی نماز پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگا۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ منیٰ میں اس روز کوئی عمل تو کرنا نہیں ہے

چلو مکہ میں رہ کر یہ پانچ نمازیں مسجد حرام میں پڑھ لوں تو اس نماز سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تو کجا ایک نماز کا ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اسلئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا اور حج کے مناسک میں کمی کر دی۔

کسی عمل اور کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا

حج کی عبادت میں جگہ جگہ قدم قدم پر یہ بات نظر آتی ہے، ان بتوں کو توڑا گیا ہے جو انسان بعض اوقات اپنے سینوں میں بسا لیتا ہے۔ وہ یہ کہ اپنی ذات میں کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا، کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا، جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے جب ہم کسی چیز کا حکم دیں تو اس میں برکت اور اجر و ثواب ہے اور جب ہم کہیں کہ یہ کام نہ کرو تو اسوقت نہ کرنے میں اجر و ثواب ہے۔

عقل کہتی ہے کہ یہ دیوانگی ہے

حج کی پوری عبادت میں یہی فلسفہ نظر آتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ ایک پتھر منیٰ میں کھڑا ہے اور لاکھوں افراد اس پتھر کو کنکریاں مار رہے ہیں کوئی شخص اگر یہ پوچھے کہ اسکا مقصد کیا ہے؟ یہ تو دیوانگی ہے کہ ایک پتھر پر کنکر برسائے جا رہے ہیں اس پتھر نے کیا قصور کیا ہے؟ لیکن چونکہ ہم نے کہہ دیا کہ یہ کام کرو اس کے بعد اسمیں حکمت مصلحت اور عقلی دلائل تلاش کرنے کا مقام نہیں بس اب اس پر عمل ہی میں اجر و ثواب ہے اس دیوانگی ہی میں لطف بھی ہے اور اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے۔

حج کی عبادت میں قدم قدم پر یہ سکھایا جا رہا ہے کہ تم نے

پنی عقل کے سانچے میں جو چیزیں بٹھا رکھی ہیں اور سینے میں جو بت بسا رکھے ہیں انکو توڑو اور اس بات کا ادراک پیدا کرو کہ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے

قربانی کیا سبق دیتی ہے

یہی چیز تو قربانی میں ہے قربانی کی عبادت کا سارا فلسفہ یہی ہے اسلئے کہ قربانی کے معنی ہیں " اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی چیز" اور یہ لفظ قربانی " قربان " سے نکلا ہے اور لفظ قربان " قرب " سے نکلا ہے تو قربانی کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے۔ اس قربانی کے سارے عمل میں یہ سکھایا گیا ہے کہ ہمارے حکم کی اتباع کا نام دین ہے۔ جب ہمارا حکم آجائے تو اس میں عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع ہے نہ اس میں حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع باقی رہتا ہے اور نہ اس میں چوں و چرا کرنے کا موقع ہے ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے حکم آجائے تو اپنا سر جھکا دے اور اسکے حکم کا اتباع کرے۔

بیٹے کو ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حکم آگیا کہ بیٹے کو ذبح کردو اور وہ حکم بھی خواب کے ذریعہ سے آیا اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وحی کے ذریعہ سے حکم نازل فرما دیتے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کردو لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ بلکہ خواب میں آپکو دکھایا گیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں اگر ہمارے جیسا تاویل کرنے والا کوئی شخص ہوتا تو یہ کہہ دیتا کہ یہ تو خواب کی بات ہے اس پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے مگر یہ بھی

حقیقت میں ایک امتحان تھا کہ چونکہ جب انبیاء علیہ السلام کا خواب ایک وحی ہوتا ہے تو کیا وہ اس وحی پر عمل کرتے یا نہیں اسلئے آپ کو یہ عمل خواب میں دکھایا گیا اور جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کردو تو آپ نے پلٹ کر اللہ تعالےٰ سے یہ نہیں پوچھا کہ یا اللہ! یہ حکم آخر کیوں دیا جارہا ہے اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ دنیا کا کوئی قانون اور کوئی نظام زندگی اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرے، عقل کی کسی میزان پر اس حکم کو اتار کر دیکھئے تو کسی میزان پر یہ پورا اترتا نظر نہیں آتا۔

جیسا باپ ویسا بیٹا

تو آپ نے اللہ تعالےٰ سے اسکی مصلحت نہیں پوچھی البتہ بیٹے سے امتحان اور آزمائش کرنے کے لئے سوال کیا کہ

یَا بُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی

(سورۃ الصافات ۱۰۲)

اے بیٹے میں نے تو خواب میں دیکھا ہے کہ تمھیں ذبح کر رہا ہوں اب بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے؟ انکی رائے اسلئے نہیں پوچھی کہ اگر انکی رائے نہیں ہوگی تو انکو ذبح نہیں کروں گا بلکہ انکی رائے اسلئے پوچھی کہ بیٹے کو آزمائیں کہ بیٹا کتنے پانی میں ہے اور اللہ تعالےٰ کے حکم کے بارے میں اسکا تصور کیا ہے؟ وہ بیٹا بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا تھا، وہ بیٹا جنکے صلب سے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے والے تھے۔ اس بیٹے نے بھی پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ ابا جان مجھ سے کیا جرم سرزد ہوا ہے، میرا آخر قصور کیا ہے کہ مجھے موت کے گھاٹ

اتارا جا رہا ہے اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ بلکہ بیٹے کی زبان پر ایک ہی جواب تھا کہ

يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ

ابا جان! آپ کے پاس جو حکم آیا ہے اسکو کر گزریئے اور جہاں تک میرا معاملہ ہے تو آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں آہ و بکا نہیں کروں گا میں روؤں گا اور چلاؤں گا نہیں اور آپ کو اس کام سے نہیں روکوں گا۔ آپ کر گزریئے۔

چلتی چھری رک نہ جائے

جب باپ بھی ایسا اولوالعزم اور بیٹا بھی اولوالعزم، دونوں اس حکم پر تیار ہو گئے، اور باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹا دیا اسوقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ابا جان! آپ مجھے پیشانی کے بل لٹائیں اسلئے کہ اگر سیدھا لٹائیں گے تو میری صورت سامنے ہوگی جسکی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپکے دل میں بیٹے کی محبت کا جوش آ جائے اور آپ چھری نہ چلا سکیں اللہ تعالیٰ کو یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اداؤں کا ذکر قرآن کریم میں بھی فرمایا چنانچہ فرمایا کہ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ قرآن کریم نے بڑا عجیب و غریب لفظ استعمال کیا ہے فرمایا" فَلَمَّا أَسْلَمَا " جب باپ اور بیٹے دونوں جھک گئے۔ اور اسکا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب باپ اور بیٹے دونوں اسلام لے آئے، اسلام کے معنی ہیں اللہ کے حکم کے آگے جھک جانا اور اسی سے اس طرف اشارہ کیا کہ اصل اسلام یہ ہے کہ حکم کیسا بھی آ جائے اور اس کی وجہ سے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں اور وہ حکم عقل کے کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ معلوم ہو اور اسکی وجہ سے جان و مال اللہ عزت و آبرو کی کتنی قربانی کیوں نہ دینی پڑے بس انسان کا کام تھا ہے

اللہ کے اس حکم کے آگے اپنے آپ کو جھکا دے۔ یہ ہے حقیقت
اسلام، اسلئے فرمایا کہ جب دونوں اسلام لے آئے اور اللہ
کے حکم کے آگے جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا
یا اور قرآن کریم نے لٹانے کے وصف کو خاص زور دیکر بیان کیا
ہے، اور اس طرح اسلئے لٹایا کہ بیٹے کی صورت سامنے ہونے کی
وجہ سے کہیں چلتی ہوئی چھری رک نہ جائے اسلئے پیشانی کے بل
لٹایا۔ روایتوں میں آتا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے
بیٹے کو لٹانے لگے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ابا جان!
آپ مجھے ذبح تو کر رہے ہیں ایک کام یہ کرلیجئے کہ میرے کپڑے
اچھی طرح سمیٹ لیجئے، اسلئے کہ جب میں ذبح ہونگا تو فطری طور
پر تڑپوں گا اور تڑپنے کے نتیجے میں ہو سکتا ہے کہ خون کے چھینٹے
ادھر بکھر جائیں اور پھر میری والدہ جب میرے کپڑوں کو دیکھیں گی
تو انکو بہت ملال ہوگا اسلئے آپ میرے کپڑوں کو اچھی طرح سمیٹ لیں

قدرت کا تماشا دیکھئے

پھر کیا ہوا جب ان دونوں نے اپنے حصہ کا کام پورا کردیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے
ہیں کہ جب ان بندوں نے اپنے حصہ کا کام کرلیا تو اب مجھے
اپنے حصہ کا کام کرنا ہے چنانچہ فرمایا کہ وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ
قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اے ابراہیم تم نے اس خواب کو سچا
کر دکھایا اب ہماری قدرت کا تماشا دیکھو چنانچہ جب آنکھیں
کھولیں تو دیکھا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ایک جگہ بیٹھے مسکرا رہے
ہیں اور وہاں ایک دنبہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے

اللہ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے

یہ پورا واقعہ جو درحقیقت قربانی
کے عمل کی بنیاد ہے روز اول

سے یہ بتا رہا ہے کہ قربانی اسلئے مشروع کی گئی ہے تاکہ انسانوں کے دل میں یہ احساس یہ علم اور یہ معرفت پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے اور دین درحقیقت اتباع کا نام ہے اور جب حکم آجائے تو پھر عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع نہیں حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقلی حکمت تلاش نہیں کی

آج ہمارے معاشرے میں جو گمراہی پھیلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت تلاش کرو کہ اسکی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ اور اسکا عقلی فائدہ کیا ہے؟ اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر عقلی فائدہ نظر آئے تو کریں گے اور اگر فائدہ نظر نہیں آئے گا تو نہیں کریں گے۔ یہ کوئی دین ہے؟ کیا اسکا نام اتباع ہے؟ اتباع تو وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کرکے دکھایا اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے کرکے دکھایا اور اللہ تعالیٰ کو انکا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کیلئے جاری کردیا، چنانچہ فرمایا کہ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (سورۃ الصافات ۱۰۴، ۱۰۵) یعنی ہم نے آنے والے مسلمانوں کو اس عمل کی نقل اتارنے کا پابند کردیا۔ یہ جو ہم قربانی کرنے جا رہے ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اس عظیم الشان قربانی کی نقل اتارنی ہے اور نقل اتارنے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جیسے اللہ کے حکم کے آگے انھوں نے سر تسلیم خم کیا، انھوں نے کوئی عقلی دلیل نہیں مانگی اور کوئی حکمت اور مصلحت طلب نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا، اب ہمیں بھی اپنی

زندگی کو اسکے مطابق ڈھالنا ہے اور قربانی کی عبادت سے یہی سبق دینا منظور ہے

کیا قربانی معاشی تباہی کا ذریعہ ہے

جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قربانی واجب فرمائی تھی آج اسی کے بر خلاف کہنے والے کہہ رہے ہیں کہ صاحب! قربانی کیا ہے؟ یہ قربانی (معاذ اللہ) خوامخواہ رکھدی گئی ہے لاکھوں روپیہ خون کی شکل میں نالیوں میں بہہ جاتا ہے اور معاشی اعتبار سے نقصان دہ ہے، کتنے جانور کم ہو جاتے ہیں، اور فلاں فلاں معاشی نقصان ہوتے ہیں وغیرہ لہذا قربانی کرنے کے بجائے یہ کرنا چاہیئے کہ وہ لوگ جو غریب ہیں جو بھوک سے بلبلا رہے ہیں تو قربانی کر کے گوشت تقسیم کرنے کے بجائے اگر وہ روپیہ اس غریب کو دیدیا جائے تو اسکی ضرورت پوری ہو جائے یہ پروپیگنڈہ اتنی کثرت سے کیا جارہا ہے کہ پہلے زمانہ میں تو صرف ایک مخصوص حلقہ تھا جو یہ باتیں کہتا تھا لیکن اب تو حالت ہو گئی ہے کہ شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو جسمیں کم از کم دو چار افراد یہ بات نہ پوچھ لیتے ہوں کہ ہمارے عزیزوں میں بہت سے لوگ غریب ہیں لہذا اگر ہم لوگ قربانی نہ کریں اور وہ رقم انکو دیدیں تو اسمیں کیا حرج ہے؟

قربانی کی اصل روح

بات دراصل یہ ہے کہ ہر عبادت کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ سوچے کہ میں نماز نہ پڑھوں اور اسکے بجائے غریب کی مدد کردوں تو اس نماز کا فریضہ ادا نہیں ہو سکتا غریب کی مدد کرنے کا اجر و ثواب اپنی جگہ ہے لیکن جو دوسرے فرائض ہیں وہ اپنی جگہ فرض و واجب ہیں اور قربانی کے خلاف یہ جو

یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہے اور یہ معاشی بدحالی کا سبب ہے اور معاشی اعتبار سے اسکا کوئی جواز نہیں ہے یہ درحقیقت قربانی کے سارے فلسفے اور اسکی روح کی نفی ہے، ارے بھائی! قربانی تو مشروع ہی اسی لئے کی گئی ہے کہ یہ کام تمھاری سمجھ اور عقل میں آرہا ہو یا نہ آرہا ہو پھر بھی یہ کام کرو اسلئے کہ ہم نے اسکے کرنے کا حکم دیا ہے ہم جو کہیں اس پر عمل کرکے دکھاؤ یہ قربانی کی اصل روح ہے۔ یاد رکھو! جب تک انسان کے اندر اتباع پیدا نہیں ہو جاتی اسوقت تک انسان انسان نہیں بن سکتا جتنی بدعنوانیاں، جتنے مظالم، جتنی تباہ کاریاں آج انسانوں کے اندر پھیلی ہوئی ہیں وہ درحقیقت اسی بنیاد کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہے کہ انسان اپنی عقل کے پیچھے چلتا ہے اللہ کے حکم کی اتباع کی طرف نہیں جاتا۔

تین دن کے بعد قربانی عبادت نہیں

اور عبادات کے اندر یہ ہے کہ وہ نفلی طور پر جس وقت چاہیں ادا کریں لیکن قربانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھا دیا کہ گلے پر چھری پھیرنا یہ صرف تین دن تک عبادت ہے اور تین کے بعد اگر قربانی کروگے تو کوئی عبادت نہیں، کیوں؟ یہ بتانے کیلئے کہ اس عمل میں کچھ نہیں رکھا بلکہ جب ہم نے کہدیا کہ قربانی کرو اس وقت عبادت ہے اور اس کے علاوہ عبادت نہیں ہے۔ اگر یہ نکتہ ہماری سمجھ میں آجائے تو سارے دین کی صحیح فہم حاصل ہوجائے۔ دین کا سارا نکتہ اور محور یہ ہے کہ دین اتباع کا نام ہے جس چیز میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آگیا اسکو مانو اور اسپر عمل کرو اور جہاں حکم نہیں آیا ہے اس میں کچھ نہیں ہے۔

سنت اور بدعت میں فرق بدعت اور سنت کے درمیان کلی یہی امتیاز اور فرق ہے کہ سنت باعث اجر و ثواب ہے اور بدعت کی اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب اگر ہم نے تیجہ کرلیا، دسواں کرلیا، چالیسواں کرلیا تو ہم نے کونسا گناہ کا کام کرلیا؟ بلکہ یہ ہوا کہ لوگ جمع ہوئے انھوں نے قرآن شریف پڑھا اور قرآن پڑھنا تو بڑی عبادت کی بات ہے اور اس میں کیا خرابی کی بات ہوئی؟ ارے بھائی اس میں خرابی یہ ہوئی کہ قرآن شریف اپنی طرف سے پڑھا اور اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقہ سے نہیں پڑھا۔ قرآن شریف اس وقت پڑھنا باعث اجر و ثواب ہے جب وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو اگر اسکے خلاف ہو تو اس میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔

مغرب کی چار رکعت پڑھنا گناہ کیوں ہے؟ میں اسکی مثال دیا کرتا ہوں کہ مغرب کی تین رکعت پڑھنا فرض ہے اب ایک شخص کہے کہ "معاذ اللہ" یہ تین کا عدد کچھ بے تکا سا ہے چار رکعت پوری کیوں نہ پڑھیں۔ اب وہ شخص تین رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھتا ہے۔ بتائیے اس نے کیا گناہ کیا؟ ——— کیا اس نے شراب پی لی؟ کیا چوری کرلی یا ڈاکہ ڈالا؟ یا کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلیا؟ صرف اتنا ہی تو کیا کہ ایک رکعت زیادہ پڑھ لی جس میں قرآن کریم زیادہ پڑھا، ایک رکوع زیادہ کیا اور دو سجدے زیادہ کیے اور اللہ کا نام لیا، اب اس میں کیا

گناہ کرلیا؟ لیکن ہوگا یہ کہ چوتھی رکعت جو اس نے زیادہ پڑھی
نہ صرف یہ کہ زیادہ اجر وثواب کا موجب نہیں ہوگی بلکہ اُن
پہلی تین رکعتوں کو بھی لے ڈوبے گی اور انکو بھی خراب کردیگی
کیوں؟ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے
طریقے کے مطابق نہیں ہے سنت اور بدعت میں یہی فرق ہے
کہ جو طریقہ بتایا ہوا ہے وہ سنت ہے اور جو بتایا ہوا طریقہ نہیں ہے
بلکہ اپنی طرف سے گڑھا ہوا ہے اور دیکھنے میں بہت اچھا
معلوم ہوتا ہے لیکن اسکا کوئی فائدہ کوئی اجر و ثواب نہیں۔

سنت اور بدعت کی دلچسپ مثال

میرے والد صاحب قدس اللہ سرہٗ کے پاس
ایک بزرگ حضرت عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ دعا جو
تشریف لایا کرتے تھے تبلیغی جماعت کے مشہور اکابر میں سے
تھے اور بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے، ایک دن آکر انھوں
نے والد صاحب سے عجیب خواب بیان کیا انھوں نے خواب
میں میرے والد ماجد کو دیکھا کہ آپ ایک بلیک بورڈ کے پاس کھڑے
ہیں اور کچھ لوگ آپکے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ انکو کچھ پڑھا رہے ہیں
حضرت والد صاحب نے بلیک بورڈ پر چاک سے ایک کا ہندسہ (۱)
بنایا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ہے
اسکے بعد آپنے اس ایک کے ہندسہ کے دائیں طرف (۱۰) ایک نقطہ
بنا دیا، لوگوں سے پوچھا کہ اب کیا ہوگیا لوگوں نے جواب دیا کہ یہ دس
(۱۰) ہوگیا اور پھر ایک نقطہ اور لگا دیا اور پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟
لوگوں نے کہا کہ اب یہ سو (۱۰۰) ہوگیا پھر ایک نقطہ اور لگا دیا اور
پوچھا کہ اب کیا ہوگیا لوگوں نے بتایا کہ ایک ہزار (۱۰۰۰) ہوگیا۔ پھر فرمایا

ہیں جتنے نقطے لگاتا جارہا ہوں یہ دس گنا بڑھتا جارہا ہے پھر انھوں نے وہ سارے نقطے مٹادیئے اوراب دوبارہ وہی نقطہ اس ایک کے ہندسہ کے بائیں طرف (۰۱) لگایا پھر لوگوں سے پوچھا یہ کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ اعشاریہ ایک ہوگیا یعنی ایک کا دسواں حصہ اور پھر ایک نقطہ اور لگادیا (۰۰۱) اور پوچھا کہ اب کیا ہوگیا لوگوں نے بتایا کہ اب یہ اعشاریہ صفر ایک ہوگیا۔ یعنی ایک کا سواں حصہ، پھر ایک نقطہ اور لگاکر (۰۰۰۱) پوچھا اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب یہ اعشاریہ صفر صفر ایک یعنی ایک کا ہزارواں حصہ بن گیا۔ پھر فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف کے نقطے اس عدد کو دس گنا کم کر رہے ہیں، پھر فرمایا کہ دائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں یہ سنت ہیں اور بائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں وہ بدعت ہیں۔ بظاہر دونوں نقطے ایک جیسے ہیں لیکن جب دائیں طرف لگایا جارہا ہے تو وہ سنت ہے اسلئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے اور جو بائیں طرف لگائے جارہے ہیں تو وہ اجر و ثواب کا موجب ہونے کے بجائے اور زیادہ اسکو گھٹا رہے ہیں اور انسان کے عمل کو ضائع کر رہے ہیں۔ پس سنت اور بدعت میں یہ فرق ہے۔

بھائی! دین سارا کا سارا اتباع کا نام ہے جس وقت ہم نے جو کام کہدیا اس وقت اگر کروگے تو باعثِ ثواب و اجر ہوگا اور اگر اس سے ہٹ کر اپنے دماغ سے سوچکر کروگے تو اس میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نماز تہجد پڑھنا ہمارے حضرت والا

رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آگئی۔ مشہور واقعہ ہے آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رات کے وقت صحابہؓ کرام کو دیکھنے کے لئے باہر نکلا کرتے تھے ایک مرتبہ جب آپ نکلے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ تہجد کی نماز میں بہت آہستہ آہستہ آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں اور جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زور زور سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں، اسکے بعد آپ واپس گھر تشریف لے آئے۔ صبح فجر کی نماز کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ رات کو ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں بہت آہستہ آہستہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے اتنی آہستہ آواز میں کیوں کر رہے تھے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ یا رسول اللہ! اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ میں جس سے مناجات کر رہا تھا اس کو سنا دیا اسلئے مجھے آواز زیادہ بلند کرنے کی ضرورت نہیں جس ذات کو سنانا مقصود تھا اس نے سن لیا اسکے لئے بلند آواز کی شرط نہیں۔ اسکے بعد آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اتنی زور سے کیوں پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ میں اسلئے زور سے پڑھ رہا تھا تاکہ جو سونے والے ہیں ان کو جگاؤں اور شیطان کو بھگاؤں۔ پھر آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اِرْفَعْ قَلِيْلًا تم ذرا بلند آواز سے پڑھا کرو اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا اِخْفِضْ قَلِيْلًا

تم اپنی آواز کو تھوڑا سا کم کردو

(ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب رفع الصوت بالقرأۃ فی صلوٰۃ اللیل حدیث نمبر ۱۳۲۹)

اعتدال مطلوب ہے

بہرحال یہ مشہور واقعہ ہے جو احادیث میں منقول ہے اور اسکی تشریح میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اعتدال کی تعلیم دی کہ نہ بہت زیادہ اونچی آواز سے پڑھو اور نہ بہت زیادہ پست آواز سے پڑھو اور یہ قرآن کریم کے ارشاد کے بھی مطابق ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے کہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا کہ نماز میں نہ بہت زیادہ زور سے پڑھو اور نہ بہت زیادہ آہستہ پڑھو بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ پڑھو۔

اپنی تجویز فنا کردو

لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہٗ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اس حدیث کی عجیب توجیہ ارشاد فرمائی ہے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں جو بات ارشاد فرمائی تھی کہ "میں جس کو سنا رہا ہوں اس نے سن لیا زیادہ زور سے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے" تو یہ بات غلط نہیں تھی اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ طبعی طور پر چونکہ تیز آواز والے تھے اسلئے نماز میں اگر انکی آواز بلند ہوگئی تو کوئی ناجائز بات نہیں تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک تم دونوں اپنی مرضی اور اور اپنی رائے سے پڑھ رہے تھے اب ہمارے کہنے

کے مطابق پڑھو اور اب ہماری تجویز کے مطابق پڑھو تو پہلے جس طریقے سے پڑھ رہے تھے وہ چونکہ اپنی تجویز اور اپنی مرضی کے مطابق تھا اس میں اتنی نورانیت اور اتنی برکت نہیں تھی اب ہماری تجویز کے مطابق جب پڑھو گے تو اس میں نورانیت اور برکت ہوگی۔

پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہیئے

یہ ہے سارے دین کا خلاصہ کہ اپنی تجویز کو دخل نہ ہو جو کوئی عمل ہو وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے تو ساری بدعتوں کی جڑ کٹ جائے اور اسی حقیقت کو سکھانے کے لئے قربانی مشروع کی گئی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں ہر چیز ایک غفلت اور بے توجہی کے عالم میں گزر جاتی ہے۔ قربانی کرتے وقت ذرا سا اس حقیقت کو تازہ کیا جائے کہ یہ قربانی درحقیقت یہ سبق سکھا رہی ہے کہ ہماری پوری زندگی اللہ جل جلالہ کے حکم کے تابع ہونی چاہیئے اور پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہیئے۔ چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکانا چاہیئے۔ بس اس قربانی کا سارا فلسفہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس فلسفے کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اسکی برکات عطا فرمائے۔ آمین۔

قربانی کی فضیلت

حدیث شریف میں یہ جو آتا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی راہ میں جانور قربان

کرتا ہے اس قربانی کے نتیجہ میں یہ ہوگا کہ اس جانور کے جسم پر جتنے بال ہیں ایک ایک بال کے عوض ایک ایک گناہ معاف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ان تین دنوں میں کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے جتنا زیادہ قربانی کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا۔ اور فرمایا کہ جب تم قربانی کرتے ہو تو جانور کا خون ابھی زمین پر نہیں گرتا اس سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہونچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب کا ذریعہ بن جاتا ہے یہ سب اسلئے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ میرا بندہ یہ دیکھے بغیر کہ یہ بات عقل میں آرہی ہے یا نہیں، اور یہ دیکھے بغیر کہ اسکے مال کا فائدہ ہورہا ہے یا نقصان ہورہا ہے صرف میرے حکم پر جانور کے گلے پر چھری پھیر رہا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسکا یہ عظیم اجر رکھا ہے۔

ایک دیہاتی کا قصہ

بزرگوں نے فرمایا کہ پہلے زمانے میں ایک قاعدہ تھا کہ جب کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں جاتے تو کوئی ہدیہ یا تحفہ بطور نذرانہ ساتھ لے جاتے اور درحقیقت اس بادشاہ کو تمھارے نذرانے کی ضرورت نہیں لیکن اس نذرانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ اس نذرانے کو قبول کرلے گا تو اسکی خوشنودی حاصل ہوجائیگی اور اسکے نتیجہ میں اور کچھ حاصل ہوگا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک واقعہ لکھا ہے کہ بغداد کے قریب ایک گاؤں تھا اس گاؤں میں ایک دیہاتی رہتا تھا اس دیہاتی نے ارادہ

کیا کہ میں بغداد جاکر بادشاہ اور امیرالمومنین سے ملاقات کروں اور وہ آجکل کے بادشاہ کی طرح نہیں ہوتے تھے کہ چھوٹی سی ریاست لیکر بیٹھ گئے اور بادشاہ بنگئے بلکہ اس وقت بغداد کے خلیفہ کی آدھی دنیا سے زیادہ پر حکومت تھی، بہرحال جاتے وقت اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ میں بادشاہ کے دربار میں جارہا ہوں تو انکے لئے کوئی تحفہ اور نذرانہ بھی لیکر جانا چاہیئے اب کیا تحفہ لیکر جاؤں جو بادشاہ کے لائق ہو اور بادشاہ اسکو دیکھکر خوش ہوجائے وہ چھوٹے سے گاؤں میں رہنے والے دیہاتی لوگ تھے دنیا کی خبر بھی نہیں تھی اسلئے بیوی نے مشورہ دیا کہ ہمارے گھر کے مٹکے میں جو پانی ہے وہ نہر کا ٹھنڈا صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے ایسا پانی بادشاہ کو کہاں میسر آتا ہوگا لہٰذا یہ پانی لے جاؤ۔ اس دیہاتی کی عقل میں بیوی کی بات آگئی اور اب اس نے وہ پانی کا گھڑا سرپر اٹھایا اور بغداد کی طرف چل دیا۔ آج کی طرح ریل یا ہوائی جہاز کا سفر تو تھا نہیں پیدل یا اونٹوں پر سفر ہوتا تھا وہ دیہاتی پیدل ہی روانہ ہوا اب راستے میں ہوا چل رہی ہے مٹی اڑ اڑ کے گھڑے کے اوپر جم رہی ہے اور بغداد پہونچتے پہونچتے مٹی کی تہ جم گئی جب بادشاہ کے دربار میں حاضری ہوئی تو عرض کیا کہ حضور میں آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لیکر آیا ہوں، بادشاہ نے پوچھا کیا تحفہ لائے ہو؟ اس دیہاتی نے وہ مٹکا پیش کر دیا اور کہا کہ یہ میرے گاؤں کے کنوئیں کا صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے میں نے یہ سوچا کہ اتنا

اچھا پانی آپ کو کہاں میسر آتا ہوگا اسلئے میں یہ آپ کے لئے لایا ہوں، یہ آپ کے لئے نذرانہ ہے آپ قبول فرمالیں۔

بادشاہ نے کہا کہ اس مٹکے کا ڈھکن کھولو جب اس دیہاتی نے ڈھکن کھولا تو پورے کمرے میں بدبو پھیل گئی اسلئے کہ اسکو بند کئے ہوئے کئی دن گزر گئے تھے اور اس کے اوپر مٹی کی تہ جمی ہوئی تھی۔ بادشاہ نے یہ سوچا کہ یہ بیچارہ ایک دیہاتی آدمی ہے اور اپنی سوچ اور اپنی سمجھ کے مطابق ہدیہ پیش کرکے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کر رہا ہے اسلئے اسکا دل نہیں توڑنا چاہیئے چنانچہ اس گھڑے کو بند کرا دیا اور اس دیہاتی سے کہا کہ تم ماشاء اللہ بہت اچھا تحفہ لائے ہو واقعی ایسا پانی مجھے کہاں میسر آسکتا ہے اس پانی کی بڑی تعریف کی اور پھر حکم جاری کر دیا کہ اسکے عوض ایک گھڑا اشرفیوں سے بھر کر اسکو دے دو چنانچہ وہ دیہاتی بہت خوش ہوا کہ میرا تحفہ بادشاہ کے دربار میں قبول ہوگیا اور اشرفیوں کا بھرا ہوا ایک گھڑا مل گیا جب وہ دیہاتی واپس جانے لگا تو بادشاہ اپنے ایک نوکر سے کہا اسکو دریائے دجلہ کے کنارے سے واپس لیجانا۔ اب وہ دیہاتی بڑا خوش خوش واپس جا رہا تھا ۔۔۔

بادشاہ کا نوکر اس کے ساتھ تھا جب دریائے دجلہ راستہ میں آیا تو اس دیہاتی نے دجلہ کو دیکھکر نوکر سے پوچھا کہ یہ کیا ہے نوکر نے کہا کہ یہ دریا ہے اور اسکا پانی پی کر دیکھو۔ اب جب اس دیہاتی نے دجلہ کا پانی پیا تو دیکھا کہ وہ تو انتہائی صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے اب اس دیہاتی کو خیال آیا کہ یا اللہ! میں

بادشاہ کے لئے کس قسم کا پانی لے گیا تھا، اسکے محل کے اندر تو کتنے صاف شفاف اور اعلیٰ درجہ کا پانی بہہ رہا ہے اسکو تو پانی کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس نے تو بڑی کرم نوازی کی کہ میری خاطر اس گھڑے کو قبول کرلیا ورنہ میں تو اس لائق تھا کہ اس ہدیہ دینے پر مجھے سزا دیجاتی کہ تو ایسا سڑا ہوا گندہ پانی لیکر آیا ہے لیکن اس بادشاہ کی کرم نوازی کا کیا ٹھکانا ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ مجھے سزا نہیں دی بلکہ میرے گھڑے کو قبول بھی کرلیا اور اسکے بدلے میں مجھے ایک اشرفیوں سے بھرا ہوا گھڑا دے دیا۔

ہماری عبادات کی حقیقت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور جو عبادتیں کرتے ہیں وہ اس پانی کے گھڑے کی طرح ہیں جس میں گندہ پانی بھرا ہوا ہے، گرد و غبار اور مٹی سے اٹا ہوا ہے اسکا تقاضا تو یہ تھا کہ ہماری عبادتیں ہمارے منہ پر ماردی جائیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ بجائے لوٹانے کے اسکو قبول فرمالیتے ہیں اور اب پر اور زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ یہ میرا بندہ ہے جو اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کرسکتا اور اس سے بہتر عبادت انجام نہیں دے سکتا چونکہ اخلاص کے ساتھ لایا ہے اسلئے اسکی عبادت قبول کرلو، چنانچہ اللہ تعالیٰ اسکی عبادت قبول فرمالیتے ہیں۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مثال دی ہے وہ ہماری تمام عبادات اور اطاعات پر پوری طرح صادق آتی ہے کہ ہماری عبادات درحقیقت دیہاتی کے پانی کے مٹکے کی طرح ہیں۔

تم اسکے زیادہ محتاج ہو

اور اگر بالفرض تم بادشاہ کے دربار میں بہت اچھی اور قیمتی چیز مثلاً ہیرے جواہرات بطور ہدیہ اور نذرانہ لیکر گئے تو پہلے زمانے کے بادشاہوں کا دستور یہ تھا کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں اعلیٰ درجہ کا تحفہ لیکر جاتا تو وہ بادشاہ اس پر اپنا ہاتھ رکھدیتا تھا اور ہاتھ رکھنا اس بات کی علامت تھی کہ تمھارا یہ ہدیہ اور تحفہ قبول ہے اور پھر وہ تحفہ اس دینے والے کو واپس کر دیا جاتا تھا اسلئے کہ ہم سے زیادہ تم اس تحفہ کے محتاج اور ضرورت مند ہو لہٰذا تم ہی اسکو رکھ لو۔

ہمیں دلوں کا تقویٰ چاہیئے

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اللہ تعالےٰ کے حضور جو قربانی پیش کرتے ہیں یہ ایک ایسا نذرانہ ہے کہ ادھر اس نے اللہ کے لیئے قربانی اور نذرانہ پیش کرتے ہوئے جانور کے گلے پر چھری پھیری ادھر قربانی کی عبادت ادا ہوگئی اور اللہ تعالےٰ نے وہ نذرانہ قبول کر لیا اور گویا کہ اللہ تعالےٰ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھدیا اور اب وہ جانور بھی پورا کا پورا تمھارا ہے اور فرمادیا کہ یہ جانور لیجا کر کھاؤ اسکا گوشت

تمہارا ہے، اسکی کھال تمہاری ہے، اس جانور کی
ہر چیز تمہاری ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
اکرام دیکھئے کہ نذرانہ مانگا جارہا ہے لیکن جب
بندہ نے خون بہا دیا اور نذرانہ پیش کردیا۔۔۔۔
اور ہمارے حکم کی تعمیل کرلی تو بس کافی ہے ہمیں تنا ہی
چاہئے تھا چنانچہ فرمایا کہ

لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔

ہمیں تو اسکا گوشت نہیں چاہیئے ہمیں اسکا خون نہیں چاہیئے
ہمیں تو تمہارے دل کا تقوی چاہیئے۔ جب تم نے اپنے
دل کے تقوی سے یہ قربانی پیش کردی وہ ہمارے
یہاں قبول ہوگئی اب اسکو تم ہی کھاؤ چنانچہ اگر
کوئی شخص قربانی کا سارا گوشت خود کھالے اس پر
کوئی گناہ نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ تین حصے کرے
ایک حصہ خود کھائے، ایک حصہ عزیزوں میں تقسیم کرے
اور ایک حصہ غرباء میں خیرات کرے لیکن اگر ایک بوٹی
بھی خیرات نہ کرے تب بھی قربانی کے ثواب میں کوئی کمی
نہیں آتی اسلئے کہ قربانی تو اس وقت مکمل ہوگئی جس وقت
جانور کے گلے پر چھری پھیر دی جب میرے بندے نے میرے
حکم پر عمل کرلیا تو بس قربانی کی فضیلت اسکو حاصل ہوگئی۔

کیا یہ پل صراط کی سواریاں ہونگی لوگوں میں یہ بات بہت
کثرت سے کہی جاتی ہے
کہ یہ قربانی کے جانور پل صراط پر سے گزرنے کے لئے سواریاں
بنیں گے اور قربانی کرنے والے اسکے اوپر بیٹھکر گزریں گے

یہ ایک کمزور اور ضعیف روایت ہے جس کے الفاظ یہ آئے ہیں :-

سَمِّنُوْا ضَحَایَاکُمْ فَاِنَّھَا عَلَی الصِّرَاطِ مَطَایَاکُمْ

"یعنی اپنی قربانی کے جانوروں کو موٹا تازہ بناؤ کیونکہ پل صراط پر یہ تمھاری سواریاں بنیں گی" لیکن یہ انتہا درجہ کی ضعیف حدیث ہے اور ضعیف حدیث کو اسکے ضعف کی صراحت کے بغیر بیان کرنا جائز نہیں ہوتا اس لئے اس حدیث پر زیادہ اعتقاد رکھنا درست نہیں اس لئے کہ یہ ضعیف حدیث ہے لیکن لوگوں میں یہ حدیث اتنی مشہور ہوگئی ہے کہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر اسکا اعتقاد نہ رکھا تو قربانی ہی نہ ہوگی۔ ہم اس حکم کی نہ نفی کرتے ہیں اور نہ اثبات کرتے ہیں اسکا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ البتہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے کہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ قربانی قبول ہو جاتی ہے

سپردم بتو مایۂ خویش را

بہرحال یہ سب اسلئے کرایا جارہا ہے تاکہ دل میں اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے آگے سر جھکانے کا جذبہ پیدا ہو جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ (سورۃ الاحزاب : ۳۶)

جب اللہ یا اللہ کا رسول کسی مومن مرد یا مومن عورت
کے لئے کوئی فیصلہ کر دیں تو اسکے بعد اسکے پاس
کوئی اختیار نہیں رہتا ہے

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

(میں نے اپنا کل سرمایہ آپ کے قدموں میں ڈال دیا - اب
کمی اور بیشی کا حساب آپ ہی جانیں)

تو دین کی ساری حقیقت یہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت
سے اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے
اور اسکی اجر و فضیلت عطا فرمائے اور اسکے اندر
جتنے انوار و برکات ہیں اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے
وہ سب ہمیں عطا فرمائے اور اپنی زندگی میں اس
سبق کو یاد رکھنے اور اسکے مطابق اپنی زندگی گزارنے
کی توفیق عطا فرمائے - آمین - و آخر دعوانا ان
الحمد للہ رب العلمین -

خبریں

(ہمارے محترم قارئین اخلاق و تصوف کے اس خالص رسالہ میں اس نئے عنوان اور صفحات پر مشتمل خبروں کے اس جدید اضافہ سے ضرور چونکیں گے مگر ڈاکخانہ کی بعض آئینی پابندیوں کی بنا پر ہمیں مجبوراً ایسا کرنا پڑا)

● (قاہرہ) "ہیریٹج سینٹر" قاہرہ یونیورسٹی کے سائنسدان مستقل عمومی افادہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی خطوط کو انٹرنیٹ پر پیش کریں گے یہ خطوط وقت کے مختلف فرمانرواؤں قیصر شاہ روم، خسرو شاہ فارس، نجاشی شاہ حبشہ اور شہنشاہ مصر کے نام لکھے گئے ہیں۔ ان مبارک خطوط میں اسلام کا پیغام اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

سینٹر کے ڈائریکٹر حمید عبدالرحیم کے حوالہ سے پی، ٹی آئی نے بتایا کہ اسلام ابتدا ہی سے ایک طاقتور مذہب تھا اور (انشاء اللہ) ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔

اصل خطوط پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر مبارک بھی لگی ہوئی ہے۔

(اسلامک وائس)

● جنوبی فلپائن میں جہاں سب سے بڑے اسلامی گروپ نے شرعی عدالتیں قائم کی ہیں مسیحی لوگ اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لئے شرعی عدالتوں کی طرف راغب ہو رہے ہیں تاکہ وہ اپنی شکایات

کا منصفانہ فیصلہ جلد از جلد حاصل کر سکیں" مورو اسلامک لبریشن فرنٹ کے نائب صدر نے بتایا کہ مسیحی باشندے روزانہ دس سے زائد اپنے مقدمے شرعی عدالتوں میں پیش کر رہے ہیں۔ شرعی عدالتوں میں پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں انھیں جلد انصاف ملنے کی امید ہوتی ہے

(بشکریہ تعمیر حیات)

● امریکہ کے نئے سفیر نے پاکستان میں منعقدہ" امریکن اسٹڈیز کانفرنس میں ("امریکہ میں اسلام" کے موضوع پر) کی گئی تقریر کے دوران کہا کہ امریکہ میں اسلام تیزی سے فروغ پانے والا مذہب ہے جسکو سماجی اور آئینی احترام حاصل ہے نہ صرف یہ کہ کئی معروف و مشہور امریکی شہری اسلام قبول کرنے والے اور اسکی پیروی کرنے والوں میں شامل ہیں بلکہ ملک کے بعض ممتاز پالیسی ساز اداروں کے اہم منصبوں پر فائز ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے آئین میں مذہبی رواداری کا جو اہتمام ہے اسکا اطلاق صرف عیسائیوں کیلئے نہیں ہوتا بلکہ اس سے یہودی، مسلمان اور دوسرے بہت سے عقائد کے لوگ بھی یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں۔

سفیر موصوف نے کہا کہ آپکو شاید یہ جان کر حیرت ہوگی کہ امریکہ میں اسلام آج تیزی کے ساتھ فروغ پانے والے مذاہب میں سے ایک ہے جہاں بارہ سو سے زائد مساجد اور متعدد اسلامی مرکز موجود ہیں اور انکی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اسوقت تقریباً ساٹھ لاکھ امریکی باشندے امریکہ میں اسلامی طریقہ پر عبادت کر رہے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اصل اہمیت امریکہ میں اسلام کے مستقبل کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ مستقبل میں ترقی اور خوش اقبالی کا آئینہ دار ہوگا۔ (تعمیر حیات)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ: ۴ - ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق اپریل ۹۹ء جلد: ۴۲

قیمت فی پرچہ آٹھ روپیہ سالانہ زر تعاون اسّی روپیہ ششماہی پینتالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D. Code No 0532

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس جانسن گنج الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اعلان

رسالہ کا زر تعاون جنوری ۱۹۹۹ء سے مبلغ اسّی روپیہ سالانہ کر دیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ: الحمد لاھلہ والصلوٰۃ لاھلہا۔ حسب معمول امسال بھی خانقاہ مصلح الامت قدس سرہٗ میں احباب کی جانب سے فریضۂ قربانی کی ادائیگی کا نظم کیا گیا ۔ چنانچہ سیدنا ومقتدانا حضرت اقدس قاری صاحب مدظلہم کی ذات گرامی پر اعتماد کی بنا پر شہر، بیرون شہر اور دوسرے ملکوں سے بھی احباب کی ایک کثیر تعداد نے اہل ادارہ کو اپنے فریضہ کی ادائیگی کا ذمہ دار بنایا

ہمارے یہاں اصول یہ ہے کہ جو حضرات اس سلسلہ میں بذریعہ خط یا ٹیلیفون وغیرہ رابطہ قائم فرماتے ہیں انکی رقم کی وصولیابی پر پوسٹ کارڈ کے ذریعہ وصولیٔ رقم سے فوری طور مطلع کر دیا جاتا تاکہ صاحب معاملہ کو یہ اطمینان ہو جائے کہ ہماری رقم ادارہ کو پہونچ گئی اور ان شاء اللہ وقت مقررہ پر ہماری جانب سے قربانی کر دی جائیگی اب قربانی کے بعد انفرادی طور سے ہر شخص کو اسکی اطلاع دینا ایک طول طویل اور دشوار گذار مرحلہ ہے اسلئے اسکی اطلاع رسالہ وصیۃ العرفان کے ذریعہ کر دی جاتی ہے۔

لہٰذا تمام شرکاء کو اطلاع دیجاتی ہے کہ الحمد للہ حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ کے مدرسہ وصیۃ العلوم کے اساتذہ کرام کے زیر نگرانی پوری احتیاط اور خوش اسلوبی کے ساتھ فریضہ قربانی آپ سب حضرات کی جانب سے ادا کر دیا گیا۔
تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنْکُمْ جَمِیْعًا وَجَعَلَ اَعْمَالَنَا کُلَّھَا صَالِحَۃً وَلِوَجْھِہٖ خَالِصَۃً

ہم اپنے ان تمام احباب کرام کے ممنون ہیں جنھوں نے اپنی گرانقدر مصروفیات کے باوجود وقت نکال کر بالواسطہ مدرسہ کا تعاون فرمایا۔

رب کریم انکو جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنی محبت و معرفت اور رضا و قرب خاص سے سرفراز فرمائے اور ہم سب کو اخلاص اور اتباع سنت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ادارہ)

حضرت مصلح الامۃ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مجالسِ علیگڈھ

(مجلس اوّل)

مصلح الامۃ رح اور مجلس علیگڈھ کا آغاز

فرمایا کہ یہاں کے لوگ تو بہت کم ہیں جہاں جاتا ہوں یہی دیکھتا ہوں کہ دوسری جگہ کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں لیکن مقامی حضرات کم ہی ہوتے ہیں مجھے غلط فہمی ہوتی تھی سمجھتا تھا کہ یہ سب مقامی لوگ ہیں بعد میں معلوم ہوا کہ زیادہ تر باہر کے لوگ ہیں

اسکے بعد لوگوں کا انتظار رفع کرنے کے لیے مفتی فخرالاسلام صاحب سے فرمایا کہ مفتی صاحب کچھ آپ فرما دیجئے، وقت کے مناسب کچھ ان سے گفتگو کیجئے۔ مفتی صاحب کے سکوت فرمانے پر مولوی حافظ غلام مصطفٰے صاحب سے فرمایا کہ آپ تو تقریریں کیا کرتے ہیں کچھ آپ ہی فرمائیے! چنانچہ مولوی صاحب کھڑے ہوئے اور یہ تقریر کی :۔

بعد الخطبہ قال اللہ تعالیٰ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیٰٓئُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمَاتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحَابُ النَّارِ ھُمْ

فِيهَا خٰلِدُونَ

آپ لوگوں کو میری اس جرأت پر حیرت ہوگی کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی موجودگی میں میں آپ لوگوں کے سامنے کچھ بولنے کی جرأت کرتا ہوں لیکن حضرت ہی نے چونکہ حکم دیا ہے اسلئے کچھ عرض کرتا ہوں۔ جو آیت آپ کے سامنے پڑھی ہے اسکا سیدھا سادہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ ولی ہے یعنی دوست و کارساز اور مددگار ہے مومنین کا انکفیں ظلمت اور تاریکی سے نور کی طرف نکالتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا انکے دوست اور کارساز شیاطین ہیں جو کہ انکو نور سے ظلمت کی طرف لیجاتے ہیں یہی لوگ اصحاب نار" اہل دوزخ" ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

اس آیت میں ایک لفظ ولی کا خاص ہے جس کے معنی قابل غور ہیں۔ ولی کے معنی آتے ہیں دوست، کارساز اور مددگار کے انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر وقت اور اپنے تمام کاموں میں کسی یار و مددگار کی ضرورت محسوس کرتا ہے کیسا ہی انسان ہو باوجود اپنی قوت و طاقت اور مال و دولت کے ایک ایسی ہستی کا محتاج رہتا ہے جو اس کا کارساز ہے چنانچہ انسان پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ قوت و دولت کے باوجود وہ اپنے آپ کو بے بس و محتاج ہی پاتا ہے۔ اس آیت میں اس مضمون کا بیان ہے کہ وہ کارساز اور مددگار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو مومن کے ہر وقت ساتھ ہے اور اسکا تمام کام اسی کی کارسازی سے پورا ہوتا ہے اور جو لوگ ایمان والے نہیں ہیں اور انکا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اسکی کارسازی

پر ایمان نہیں ہے تو کسی کو اپنا کارساز بنانے سے انکو کوئی چارہ نہیں فرق یہ ہے کہ مومن اپنا ناصر و کارساز اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے اور کافر غیر اللہ یعنی شیاطین اور پتھر، دریا، درخت وغیرہ کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کارسازی کا اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ وہ مومن کو ظلمتِ کفر سے نور ایمان کی طرف لیجاتا ہے اور طاغوت کی کارسازی کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کی فطرت سلیمہ کو فاسد کرکے نور ایمان سے اسکو نکال کر ظلمت کفر کی طرف لے جاتے ہیں۔

اب جس کا ایمان جتنا قوی ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کو اللہ تعالےٰ کی کارسازی کا یقین ہوگا اور وہ اسکو سمجھتا ہوگا کہ اللہ تعالےٰ اس کے کارساز ہیں اور ہر وقت اسکے ساتھ ہیں۔ اور جسکا ایمان جس قدر ضعیف ہوگا اسکو اللہ تعالےٰ کی کارسازی کا یقین کم ہوگا۔ لہٰذا اس ایمان کو کامل اور مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ایمان قوی کیسے ہوتا ہے تو اس کے کئی طریقے ہیں منجملہ ان کے ایک طریقہ بزرگان دین کی صحبت بھی ہے چونکہ ان کے تعلق کے بعد نفس کی تربیت و اصلاح آسان ہو جاتی ہے اور نفس کے رذائل پر تقریر کر دینا اور بات ہے اور انسان کے نفوس سے انکو علیحدہ کرنا جسکا نام اصلاح و تربیت ہے یہ اور بات ہے۔

میں آپ کے سامنے اسکو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں دیکھئے جس طرح ایک تو وہ ڈاکٹر ہوتا ہے جو کسی مرض کے متعلق کوئی لکچر دے مثلاً طاعون، انفلوئنزا یا ہیضہ کے متعلق آپ کے سامنے تقریر کرے جس میں یہ بتائے کہ فلاں فلاں اسکے اسباب

ہیں اور یہ یہ اسکی احتیاطی تدابیر ہیں اور فلاں چیزیں ذریعۂ انسداد ہیں تو اس سے اس ڈاکٹر کی قابلیت کا اندازہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ علم طب میں ماہر ہے لیکن لوگوں سے ان وبائی امراض کے دور ہونے کے لئے محض اسکی تقریر تو کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ضرورت ایسے تجربہ کار ڈاکٹر کی ہوگی جو ان ذرائع اور تدابیر کو اختیار کرکے اور خود لوگوں سے عمل کرا کے مرض کا انسداد کردے بالکل یہی حال روحانی امراض کا ہے کہ یہاں بھی دو طریقے ہیں میرا مقصد یہاں کسی سے کسی کا تقابل نہیں ہے بلکہ بات کو سمجھانے کے لئے میں ایک عام بات کہنا چاہتا ہوں کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی نفسانی مرض پر ایک تقریر کردی جائے تو ہو سکتا ہے کہ باطن کے مریضوں کو اس سے کوئی خاص فائدہ نہ ہو اور ایک طریقہ یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ نفس کے امراض کی تدریجاً اصلاح کی جائے چنانچہ اس وقت ہماری خوش نصیبی سے حضرت مولانا دامت برکاتہم یہاں تشریف لے آئے ہیں تو ہم لوگوں کو حضرت کی خدمت میں اسی نیت سے حاضر ہونا چاہئے اور ان صحبتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

یہ کہکر وہ بیٹھ گئے۔

اسکے بعد حضرت والاؒ نے مولوی ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند سے فرمایا کہ کچھ آپ بھی فرما دیجئے، مولوی صاحب موصوف نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ:۔

حضرات! حضرت مولانا مدظلہ جس سے یہ فرما دیں کہ تو بیان کرا سکے لئے وہ گھڑی انتہائی آزمائش کی ہے اور اب اسکی وجہ سے اسپر کتنی مشقت پڑتی ہے اسکا اندازہ

صرف وہی کر سکتا ہے جس سے حضرت نے بیان کرنے کے لئے فرمایا۔ میری حاضری تو یہاں اس غرض سے ہوئی کہ حضرت والا فرمائیں گے اور ہم اس سے مستفید ہوں گے لیکن حضرت نے مجھ ہی سے فرمایا کہ کچھ کہو میری تو سمجھ میں کچھ آتا نہیں کہ کیا کہوں؟

حضرت ہی کی فرمائی ہوئی ایک بات دہراتا ہوں وہ یہ کہ اپنی مخصوص زبان میں فرماتے ہیں کہ لوگ بزرگوں کے بدن گرتے ہیں اور انکو تبرک بنانا چاہتے ہیں اس سے کام نہیں چلے بزرگوں کی باتیں سمجھنا چاہیئے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے لیکن کسی کی ذات کو ماننا بہت آسان ہے اور بات کا ماننا مشکل اسی طرح میں آپ سے کہتا ہوں کہ حضرت والا اپنی زبان مبارک سے کوئی بات جو فرما دیتے ہیں تو وہ انتہائی وزنی ہوتی ہے اور کلام کے ساتھ ساتھ حضرت کی جانب سے نور کا قلبی فیضان ہوتا ہے جس کے سبب اس بات میں ایک کشش اور اثر ہوتا ہے اسکا دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ (ناقل عرض کرتا ہے ونعم ماقیل فی ھذا المعنی،

شیخ نورانی ز رہ آگہ کند   با سخن ہم نور را ہمرہ کند)

(شیخ نورانی راہ حق سے آگاہ کرتا ہے اور اپنی باتوں کے ساتھ ساتھ نور کو بھی قلب میں داخل کر

دیکھئے حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا   تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

(اے سعدی یہ نہ سمجھو کہ راہ صفا اور طریق سلوک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر طے کیا جا سکتا ہے)

بارہا کا سنا سنایا ہے لیکن حضرت مولانا جب پڑھتے ہیں تو اس کچھ اور ہی اثر ہوتا ہے بولنے کو تو ہمارے کلمات بھی انھیں حروف سے مرکب ہوتے ہیں جن سے مشائخ کا کلام مرکب ہو

لیکن مناسب موقع پر کسی کا شعر پڑھنا اور مخصوص لہجہ میں اسکی ادائیگی اور سب سے بڑی چیز یہ کہ وہ ان کے قلب کی آواز ہوتی ہے اس لیئے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے لہذا میں تو حضرت سے یہی عرض کروں گا کہ ہم لوگوں کی تقریر سے کچھ کام نہیں چلے گا حضرت ہی کچھ ارشاد فرمائیں۔

کثرت کلام و تقریر کا ضرر اور کام کا طریقہ

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ آپ نے صحیح فرمایا ادب بڑی چیز ہے لیکن میں نے جو کچھ کہا تو اس لیئے کہ لوگ بالعموم اسی کے منتظر رہتے ہیں کہ آئے تھے تو کچھ کہتے اور ہم لوگ کچھ سنتے تو اس کے متعلق سن لیجئے کہ میں یہاں اس حیثیت سے نہیں آیا ہوں جسطرح اور لوگ آتے ہیں اسلئے میں خاموش بیٹھا تھا کہ آپ کو بتاؤں کہ کام کا ایک طریقہ خاموش رہنا بھی ہے اگرچہ لوگ عادی اسکے خلاف کے ہوگئے ہیں یعنی بس یہ چاہتے ہیں کہ کوئی شخص بکواس کرتا رہے اور ہم سنتے رہیں حالانکہ صوفیائے کرام کا طریقہ آپنے سنا ہوگا یہی رہا کہ طریق میں قلت کلام اور قلت اختلاط مع الانام[۵] کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ کثرت کلام سے بہت ضرر ہوتا ہے۔ آدمی خوب بولتا ہے تو لوگ اسکے بعد اسکی تعریف کرتے ہیں پس یہ اسکے حق میں زہر ہوتا ہے میری بھی خاموشی اسی لئے تھی کہ میں آپ کو یہ بتاؤں کہ ایک طریقہ کام کا زبان کو بند کر لینا بھی ہے میں کچھ اسلئے خاموش نہیں تھا کہ آپ سے ناراض تھا۔ اور زبان کا بند کرنا مفید اور نافع اسلئے ہوتا ہے کہ اس سے قلب ذاکر ہوتا ہے، اور قلب ذاکر ہوتا نہیں جبتک زبان

۵۔ کم بولنا اور لوگوں سے میل جول کم رکھنا۔

ت نہیں ہو جاتی چنانچہ پیر کے سامنے مرید کبھی جب اپنی زبان
رتا ہے جبھی اسکو کچھ فیض پہونچتا ہے یہ راستہ زبان سے
نہیں ہوتا بلکہ دل سے طے ہوتا ہے۔ برکات زبان سے نہیں
قلب سے ملتے ہیں۔ اب لوگ نہ طریق کو سمجھتے ہیں اور نہ شیخ کے
ب سے واقف ہیں بلکہ سب کچھ بولنے ہی کو سمجھتے ہیں چنانچہ
نے تو کسی کو نہیں سنا کہ اس پر گفتگو کرتا ہو البتہ ایک مصری
لم کی کتاب میں دیکھا کہ اس پر انھوں نے کلام کیا ہے۔ لکھا
ے کہ تم لوگ اسقدر بولے ہو کہ آسمان و زمین کی فضا یعنی یہ جو اور
بالکل بھر گیا ہے اب یہ بتاؤ کہ عمل کب کرو گے؟

محض زبان سے کوئی تقریر کر دینا اور قانون بنا دینا کیا مشکل
ہے کوئی قابل آدمی ہو گا تو کچھ نہ کچھ بنا ہی لے گا لیکن ہمارے
س قاعدہ و قانون سب کچھ موجود ہے، قرآن شریف موجود
ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد موجود ہیں لیکن
ئدہ جو نہیں ہو رہا ہے تو اسلئے کہ اس پر عمل نہیں ہے اب
ب کبھی کوئی آتا ہے اسکے لوگ بکواس ہی کی خواہش کرتے
ں لیکن ہمارے بزرگوں نے بکواس نہیں کی بلکہ انکا فیض خاموش

۔ ان کے الفاظ یہ ہیں اما بعد فقد ملأنا الجو نداء و صیاحاً و الجو
ان نداء نا و بالمشروع کان صیاحنا لکن قلنا کثیرا و ما
نعلنا قلیلا (اصلاح الوعظ الدینی ص ۹۵)

ہم نے اس فضا کو بول بول کر چیخ و پکار سے بھر دیا ہے اور بلاشبہ
ہمارا یہ پکارنا اور چیخنا برحق اور جائز تھا لیکن ہم بولے تو بہت اور عمل
کچھ بھی نہیں کیا۔

رہنے پر بھی پہونچتا تھا۔

سندھ کے ایک بزرگ کا واقعہ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ سندھ کے تھے وہ حضرتؒ سے بیان کرتے تھے میں بھی اس مجلس میں تھا کہ حضرت! سندھ میں ایک بزرگ تھے جو آخر عمر میں دو دو گھنٹے خاموش بیٹھے رہتے تھے مگر مریدین کو ان سے فیض پہونچتا تھا وہ جانتے تھے کہ انکو خدا کی طرف سے فیض پہونچ رہا ہے اسلئے ہمکو بھی اسمیں سے کچھ حصہ لینا چاہیئے چنانچہ سب لوگ بیٹھے رہتے تھے کوئی مجلس سے جاتا نہیں تھا، تو یہ حضرات چپ رہنے میں بھی اور ہر سے کچھ پاتے تھے اسکا نام سکون، اطمینان اور سکینہ ہے۔ اللہ تعالےٰ سے ملنے کا جسقدر شوق ہوتا ہے اور ان کے قلب پر جو کیفیت طاری رہتی ہے اسکو آپ کیا جانیں۔

سفر آخرت کے وقت ایک بزرگ کا حال

اس پر ایک بزرگ کا مقولہ یاد آیا جب انکے سفر آخرت کا وقت آیا تو فرماتے ہیں کہ ؎

منگر کہ دل ابن یمیں پرخوں شد بنگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد
مصحف بکف و پا بره و دیده بدوست با پیک اجل خندہ زناں بیروں شد

یعنی یہ مت دیکھو کہ ابن یمین کا دل خون ہوگیا ہے اسکو دیکھو کہ اس سرائے فانی سے کس طرح جارہا ہے، مصحف ہاتھ میں ہے پاؤں راہ محبوب پر ہے اور نظر دوست پر لگی ہوئی ہے موت کے قاصد کے ہمراہ ہنستا کھیلتا اس دنیا سے جارہا ہے۔

اہل اللہ کی خموشی گفتگو سے بڑھکر موثر ہے

اسی طرح سے ہمارے حضرتؒ بھی کبھی کبھی ظہر سے لیکر عصر تک خاموش بیٹھے رہتے تھے اور کوئی شخص مجلس سے

اٹھکر نہیں جاتا تھا تعجب ہے کہ آپ لوگ صرف زبان ہی کے فیض کے قائل ہوں اور دوسری کسی چیز کے قائل نہوں (یعنی قلب کے) حالانکہ اصل وہی ہے۔ غرض میں آپ کے یہاں بولنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ آپ لوگوں کو دیکھنے آیا ہوں اور آپکے کالج کو دیکھنے آیا ہوں۔ ایک اور جگہ میں نے یہی کہا تھا کہ میں یہاں چندہ لینے نہیں آیا ہوں اور اگر آپ کو تعجب ہو کہ پھر یہاں کیوں آئے ہیں تو سنئے! میں آپ لوگوں کو دیکھنے کیلئے آیا ہوں۔ اس پر لوگوں نے آپس میں کہا کہ ہمارا دین دیکھنے آئے ہیں، میں نے جب یہ سنا تو کہا ہاں اور نہیں تو کیا صورت دیکھنے آیا ہوں صورتیں تو وہاں بھی تھیں جہاں سے آیا ہوں۔ بہر حال جب کوئی کہیں جاتا ہے تو کچھ مطمح نظر لیکر ہی جاتا ہے۔ غرض میں یہاں تقریر کرنے نہیں آیا ہوں بزرگوں کے یہاں خاموشی گفتگو سے بڑھکر موثر ہے اور دل کو ذاکر بنانے کیلئے زیادہ مفید سمجھی گئی ہے

بطبعم ہیچ مضموں بہ زلب بستن نمی آید خموشی معنیٔ دارد کہ درگفتن نمی آید

(اسوقت میرے دل میں خاموشی اختیار کرنے سے بہتر کوئی مضمون نہیں آرہا ہے کیونکہ خاموشی ایسا معنی اورتاثیر رکھتی ہے جو کلام میں نہیں)

خموشی کے فوائد

قلب میں جسقدر نور خموشی سے پیدا ہوتا ہے کسی اور چیز سے نہیں ہوتا لیکن خاموشی سے یہاں مراد ناجائز کلام سے خاموشی ہے ذکر سے نہیں بزرگان دین اسلئے اسکی عادت ڈالتے ہیں فضول اور لغو کلام سے جو قلب میں ظلمت پیدا ہو جاتی خود کو اس سے بچائیں چنانچہ انکی یہ خاموشی قلب میں ذکر پیدا کرنے کیلئے ہوتی ہے

آیۃ یخرجھم من الظلمات پر ایک نادر نکتہ

جیسا کہ مولوی غلام مصطفیٰ صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظلمات سے نکالتے ہیں تو اسکے متعلق کہتا ہوں کہ بیشک صالۃً وہی اس سے نکالنے والے ہیں لیکن نیابۃً حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بھی نکالتے ہیں اور یہی انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے کہ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں ایمان ایک نور ہے جو لوگ نور پیدا کرتے ہیں انکے لئے ضروری ہے کہ اسباب ظلمت کو بھی ختم کریں۔ باقی لوگ اس زمانے میں کسی کو چھوڑتے نہیں اب یہ

آپ کے ڈر سے بولوں کہ اگر نہ بولوں گا تو آپ معتقد نہ رہیں گے یہ تو کوئی بات نہیں، میں اپنے سے آیا ہوں، اپنے اختیار سے رہوں گا اور اپنے ہی اختیار سے جاؤں گا، اور جب اللہ تعالیٰ بلوائیں گے تو بولوں گا یہ کیا ضروری ہے کہ آدمی جمع ہو جائیں تو ضرور بولا ہی جائے معاملہ کچھ اجرت اور محنتانہ کا تو ہے نہیں کہ کوئی نہ بولے گا تو اسکو محنتانہ ہی نہ ملیگا۔ یہاں تو معاملہ دین کا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مضمون آتا ہے۔ لہٰذا جب یہ حضرات کچھ بولیں تو سنو اور اگر چپ رہیں تو تم بھی خاموش بیٹھے رہو آپکو نہیں معلوم کہ صوفیائے کرام نے کلام ضرورۃً ہی کیا ہے خدا تعالیٰ کی معرفت دوسروں کو سکھلانے کا ذریعہ یہی کلام ہی ہے اب کی طرح نہیں کہ جلد ہی سے کلام کرنا شروع کر دیا کہ دو چار آدمی بھی معتقد ہو جائینگے تو کام چل جائیگا۔

حکیم الامت مولانا تھانویؒ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ گڈھی کلاں کے لوگوں نے وعظ کا انتظام کیا، حضرت کتنے بڑے ماہر و فاضل تھے لیکن فرماتے ہیں کہ ممبر پہ بیٹھا خطبہ پڑھا اور خاموش ہو گیا بہت سوچا کہ کوئی مضمون بیان کروں کچھ سمجھ ہی میں نہیں آیا چاہا کہ اپنے پچھلے وعظوں میں سے ہی کوئی وعظ بیان کر دوں اس پر بھی قادر نہو سکا، خیال کیا کہ کوئی آیت ہی پڑھ دوں اور اسکا ترجمہ کر دوں یہ بھی نہو سکا بالآخر یہ کہکر ممبر سے نیچے اتر آیا کہ بھائی مضمون نہیں آتا۔ پھر فرمایا کہ اسکے بعد سے مجھے کبھی یہ وسوسہ بھی نہ آیا کہ مجھے کچھ آتا ہے حالانکہ اس سے پہلے اپنے متعلق خیال گزرا تھا کہ مجھے کچھ آگیا اللہ تعالیٰ نے اسکا علاج فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک قلب میں کلام کرنے کا داعیہ اور تقاضا نہ پیدا ہو کلام بے اثر، بے نور، بے روح اور کمزور ہوگا

علماء اور طلباء کو ایک اہم تنبیہ

مشائخ تو یہ فرماتے ہیں اور اب سنتا ہوں کہ طلباء آپس میں باتیں کرتے ہیں کہ تقریر کی مشق کر لو نہیں تو کوئی پوچھے گا نہیں میں کہتا ہوں کہ خوب مشق کر لو تب بھی کوئی نہ پوچھے گا۔ پوچھنا صرف بولنے سے ہوا کرتا ہے؟ آدمی اسوقت پوچھا جاتا ہے جب وہ عند اللہ مقبول ہوتا ہے اور مقبولیت بولنے سے نہیں

بلکہ خدا کی طرف سے آتی ہے اور خلوص کی وجہ سے آتی ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بول کر تم لوگوں کو خوش کر
او وہاں تک پہونچ جاؤ لیکن کیا اس مشق سے اللہ تعالیٰ کو بھی راضی کر لوگے اور میں تو کہتا ہوں
اللہ تعالیٰ تک تو کیا پہونچتے مخلوق تک بھی نہیں پہونچتے اسلئے کہ پہونچنا جب کہا جائیگا کہ وہ
تمہارے معتقد ہوں اور دل سے اعتقاد انکو اسوقت ہوگا جب تمہارا کلام انکے دل تک پہونچے
قلب اس سے متاثر ہو اور تاثیر زبان کا فعل نہیں خدا تاثیر دیتا ہے اور خدا تمہارے اس کام سے
نہیں، اثر اسی وقت ہوتا ہے جب اثر والی بات اور اثر والا کام کیا جائے ۔

خلوت و سکوت کی اہمیت

آپ لوگوں نے تو سنا ہوگا کہ تصوف میں خلوت کو بہت ضروری
دیا جاتا ہے بالخصوص مبتدی کیلئے اور جسطرح یہ خلوت مرید کیلئے
ہے اسی طرح شیخ کیلئے بھی ضروری ہے گو اسقدر نہیں جتنی مرید کیلئے تاہم کچھ وقت خلوت
نکالنا ضروری ہے اسلئے تاکہ سکوت کا موقع ملے اور ذکر و فکر کا ذریعہ بن سکے اسی سے قلب میں
پیدا ہوتا ہے ۔سکندر نامہ میں ایک حکایت لکھی ہے کہ سکندر جب کہیں حملہ کرتا تھا تو اطراف
کے مشائخ سے ملتا اور دعا کراتا سپاہیوں کو یہ خیال گذرا کہ لڑتے تو ہم ہیں اور نام بزرگوں کا ہو
چنانچہ ایک قلعہ پر حملہ کیا اور بہت دنوں تک محاصرہ رہا مگر قلعہ فتح نہ ہوا دریافت کیا کہ یہاں کوئی
رہتے ہیں معلوم ہوا کہ غار میں ایک بزرگ تشریف رکھتے ہیں سکندر ان سے ملنے کیلئے غار کے اندر گیا
ہاتھ میں ایک لالٹین تھی بزرگ نے کسی آنے والے کی آہٹ پاکر پوچھا کون ہے، سکندر؟ بادشاہ کو
بہت تعجب ہوا کہ ان بزرگ نے میرا نام کیسے جان لیا پوچھا کہ حضرت آپنے مجھے کیونکر پہچانا؟ انھوں نے
جو ہاتھ میں روشنی لئے ہوئے ہو اور اسکی وجہ سے تمھیں راستہ نظر آتا ہے میں اتنے دنوں سے غار میں
کیا میرے قلب میں اتنی بھی روشنی پیدا نہیں ہوئی جتنی تمھاری اس لالٹین میں ہے بھلا
اچھا بتلاؤ تو سہی کیسے آنا ہوا؟ سکندر نے صورت حال عرض کر کے ان سے دعا کرائی ا
فرمایا کہ جاؤ فتح ہو جائیگا اور اسکے بعد اللہ کی ایک ایسی ضرب لگائی کہ اسکی وجہ سے قلعہ دھ
پانی میں آرہا ۔ یہ بات غلط نہیں کہہ رہا ہوں سکندر نامہ میں قصہ موجود ہے دیکھ لیجئے۔
بعد قلعہ والوں نے کہا کہ تم میں اسکے فتح کی طاقت نہیں تھی ضرور تمھاری کسی بزرگ سے ملا
ہوگئی ہے جسکی توجہ سے ایسا ہوا یہ سنکر لشکری شرمندہ ہوئے اور اپنی بدعقیدگی سے تائب

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

الدِّینُ الخَالِص

(۶)

ایک بزرگ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ ریل میں ایک جنٹلمین گرم
کوٹ پہنے ہوئے تھے جاڑوں کا موسم تھا، نہ انکے پاس رضائی نہ گرم
ڑا یہ بھی آجکل تہذیب ہے کہ جاڑوں میں روئی کا کپڑا نہیں پہنتے
یک اسٹیشن پر انگریزوں نے ہوٹل میں جاکر برف پیا تو انکی بھی شامت
ئی برف پی کر آئے تو کانپنے لگے۔ غرض جو شخص اپنی وسعت
سے زیادہ کام کرتا ہے ہمیشہ تکلیف اٹھاتا ہے بعضوں کو وسعت
ہیں مگر تشبہ کے پیچھے مرے جاتے ہیں۔ تو ان بزرگ نے ان سے
ہلکہ میرے پاس کپڑے تو بہت ہیں مگر روئی کے ہیں شاید آپکو
ا پسند ہوں مگر انھوں نے اس وقت یہی کہا کہ آپ کا بڑا احسان
ہوگا روئی کا ہی کپڑا دے دیجئے۔

ایک اور حکایت یاد آئی ایک صاحب گرمیوں کے موسم
یں صراحی لیکر ریل پر سوار ہوئے تو ایک جنٹلمین نے کہا کہ یہ کیا
بھنگیوں کے سے برتن لئے پھرتے ہیں یہ چپ ہو رہے اتفاق سے
سے ہند صاحب کو لگی پیاس، اسٹیشن پر پانی ملا نہیں تو اب بار بار
صراحی کو دیکھتے ہیں یہ صاحب قصداً آنکھیں بند کرکے لیٹ
رہے، جب دیر ہوگئی تو جنٹلمین صاحب انھیں سویا ہوا سمجھکر
اٹھے اور صراحی سے پانی پی لیا۔ جب پانی پی چکے تو ان حضرت

نے ہاتھ پکڑ لیا کہ صاحب آپ نے بھنگی کے برتن سے کیوں پانی پیا؟ چپ ہوگیا، معافی چاہنے لگا۔

یہ ذکر تھا نمائشی لباس کا جس میں اکثر عوام مبتلا ہیں علیٰ ہذا دعوت کرتے ہیں برادری کی اور اس میں حد سے زیادہ اسراف کرتے ہیں جس سے صرف نام و نمود ہی مقصود ہوتا ہے اور اب علماء اسکو منع کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ علماء مباحات سے منع کرتے ہیں حالانکہ وہ مباحات سے روکتے نہیں۔ جہیز میں بے حد اسراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صلۂ رحمی ہے حالانکہ اگر صلۂ رحمی ہے تو چھپا کر کیوں نہ دے دیا؟ اگر صلۂ رحمی میاں علاق ضروری ہے تو روزانہ سب کو دکھلا کر اپنے بچوں کو کیوں نہ کھلایا پہنایا کرو! یہ سب بہانے ہیں بلکہ یوں سننا چاہتے ہو کہ فلانے نے اپنی بیٹی کا جہیز بساط سے زیادہ دیا حالانکہ یہ حماقت ہے اور ہجو ملیح ہے مگر لوگوں کے مذاق کچھ ایسے بدل گئے ہیں کہ مذمت کو بھی تعریف سمجھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ برادری کا کھانا فقط اسی واسطے ہوتا ہے کہ یہ دیکھتے ہیں کہ فلانے نے کیسا کھلایا تھا۔

غمی میں دیکھئے زبان سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ ثواب کیلئے کھانا کھلاتے ہیں مگر امتحان یہ ہے کہ اگر اس شخص سے خلوت میں یہ کہا جائے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس مصرف میں زیادہ ضرورت ہوتی ہے اسمیں روپیہ دینے سے زیادہ ثواب ملتا ہے اور جنکی تم دعوت کرتے ہو یہ سب کھاتے پیتے غنی ہیں تم یہ دعوت کا روپیہ فلاں مدرسے یا مسجد میں دیدو یا فلاں آبرو دار غریب آدمی کو چپکے سے دیدو اور اسکا ثواب میت کو بخش دو تو اب

دیکھئے کہ اس شخص کے دل پر کیا گذرتی ہے کہے گا سبحان اللہ روپیہ بھی خرچ ہوا اور کسی کو خبر بھی نہو، تو بتلائیے یہ صاف ریا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ سب دکھلاوے کے لئے کیا جاتا ہے۔ جب یہ حال ہے تو ثواب کہاں سے ہوگا اور جب اسکو ثواب نہ ملا تو میت کو کہاں سے بخشے گا؟ کیونکہ ثواب پہونچانے کا خلاصہ تو یہ ہے کہ تم نے ایک نیک کام کیا اور جو ثواب اسکا تم کو ملتا وہ تم نے کسی دوسرے کو بخش دیا اور جب یہاں ہی صفر ہے تو وہاں کیا بخشو

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ رام پور کے ایک شخص کسی جھوٹے پیر سے مرید ہوگئے کچھ دنوں کے بعد کسی نے ان سے پوچھا کہ کہو پیر صاحب سے کیا فیض پہونچا؟ یہ بڑے صاف آدمی کہا جب تھا وہ ہی میں نہو تو بدھنے میں کہاں سے آوے۔

تو یہی صورت ہے ثواب ملنے کی کہ پہلے کرنے والے کو ملتا ہے پھر وہ دوسرے کو دیتا ہے تو جب اسی کو نہ ملا تو یہ دوسرے کو کیا دے گا گویا سارا روپیہ ضائع گیا۔ اور یہ تو سب دعوے ہی دعوے ہیں کہ ثواب کے لئے کھانا کھلاتے ہیں صرف برادری سے شرما کر کیا جاتا ہے اور لوگ اسکا زبان سے اقرار بھی کر لیتے ہیں

کیرانہ میں ایک گوجر بیمار تھا اسکا لڑکا حکیم صاحب کے پاس گیا اور کہنے لگا حکیم جی اس مرتبہ تو میرے باپ کو کسی طرح اچھا کر دو مجھے اس بڈھے کے مرنے کا تو غم نہیں مگر آجکل چاول بہت گراں ہیں برادری کو کھانا کھلانا بہت مشکل ہوگا۔

وہ بیچارہ سیدھا تھا اس نے سچی بات کہدی ہم باوضع ہیں زبان سے ظاہر نہیں کرتے مگر دل میں سب کے یہی ہے۔ یہ تو کھلانے والوں کی حالت ہے باقی کھانے والے وہ تو پورے ہی بے حیا ہیں کہ ایسے غم میں بجائے ہمدردی کے الٹا اسپر بار ڈالتے ہیں

اس باب میں ایک صاحب حکایت بیان کرتے تھے کہ ضلع بلند شہر میں ایک رئیس کا انتقال ہو گیا چالیسویں دن رسم ادا کرنے کو انکے تمام عزیز و اقارب، دوست احباب ہاتھی گھوڑے لیکر جمع ہوئے رئیس زادے نے سب کی خاطر و مدارات کی اور عمدہ عمدہ کھانے پکوائے جب کھانے کا وقت آیا اور تمام لوگ دسترخوان پر جمع ہو گئے اور سب کے آگے کھانے چن دئیے گئے تو رئیس زادے نے کھڑے ہو کر تقریر کی کہ صاحبو! کھانے سے پہلے میری ایک بات سن لیجئے پھر کھانا شروع کیجئے گا، آپ کو معلوم ہے کہ لوگ اسوقت کس لئے جمع ہوئے ہیں؟ چونکہ مجھ پر ایک بڑا حادثہ گزرا ہے کہ میرے والد کا سایہ میرے سر پر سے اٹھ گیا ہے اسلئے آپ لوگ میرے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں تو کیا ہمدردی اسی کا نام ہے کہ میں تو غم میں مبتلا ہوں اور اسکی وجہ سے نہ کھانے کا رہا نہ پینے کا اور آپلوگ آستینیں چڑھا کر عمدہ عمدہ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ تم کو شرم نہیں آتی بس اب کھانا شروع کیجئے۔

مگر اب کون کھاتا تمام لوگ شرما کر مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کیا کہ واقعی یہ چالیسویں کی رسم اٹھا دینے کے قابل ہے چنانچہ سب نے متفق ہو کر اس رائے پر دستخط کر دیئے اور وہ تمام کھانا غرباء کو تقسیم کرا دیا گیا۔

حقیقت میں اگر غور کرو تو یہ سارے کھانے جو برادری کو کھلائے جاتے ہیں اسی قسم کے ہیں جن سے کھلانے والے کو بجز تکلیف کے اور کھانے والے کو بجز بے حیائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اب بھی لوگ مولویوں ہی کو بدنام کرتے ہیں

کہ یہ ایصالِ ثواب سے منع کرتے ہیں۔

صاحبو! ایصال ثواب سے کوئی منع نہیں کرتا البتہ بے ڈھنگے پن سے منع کیا جاتا ہے۔ دیکھو اگر کوئی قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھے تو اسکو منع کریں گے یا نہیں؟ اگر شریعت کے موافق عمل ہو تو پھر دیکھو کون منع کرتا ہے جس کی بڑی شرط یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ ہو یعنی ثواب کی نیت سے کیا جائے۔

اہل باطن کا اخلاص یہ سب اہل ظاہر کے اخلاص کا ذکر تھا اور اہل باطن کا اخلاص یہ ہے کہ اصلی غرض ذکر وغیرہ سے محض رضائے حق ہو یعنی صرف یہ نیت ہو کہ اس سے خدا راضی ہوگا اس کے خلاف جب کوئی نیت ہوگی گو وہ امر دنیوی نہ ہو مثلاً ثمرات باطنہ وہ اخلاص کے خلاف ہوگی۔

حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَاذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ کہ "تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا" تو ہماری تو نیت ذکر کرنے سے یہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کے دربار میں ہمارا ذکر ہوگا۔ یہ وہ غرض ہے کہ شیطان اس میں کسی طرح کا وسوسہ کبھی نہیں ڈال سکتا کہ شاید حق تعالیٰ تم کو یاد نہ کریں کیونکہ اسکا تو قرآن میں صریح وعدہ ہے۔ میں اسی تقریر کو دوسری طرح کہتا ہوں کہ ثمرات دو قسم کے ہیں ایک وہ جو موعود ہیں جیسے تمھارے ذکر اللہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا تم کو یاد فرمانا۔ اسکا طالب ہونا تو مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے۔ دوسرے وہ جو موعود نہیں جیسے کیفیات و احوال اسکے طلب کرنے میں یہ کوتاہی ہے کہ جو موعود نہیں تو اسکا طالب کیوں ہے اور جب مطلوب نہیں تو مقصود کیوں بنایا جائے حاصل یہ کہ اور غرضوں کا ملجانا

بھی اخلاص کے خلاف ہے طالب کا مذہب تو یہ ہونا چاہیئے کہ ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی عطائے تو

(یعنی زندہ رکھیں آپکی عنایت ہے اگر قتل کردیں تو بھی آپ پر قربان ہیں دل آپ پر فریفتہ ہوگیا جو کچھ ہمارے ساتھ تصرف کریں ہم راضی ہیں) اسکی تو یہ شان اور یہ کیفیت ہونی چاہیئے جو حضرت سرمدؒ فرماتے ہیں ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن بہ رضائے دوست میباید داد یا قطع نظر زیار می باید کرد

(یعنی سرمد! گلہ شکوہ چھوڑنا چاہیئے دو کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہیئے یا تو اسکی رضا جوئی میں جان دیدو نہیں تو یار ہی کو چھوڑ دینا چاہیئے)

بے شک صاحب باطن کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(تم بندگی مزدوروں کی طرح بشرط اجرت مت کرو اسلئے کہ آقا بندہ پروری کی روش کو خود جانتے ہیں)

یعنی کیفیات اور احوال کے لئے طاعت مت کرو خدا کی رضا جوئی کے لئے کرو۔

غرض کیفیات و احوال سب خدا کے قبضہ میں ہیں تم اپنا کام کئے جاؤ اور غیر اختیاری امور کی فکر میں مت پڑو۔ اور اس وقت ان باتوں کا یعنی اخلاص کے متعلق جزئیات کا استیعاب (احاطہ) مقصود نہیں صرف نمونہ کے طور پر چند باتیں بیان کردی

ہیں اور یہ بھی بتلا دیا کہ انکا علاج یہ ہے۔ بہرحال اخلاص کی حقیقت تو سمجھ میں آگئی کہ کوئی غرض نفسانی اپنی نہو صرف رضائے حق مطلوب ہو۔

خلوص کے طریقے

اب اسکے حاصل کرنے کا طریقہ اور علاج سمجھئے وہ یہ کہ جب کوئی کام کرنا ہو تو پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ میں یہ کام کیوں کرتا ہوں اگر کوئی نیت فاسد ہو تو اسکو قلب سے نکال ڈالئے اور نیت خالص خدا کیلئے کرنی چاہئے اس علاج کی آسانی کے لئے بہتر یہ ہے کہ مخلصین کی حکایات دیکھا کریں اس سے بہت اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا رومؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک حکایت بیان فرمائی ہے ؎

او خدو انداخت بر روئے علیؓ افتخار ہر نبی و ہر ولی

(اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرۂ مبارک پر جن پر اولیاء انبیاء کو فخر ہے تھوک دیا)

اور افتخار ہر نبی سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی سے بڑھکر ہیں کیونکہ فخر ہمیشہ بڑے ہی سے نہیں ہوا کرتا کبھی بڑے چھوٹوں سے بھی فخر کرتے ہیں جیسا کہ استاد فخر کرتے ہیں اپنے لائق شاگردوں پر۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو لڑائی میں زیر کردیا اور سینہ پر بیٹھکر قصد کیا کہ خنجر سے ذبح کردیں۔ یہودی نے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا آپ نے فوراً اسکو چھوڑ دیا۔ یہودی نے حیران ہوکر پوچھا کہ آپ نے چھوڑ کیوں دیا؟ اب تو میں اور زیادہ قابلِ قتل تھا؟ فرمایا میں پہلے خالصاً للہ قتل کرتا اور اب نفس کی بھی آمیزش ہو جاتی اسلئے میں نے چھوڑ دیا۔ یہودی فوراً

مسلمان ہوگیا۔ حقیقت میں یہ ہے اخلاص اگر اسی حکایت کو یاد رکھیں تو کافی ہے۔

دوسرے اہل اخلاص کی صحبت اختیار کیجیے، انکے اقوال اور افعال پر نظر کیجیے، تو آنکھیں کھل جاویں گی۔ مجھے دو حکایتیں یاد آگئیں۔

ایک بلگرام کی، وہاں ایک بزرگ تھے ان سے ایک شخص کچھ پڑھتے تھے ایک دن جو پڑھنے آئے تو دیکھا کہ استاد کچھ مضمحل ہو رہے ہیں اس روز انکے گھر میں فاقہ تھا۔ یہ شخص باادب تھے استاد پر فاقہ کا اثر دیکھ کر پڑھنے سے عذر کردیا اور اپنے گھر جاکر کچھ کھانا انکے لئے لائے ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ کھانا ایسے وقت آیا کہ مجھے اسکی ضرورت ہے مگر مجھے اسکے لینے سے معاف کرو کیونکہ اس وقت اسکا قبول کرنا حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے مَا اَتَاكَ مِنْ غَيْرِ اِشْرَافِ نَفْسٍ فَخُذْهُ (یعنی جو چیز تمہارے پاس بلا انتظار نفس آجائے اس کو لے لو) تو جب تم میرے پاس سے گئے ہو اسوقت میرے دل میں یہ خطرہ گزرا تھا کہ تم کچھ لاؤ گے۔ یہ آدمی سلیقہ مند تھے کچھ بھی اصرار نہیں کیا اور کھانا لیکر اٹھ کھڑے ہوئے، جب انکی نگاہ سے دور ہو گئے تو پھر لوٹے اور آکر عرض کیا کہ اب تو یہ کھانا لینا آپ کو حدیث کے خلاف نہ ہوگا کیونکہ جب میں لیکر چلا ہوں اسوقت تو آپ کو مایوسی ہو چکی تھی۔ وہ بزرگ بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

ہم اگر ہوتے تو کہتے اجی حضرت خدا کے لئے لے لو۔ آجکل یہ بات بھی عمدہ خصلتوں میں شمار ہوتی ہے کہ بزرگوں پر ہدیہ قبول کرنے میں زور ڈالا جائے اور خوب اصرار کیا جائے یہ بالکل نامناسب

ہے۔ یہ عادت محمود نہیں۔ خدمت کے پچاس طریقے ہیں ہدیہ دینے ہی میں خدمت منحصر نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ ان بزرگ کی کیسی خالص نیت تھی اتنی آمیزش بھی نہ ہونے دی اس حکایت سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات جو بزرگ لوگ کسی کا ہدیہ نہیں لیتے اس کی کبھی یہ وجہ بھی ہوتی ہے اسلئے ہدیہ دینے والے کو یہ سمجھکر ناخوش نہونا چاہیئے کہ میرے ہدیہ کو حقیر سمجھا۔

دوسری حکایت حضرت حاتم اصمؒ کی ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک روپیہ لایا آپ نے پہلے تو انکار کردیا اور نہ لیا مگر جب اس نے اصرار کیا تو لے لیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اگر آپ کو لینا حرام تھا تو پھر کیوں لیا اور حلال تھا تو پہلے انکار کیوں کیا؟ فرمایا فتویٰ کے موافق تھا تقویٰ کے خلاف، پہلے میں نے انکار کیا مگر جب میں نے دیکھا کہ نہ لینے میں اسکی ذلت ہے اور میری عزت اور لینے میں اسکی عزت ہے میری ذلت تو میں نے اپنے بھائی کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دی اور لے لیا۔

حضرات! اگر بزرگانِ دین کبھی لیتے ہیں تو اس میں انکی یہ نیت ہوتی ہے۔ نہ انکے لینے پر اعتراض کرو نہ انکار پر مگر بشرطیکہ بزرگ ہوں بُزرگ نہوں ورنہ ؎

اینکہ می بینی خلاف آدم اند
نیستند آدم غلاف آدم اند

(یعنی جن لوگوں میں آدمیت کے خلاف باتیں دیکھتے ہو واقع میں آدمی نہیں بلکہ صورت میں آدمیوں کے مشابہ ہیں)
بہت سے لوگ آدمی کے مشابہ ہوتے ہیں مگر واقع میں آدمی

نہیں ہوتے اور پردہ شیطان ہوتے ہیں۔ تو جو شخص بزرگ ہو یعنی متبع سنت ہو، طالبوں پر شفیق ہو، منکرات سے بچتا ہو، اسکی صحبت سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہو، اسکے سب افعال خلوص پر مبنی ہوتے ہیں۔ تو میں نے یہ چند حکایتیں بیان کردی ہیں ان کو یاد رکھئے اور اگر ایسے لوگوں کی صحبت میسر ہو جائے تو اسکو غنیمت سمجھکر حاصل کیجئے اس وقت دیکھئے گا کہ آپ کو خود ایسے امور کی تمیز ہو جائیگی۔

بہرحال میں نے اخلاص کی ماہیت بھی بتلادی اور طریقہ بھی بتلادیا اور علاج بھی بتلادیا اب آگے کرنا آپ کا کام ہے خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ توفیق عمل عطا فرمادیں۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

والدین کی خدمت جنت کا ذریعہ

(۲)

ہمارے حضرت والا ایک عجیب بات بیان فرمایا کرتے تھے یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ دین وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام ہے، یہ دیکھو کہ اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ وہ کام انجام دو لہٰذا اگر وقت کا تقاضہ والدین کی خدمت ہے پھر جہاد بھی اسکے آگے بے حقیقت ہے، تبلیغ بھی اسکے آگے بے حقیقت ہے، پھر نماز باجماعت بھی اسکے آگے بے حقیقت ہے چاہے ان سب عبادات کے اپنے فضائل کتنے زیادہ ہوں۔ اسلئے ہمیشہ اس حقیقت کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

والدین کی خدمت گزاری کی اہمیت

والدین کی خدمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا کہ والدین کی خدمت ساری عبادتوں پر مقدم ہے چنانچہ قرآن کریم میں والدین کی خدمت کے بارے میں ایک دو نہیں بلکہ متعدد آیات نازل فرمائیں چنانچہ ایک آیت میں ارشاد فرمایا کہ

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا

یعنی ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھائی کرنے کی نصیحت

کی کہ والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔ اور ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

(الاسراء : ۲۳)

(یعنی ایک یہ کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور دوسرے یہ کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو)۔ دیکھئے اس آیت میں والدین کیساتھ حسن سلوک کو توحید کیساتھ ملا کر ذکر کیا کہ اللہ کے ساتھ توحید اور والدین کے ساتھ حسن سلوک گویا کہ توحید کے بعد انسان کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

جب والدین بوڑھے ہو جائیں

پھر اسکے آگے کیا خوبصورت انداز میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا

(الاسراء : ۲۳)

(یعنی اگر تمھاری زندگی میں تمھارے والدین بڑھاپے کو پہونچ جائیں تو پھران والدین کو کبھی "اُف" بھی مت کہنا) اور بڑھاپے کا ذکر اسلئے کیا کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو بڑھاپے کے اثر سے بعض وقت ذہن نارمل نہیں رہتا اور اسکی وجہ سے بعض اوقات غلط سلط باتوں پر بھی اصرار کرتے ہیں اس لئے خاص طور پر بڑھاپے کا ذکر کیا کہ چاہے ماں باپ وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو تمھارے خیال میں غلط اور ناحق ہی کیوں نہ ہوں لیکن تمھارا کام یہ ہے کہ "اف" بھی مت کہو۔ اور ان سے جھڑک کر بات نہ کرنا اور ان سے ہمیشہ عزت کے ساتھ بات کرنا اور آگے

فرمایا کہ :-

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا
كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا　　(الاسراء ۲۴) -

"اور انکے سامنے اپنے کو ذلیل کر کے رکھنا اور یہ دعا مانگتے رہنا کہ یا اللہ! انکے اوپر رحمت فرمائیے جس طرح انھوں نے بچپن میں مجھے ... تھا" بڑھاپے کے اندر اگر ماں باپ کے مزاج میں ذرا سا چڑچڑاپن پیدا ہو گیا تو اس سے گھبرا کر "اف" مت کہو اسکا خاص طور پر ذکر فرمایا۔

سبق آموز واقعہ

میں نے ایک کتاب میں ایک قصہ پڑھا تھا معلوم نہیں سچا ہے یا جھوٹا لیکن بڑا سبق آموز واقعہ ہے وہ یہ کہ ایک صاحب بوڑھے ہو گئے انھوں نے اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلا کر فاضل بنا دیا ایک دن گھر کے صحن میں باپ بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک کوا گھر کی دیوار پر آکر بیٹھ گیا تو باپ نے بیٹے سے پوچھا کہ بیٹا یہ کیا چیز ہے؟ بیٹے نے کہا ابا جان یہ کوا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر باپ نے پوچھا بیٹا یہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا ابا جان یہ کوا ہے۔ پھر جب تھوڑی دیر گزر گئی تو باپ نے پوچھا کہ بیٹے یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا ابا جان ابھی تو آپ کو بتایا تھا کہ یہ کوا ہے۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد پھر باپ نے پوچھا کہ بیٹا یہ کیا ہے؟ اب بیٹے کے لہجے میں تبدیلی آگئی اور اس نے جھڑک کر کہا کہ ابا جان کوا ہے کوا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد باپ نے پوچھا کہ بیٹا یہ کیا ہے؟ اب بیٹے سے نہ رہا گیا اس نے کہا آپ ہر وقت ایک ہی بات پوچھتے رہتے ہیں ہزار مرتبہ کہہ دیا کہ یہ کوا ہے آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔ بہرحال اس طرح بیٹے نے باپ کو

ڈانٹنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باپ اپنے کمرے میں اٹھکر گیا اور ایک پرانی ڈائری نکال کر لایا اور اس ڈائری کا ایک صفحہ کھول کر بیٹے کو دکھاتے ہوئے کہا کہ بیٹا یہ ذرا پڑھنا کیا لکھا ہے؟ چنانچہ اس نے پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ آج میرا چھوٹا بیٹا صحن میں بیٹھا ہوا تھا اور میں بھی بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک کوا آ گیا تو بیٹے نے مجھ سے پچیس مرتبہ پوچھا کہ ابا جان یہ کیا ہے؟ تو میں نے پچیس مرتبہ اسکو جواب دیا کہ بیٹا یہ کوا ہے اور اس ادا پر بڑا پیار آیا۔ اسکے پڑھنے کے بعد باپ نے کہا کہ بیٹا دیکھو باپ اور بیٹے میں یہ فرق ہے۔ جب تم بچے تھے تو تم نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا اور میں نے ۲۵ مرتبہ بالکل اطمینان سے نہ صرف جواب دیا بلکہ میں نے اس بات کا اظہار کیا کہ مجھے اسکی ادا پر بڑا پیار آیا۔ آج جب میں نے تم سے صرف ۵ مرتبہ پوچھا تو تمہیں اتنا غصہ آگیا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

بہرحال اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ بات یاد رکھو کہ بڑھاپے کی عمر تک پہونچنے کے بعد ماں باپ کے اندر تھوڑا سا چڑچڑاپن بھی پیدا ہو جائے گا انکی بہت سی باتیں ناگوار بھی معلوم ہوں گی لیکن اسوقت تم یہ یاد رکھنا کہ تمھارے بچپن میں اس سے کہیں زیادہ ناگوار باتیں تمھارے ماں باپ نے برداشت کی ہیں لہٰذا تمھیں بھی انکی ناگوار باتوں کو برداشت کرنا ہے یہاں تک کہ اگر ماں باپ کافر بھی ہوں تو انکے بارے میں بھی قرآن کریم نے فرمایا:۔

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا

(لقمان: ۱۵)

"یعنی اگر تمہارے والدین کافر مشرک ہوں تو پھر شرک میں تو انکی اطاعت مت کرنا لیکن عام زندگی کے اندر ان کے ساتھ حسن سلوک پھر بھی ضروری ہے اسلئے کہ اگرچہ وہ کافر ہے لیکن تمھارا باپ ہے۔ تو والدین کی اطاعت اور انکے ساتھ حسن سلوک کی اتنی تاکید فرمائی ہے۔ آج دنیا ہر معاملہ میں الٹی جا رہی ہے ابتو باقاعدہ اس بات کی تربیت دی جارہی ہے کہ والدین کی اطاعت، انکا احترام، انکی عظمت کا نقش اولاد کے دلوں سے مٹا دیا جائے۔ اور باقاعدہ اسکی تربیت ہو رہی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ماں باپ بھی انسان ہیں اور ہم بھی انسان ہیں ہم میں اور ان میں فرق کیا ہے انکا ہم پر کیا حق ہے۔

جب انسان دین سے دور ہو جاتا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے، اور آخرت کی فکر ختم ہو جاتی ہے تو اس وقت اس قسم کی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔

والدین کی نافرمانی کا وبال

بہرحال یہ عرض کرنا تھا کہ والدین کی اطاعت واجب ہے اگر والدین کسی کام کا حکم دیں تو وہ کام کرنا اولاد کے ذمہ شرعاً فرض ہو جاتا ہے اور بالکل ایسا فرض ہو جاتا ہے جیسا کہ نماز پڑھنا فرض ہے بشرطیکہ ماں باپ جس کام کا حکم دے رہے ہوں وہ شرعاً جائز ہو۔ اور اگر اولاد وہ کام نہ کرے تو یہ ایسا گناہ ہے جیسا نماز چھوڑ دینا گناہ ہے اسی کو "عقوق الوالدین" کہا جاتا ہے یعنی والدین کی نافرمانی۔ وہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ والدین کی نافرمانی کا وبال یہ ہوتا ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا

عبرت ناک واقعہ

ایک شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ اسکی موت کا وقت آگیا اور نزع کا وقت ہے سب لوگ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لے مگر زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوتا چنانچہ لوگ ایک بزرگ کو لائے اوران سے پوچھا کہ اسکا کیا حل نکالا جائے اسکی زبان پر کلمہ نہیں جاری ہورہا ہے، ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر اسکی والدہ یا والد حیات ہوں تو انسے اسکے لئے معافی مانگو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے والدین کی نافرمانی کی ہے اسکے نتیجہ میں اس پر یہ وبال آیا ہے۔ اور جب تک انکی طرف سے معافی نہیں ہوگی اس وقت تک اسکی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوگا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ والدین کی نافرمانی کرنا اور انکا دل دکھانا کتنی خطرناک اور وبال کی چیز ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر قدم پر اپنی تعلیمات میں والدین کا احترام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا کا لحاظ رکھا جو صحابی آپ سے مشورہ کرنے آتے تو آپ ان کو حسن سلوک کا مشورہ دیتے۔

علم کے لئے والدین کی اجازت

ہمارے یہاں دارالعلوم میں بعض مرتبہ بعض طالبعلم داخلے کے لئے آتے ہیں انکو پڑھنے کا شوق ہے عالم بننے اور درس نظامی پڑھکر فارغ التحصیل ہونے کا شوق ہے لیکن جب ان سے پوچھا جاتا کہ والدین کی اجازت سے آئے ہو؟ تو معلوم ہوتا کہ والدین کی اجازت کے بغیر آئے ہیں اور وہ یہ کہتے کہ ہم کیا کریں والدین ہمیں اجازت نہیں دے رہے تھے اسلئے ہم بغیر اجازت کے چلے آئے ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ یاد رکھیں مولوی بننا کوئی فرض نہیں

والدین کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ ہاں اگر والدین اتنا علم بھی حاصل کرنے سے روک دیں جس سے انسان ایک مسلمان جیسی زندگی گزار سکے مثلاً نماز کا طریقہ سیکھنے سے روکیں تو اس صورت میں والدین کی اطاعت نہیں لیکن مولوی بننا (پورے دین کا علم حاصل کرنا) فرض و واجب نہیں لہٰذا جب تک والدین اس کی اجازت نہ دیں اس وقت تک وہ نہ کرے اور اگر اجازت کے بغیر مولوی بننے میں لگے گا تو وہی بات ہوگی جو ہمارے حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا یہ دین کا کام نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جنت حاصل کرنے کا آسان راستہ

یاد رکھو جب تک والدین حیات ہیں تو وہ اتنی بڑی نعمت ہیں کہ اس روئے زمین پر انسان کے لئے اس سے بڑی نعمت کوئی اور نہیں جیسا کہ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ماں باپ کو محبت اور پیار کی نظر سے دیکھ لو تو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ہے اسی لئے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردود ہو وہ شخص جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر وہ انکی خدمت کر کے اپنے گناہ معاف نہ کرالے، اسلئے کہ اگر ماں باپ بوڑھے ہیں تو جنت حاصل کرنا اتنا آسان ہے جسکی کوئی حد نہیں بس ذرا سی انکی خدمت کر لوگے تو انکے دل سے دعا نکل جائے گی اور تمھاری آخرت سنور جائیگی بہانے بہانے سے تم جنت کما سکتے ہو۔ بہر حال والدین جب تک حیات ہوں انکو نعمت سمجھکر انکی قدر کریں اسلئے کہ جب والدین اُٹھ جاتے ہیں تو اس وقت حسرت ہوتی ہے کہ ہم نے زندگی کے

اندر انکی کوئی قدر نہ کی، انکے ساتھ حسن سلوک کر کے جنت نہ کمالی
بعد میں افسوس ہوتا ہے۔

والدین کی وفات کے بعد تلافی کی صورت اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ والدین کے مرنے کے بعد اولاد کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہم نے کتنی بڑی نعمت کھو دی اور ہم نے اسکا حق ادا نہ کیا اسکے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک راستہ رکھا ہے فرمایا کہ اگر کسی نے والدین کے حقوق میں کوتاہی کی ہو اور ان سے فائدہ نہ اٹھایا ہو تو اسکی تلافی کے دو راستے ہیں ایک انکے لئے ایصال ثواب کی کثرت کرنا، جتنا ہو سکے انکو ثواب پہنچائیں صدقہ دیکر ہو یا نوافل پڑھکر ہو یا قرآن کی تلاوت کر کے ہو، اسکے ذریعہ اسکی تلافی ہوجاتی ہے دوسرے یہ کہ والدین کے جو اعزہ اقرباء، دوست احباب ہیں انکے ساتھ حسن سلوک کرے اور انکے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے جیسا باپ کے ساتھ کرنا چاہیئے اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کی تلافی فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اسکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(جاری)

مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہ

مکتوبات اصلاحی

(مکتوب نمبر ۸۶۶)

حال: حضرت والا کی دعاؤں کی برکت سے الحمدللہ معمولات پورے کر لیتا ہوں۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: نوازش نامہ پاکر بے حد مسرور ہوا تحقیق: الحمدللہ

حال: یہ اس کریم و رحیم کا اس عاصی پر خاص فضل ہے جو اپنے مخصوص بندے کی محبت اور دعا سے نوازا اس پر جتنا بھی شکر کروں کم ہے۔ تحقیق: بیشک۔

حال: حضور والا! آج کی شب میں نے ایک خواب دیکھا جو تحریر کر رہا ہوں۔ حضور والا غریب خانہ پر تشریف لائے ہیں لیکن مغموم ہیں اور یہ فرمایا کہ جو کام تم کو سپرد کیا اسکے تم اہل نہیں تھے احقر نے کہا بیشک یہ کام میرے بس کا نہ تھا حضور کا حکم ہوگیا کرنے لگا واقعی عاصی بالکل ناکارہ ہے اس سے یہ کام نہو پائے گا۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا جو کچھ تمکو دینا چاہتا ہوں وہ تم نہیں لے رہے ہو نہ کچھ کام کر رہے ہو۔ اس نے کہا اسکی کون سنتا ہے پھر اسکو استعداد بھی نہیں ہے نہ سلیقہ ہی ہے کیا کروں شرمندہ ہوں۔ حضور والا نے فرمایا کہ صرف ہمارے آدمی تمھارے پاس وہی آتے ہیں جنکو میں جانتا ہوں جو نہیں آتے ہیں انکو بھی خوب جانتا ہوں۔ احقر نے کہا حضور پھر یہ کام مجھ سے لے لیا جائے تبلیغ کا کام آسان تو ہے نہیں

، ہمارے بس کا نہیں۔ حضور والا نے سکوت اختیار فرمایا
دن جھکا لی۔ تحقیق : بہت صحیح خواب ہے اسلئے کہ آپ
پنے کو کامل نہ سمجھیں۔
ل : ہماری آنکھ کھل گئی ۴ بجنے کو ۱۰ منٹ باقی تھے اس وقت
سے ایک وحشت طاری ہے، خوف خدا غالب ہے پریشان ہوں
یا کروں۔ تحقیق : پریشاں نہوں صرف اپنے کو کامل نہ سمجھیں۔

(مکتوب نمبر ۸۹)

ل : والا نامہ جمعہ کے دن شرف صدور لایا، فرط مسرت سے وجد
کی سی حالت محسوس کر رہا تھا۔ تحقیق : الحمد للہ
ل : ایک تو اس ارشاد سے کہ میں نے دریافت کیا کہ کسی اپنے ایسے
مخصوص کو جس پر پورا اعتماد ہوتا ہے کہ یہ ہماری بات کو قبول
کرلے گا تاہم اپنے شیخ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دینے میں جھجھک
ہوتی ہے اسکی وجہ کم ہمتی ہے یا غیرت؟ تو حضرت والا نے
تحریر فرمایا ہے کہ دونوں نہیں، اعتماد نہیں ہوتا کہ صحیح سمجھیں یا غلط۔
سبحان اللہ میں تو بے اختیار اچھل پڑا کہ جس کو میں پورا اعتماد سمجھ رہا
ہوں وہ اعتماد کی صورت ہے حقیقت اعتماد نہیں ہے۔ تحقیق:
بیشک۔
سوال : کیونکہ جس پر ہر طرح سے اعتماد ہو اور وہ بھی حقیقی تو پھر جھجھک
کے کیا معنی؟ ساتھ ہی اسکی عینی شہادت و ثبوت بھی حضرت والا
کے نامہ سے ایک دو دن قبل مل بھی گئی۔ تحقیق : الحمد للہ
سوال : حضرت والا کی جوتیوں کے صدقہ سے موقع پر اب ایسی باتیں
کچھ کچھ سمجھ میں آرہی ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ تھا کہ مولوی ۔۔۔

صاحب سلمہٗ حضرت والا کی خدمت میں خط لکھے ہیں جواب آنے کے بعد انھوں نے مجھے دکھایا تو مجھے ان سے بہت تعجب ہوا میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ اس قسم کا خط لکھیں گے میں نے ان سے کہا کہ تقریباً چھ سات سال کے عرصہ سے حضرت والا کی تصانیف ملفوظات، مکتوبات وغیرہ وغیرہ اور طرز تعلیم و تربیت کا رات دن چرچا تذکرہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے کانوں میں پڑ رہا ہے ایسا کہ اگر آپ بالفرض کسی شیخ کی خدمت میں خود جاکر چند دن انکو سمجھنے کی غرض سے رہیں بھی تو اتنی واقفیت نہیں ہو سکتی جس قدر حضرت والا سے واقف ہونے کا سامان یہاں آپ کے سامنے رہا ان تمام باتوں سے بھی کچھ نہیں ہوا تو پھر کیا دو چار خط لکھکر آپ سمجھ جائیں گے؟ اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو آپ کو خط لکھنے سے منع کر دیتا اور کہتا کہ وہاں جائیے جہاں طالب کو مطلوب اور مطلوب کو طالب اور تابع کو متبوع اور متبوع کو تابع بنانا طریق کے خلاف نہو۔ جانچنے اور امتحان لینے کا طریقہ اور وہ بھی انھیں کے منہ پر کہکر کہ "میں آپ کو جانچنا چاہتا ہوں جس شیخ کو طریق اور تربیت باطنی سے مناسبت ہوگی کبھی بھی اسکے لئے آمادہ نہیں ہوگا۔ تحقیق: بیشک۔

حال: حقیقت یہ ہے کہ آجکل ہم جیسے اہل علم کہلانے والوں کے اندر علم کا گھمنڈ انتہائی درجہ کا ہوتا ہے کسی پر اعتماد ہی نہیں رہتا ؂

ہم پیروئ قیس نہ فرہاد کریں گے
اک طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

ہمارا حال ہے۔ پھر سلوک کی طرف مائل ہوکر چند دن کچھ کہنے لگتے ہیں۔ تو یہاں تو اول قدم ہی سے اپنے کو مٹانا ہے۔ تحقیق: بیشک۔

سال ؛ اب تو بجائے مٹانے کے پندار پیدا ہونے لگتا ہے کہ اب تو باطن بھی درست ہونے لگا ہے میں آپ سے دریافت کرتا ہوں ابتداءً جب آپ اپنے سابق شیخ کی طرف رجوع کئے تھے تو کیا آپ نے اس وقت بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ آپ نے حفظ قرآن کے سلسلہ کے استاد مرحوم کو دیکھا کہ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے خط وکتابت کر رہے تھے تو اس وقت نہ علم کا گھمنڈ تھا نہ سلوک کا کچھ راستہ طے کرنے کا پندار رہی تھا۔ آپ اپنے کو ایک ناچیز محض سمجھ رہے تھے، استاد مرحوم پر اعتماد تھا آنکھ بند کرکے شیخ کو اختیار کر لیا۔ اب سمجھ رہے ہیں کہ خود اپنے پاس کسوٹی موجود ہے۔ ایسے بڑے بڑے شیوخ کاملین محققین کو جنکے متعلق شیوخ معاصرین کاملین تک شیخ وقت ہونے پر شہادت دیتے ہوں پرکھنے کی لیاقت واہلیت ہے تو پھر کسی پر کیوں اعتماد کریں گے۔ یہ ہے اصل حقیقت۔ یہ سنکر بڑے پریشان ہوئے کہنے لگے کہ تیرے دل کو رنج ہوا ہے تو معاف کر دے۔ میں نے کہا کہ بھائی اپنے ہونے کی وجہ سے یہ سب کچھ خیرخواہانہ صاف صاف کہنا پڑتا ہے ورنہ آپ نے میرا کیا نقصان کر دیا ہے۔ تحقیق: بیشک

دوسرے دن حضرت کا والا نامہ پہونچا اس میں حضرت والا کا ارشاد ہے انکا خط آیا، تین مجاز سے خط وکتابت کرنے بعد خود فیصلہ کرینگے انکا فیصلہ جبکہ کامل نہیں ہیں کیا مفید ہو سکتا ہے اور بندہ مقابلہ کا امتحان دینا نہیں چاہتا لہٰذا خدمت سے معذور ہوں۔ اور سنیئے! اس طریقہ کا حاصل کیا ہے یہی نا کہ اعتبار کریں مشائخ کا طرز تربیت میں مہارت کا۔ ادھر شیوخ کاملین مشائخ کو مریدین کے اعتبار کا حکم دیتے ہیں کہ مشائخ کو اعتبار کرنا چاہیئے کسی کو قبول کرنے میں۔ اب

کا اعتبار صحیح ہے؟ تربیت نہایت دقیق چیز ہے۔ خاصکر نفس کی
ہیں مشائخ تک عاری ہیں پھر بے چارہ طالب کیا چیز ہے اسکی
ئے کب صحیح مانی جا سکتی ہے۔ مشائخ کو تیقظ لازم ہے اور
نظ کا محل یہی امور ہیں، تربیت زمانہ سے اٹھ گئی اسلئے کسی کا
ید کامل نہیں بلکہ معتقد بھی نہیں۔ اب بتلائیے کہ آپ کیا سمجھے؟"

ہیں یہ سمجھا کہ اس طرح سے متعدد شیوخ سے خط وکتابت
کے دیکھنے کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ ان میں سے کون تربیت میں
ہر ہے یہ جانچنا ہے اور تربیت اتنی دقیق چیز ہے خاصکر نفس کی
بیت غالباً اسکا مطلب یہ ہے کہ نفس سے رذائل کا ازالہ کرکے محبت کے
زکو دل سے تجاوز کرکے نفس تک پہونچانا ہے جیسا حضرت والا
نے "مضمون ذکر" میں ایک جگہ فرمایا ہے " اب ہم جو دیکھتے ہیں کہ باوجود
شق ہونے کے نفس کی مزاحمت ختم نہیں ہوتی تو اسکی وجہ یہ ہے
عشق صرف قلب ہی تک پہونچا ہوتا ہے نفس تک اسکی رسائی
بھی نہیں ہوئی ہوتی" کہ مشائخ تک نفس کی تربیت میں عاری ہیں۔
ایسی دقیق چیز میں شیخ ماہر ہے یا نہیں یہ بے چارہ طالب جبکہ اسکو
بھی تربیت کی ہوا تک نہیں لگی کیا خاک پرکھ سکیگا۔ اور ادھر
شیوخ کاملین مشائخ کو حکم دیتے ہیں کہ کسی کو مرید بنانا ہو تو اول
سکو جانچ لو کہ طالب صادق ہے یا نہیں وغیرہ۔ تو اب ادھر طالب
یخ کو جانچنے میں ہے ادھر شیخ طالب کو جانچنے میں تو پھر کس کے جانچنے
صحیح قرار دیا جائیگا؟ طالب کا یہ منصب ہی کب ہے۔ تحقیق:
یشک یہی بات ہے۔ اسکو فن سے کیا مناسبت؟ کسی اسکول یا کسی دینی
درسہ میں اسکا رواج ہے۔ پھر یہ طریق کیوں مبتذل ہے۔
ل: اگر اس طریقہ کے مطابق کوئی شیخ طالب کو جانچنے کیلئے موقع

دے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ طالب مطلوب اور مطلوب طالب ہوگیا
تابع متبوع بن گیا اور متبوع اسکا تابع بن گیا۔ یہ اشکال ہے اس
طریقہ میں تو پھر مشائخ کو تیقظ کی کس قدر ضرورت ہے یہ نہیں کہ
کسی طریقہ میں کتنے ہی اشکالات پیدا ہوتے ہوں محض اس وجہ سے
کہ وہ طریقہ کبھی مشائخ سے منقول ہے جھٹ اس کے مطابق گو
اپنا امتحان طالب کو دینے کے لئے تیار ہو جائے کیا یہ قلب موضوع
نہ ہوگا۔ تحقیق: بیشک۔

حال: جبکہ ایسے طریقے بھی ہیں جس میں کسی قسم کا اشکال نہیں
جیسا کہ حضرت والا نے "تلاش مرشد" میں تحریر فرمایا ہے۔ تربیت
ایسی کہ اس سے واقعتاً اور حقیقتاً کامل اصلاح ہو ہی جا
زمانے سے اٹھ گئی ہے تو پھر کسی کا کوئی مرید کامل کیسے ہو سکتا
ہے۔ اصلاح پاکر کامل ہونا کیا معنی؟ پہلی بات یہ ہے کہ فی الحقیقت
شیخ کے ساتھ اعتقاد اور اس پر اعتماد ہی اسکو نہیں ہوتا لیکن
ایسا اعتقاد اور اعتماد جو کہ استفاضہ کے لئے شرط ہے
تحقیق: بیشک

حال: الحمد للہ ثم الحمد للہ حضرت والا کی جو تیوں کے صدقہ بصیرت اور شرح صدر
کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اگر شیخ محقق کسی مرید کو مشائخ متقدمین
متاخرین میں سے کتنے ہی بڑے شیخ محقق کے متعلق خواہ وہ
اس مرید اور اسکے شیخ کی نظر میں کتنا ہی جلیل الشان ہو یہ کہے
کہ اس شیخ کی تصانیف اور اصول زہر قاتل ہیں یہ سنکر اس
مرید کے دل میں ذرا بھی شائبہ اعتراض کا، تنگی قلب کی محسوس
ہو تو ایسا مرید شیخ کا معتقد ہی نہیں اور طالب صادق نہیں
تحقیق: بیشک، بیشک۔

ال: یہ مطلب اس شیخ کا ہرگز ہرگز نہیں کہ وہ تصانیف اور
صوں فی الحقیقت ایسے ہیں معاذ اللہ بلکہ مطلب یہ ہے کہ فی الوقت
اس مرید خاص کی تربیت کے لئے اسکے لیے یہ حکم مخصوص ہے۔
تحقیق: آپ تو لکھ چکے ہیں کہ اسکا منصب نہیں پھر دوسرے کے منصب
میں دست اندازی کیسی، کیا طریق میں اسکی اجازت ہوسکتی ہے؟
ال: حضرت والا! میں نے جو کچھ سمجھا ہے وہ ٹھیک سمجھا ہے
یا نہیں؟ حضرت والا مناسب خیال فرمائیں تو حضرت والا مذکورہ بالا
اختیار مرید و اختیار شیخ پر کچھ مفصل ارشاد فرمائیں گے تو ہم خدام
کے لئے مزید بصیرت کا باعث ہوگا، خاص اس گوشہ سے متعلق
یہ ارشاد یہ ایک نئی چیز معلوم ہوئی حضرت والا نے شاید اسی کی
طرف "تلاشِ مرشد" میں اشارہ فرمایا ہے کہ اور طریقے بھی لکھے ہیں مگر اسمیں
طالبین کو کچھ اشکال ہو جاتا ہے۔ تحقیق: کیا ہو جاتا ہے؟ طالب
دوسرے ہیں، غیر طالب کا اعتبار نہیں۔

(تحقیق)

آپ نے جو باتیں لکھی ہیں ٹھیک ہیں مگر آپ سے کچھ باتیں اور
کہتا ہوں تاکہ آپ کے لئے مزید بصیرت کا موجب ہو۔ آجکل یہ مرض
عام ہوگیا ہے کہ محض تصوف کے مسائل معلوم کر لینے اور زبان
پر جاری کر لینے کو کافی سمجھتے ہیں، بزرگوں کی کتابوں سے انکے
الفاظ چرا لیتے ہیں اور لوگوں سے چرگتے ہیں حالانکہ یہ کچھ بھی نہیں
ہے، صوفیہ کے نزدیک کچھ وقعت نہیں ہے۔ ان لوگوں کی مثال
بہروپیوں جیسی ہے کہ حقیقت سے مس بھی نہیں اور ظاہر ایسا
کرتے ہیں جیسے سب کچھ حاصل ہی ہوگیا ہے اور لوگوں کو اسکو

یاد کراتے ہیں۔ جیسے حضرت عالمگیرؒ کے زمانے کے ایک بہروپیہ کا قصہ لکھتا ہوں۔ وھو ھذا۔

جب حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ تخت نشین ہوئے تو ہر قسم کے لوگ آئے سب کو انعامات تقسیم ہوئے، ایک بہروپیہ بھی حاضر ہوا حضرت عالمگیرؒ نے اسکو کچھ دینے سے انکار کیا کہ میں تمکو کس مد میں دوں اچھا ایسی شکل بناکر آؤ کہ ہم پہچان نہ سکیں وہ واپس ہو گیا پھر کئی مرتبہ صورت بدل کر آیا ہر مرتبہ عالمگیر نے پہچان لیا آخر جب عالمگیرؒ کے دکن کا سفر درپیش ہوا تو وہ پہلے ہی دکن چلا گیا اور پیر اور بزرگ کا بہروپ بھر کر کسی مقام پر بیٹھ گیا اور مسائل تصوف وغیرہ بیان کرنے لگا لوگ اسکی بزرگی کے بہت معتقد ہو گئے اور اسکی بزرگی لوگوں میں مشہور ہو گئی، جب عالمگیرؒ دکن تشریف لے گئے، تو چونکہ عالمگیرؒ کی عادت تھی کہ جہاں کہیں جاتے وہاں کے بزرگوں سے ملتے اور دعا کراتے تھے اسلئے حسب معمول لوگوں سے بزرگوں کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے اسی بہروپئے کے متعلق بتایا کہ فلاں مقام پر ایک بہت بڑے بزرگ ہیں بادشاہ نے وزیر کو بھیجا کہ جاکر دیکھو وزیر گیا اور اندازہ لگایا تو اپنی دانست میں بہت بزرگ سمجھا اور معتقد ہوا آکر عالمگیرؒ سے کہا کہ واقعی بزرگ ہیں تشریف لے چلئے بادشاہ گئے بہت معتقد ہوئے اور اشرفیوں کے توڑے پیش کئے، اس نے لینے سے سختی سے انکار کیا اور کہا میں کوئی دنیا دار ہوں مجھے اسکی پرواہ نہیں مجھکو اس سے کیا تعلق؟ بادشاہ جب واپس ہوا تو بہروپیہ آگے آیا اور آداب شاہی بجالایا بادشاہ کو بہت تعجب ہوا اور فرمایا، تمھیں تھے؟ حکم دیا کہ اسکو پانچ سو روپیہ دیا جائے، اس نے لے لئے۔ بادشاہ نے پھر سوال کیا کہ تم نے پانچ سو روپیہ

لے لیا اور اسوقت اتنی کثیر رقم دے رہا تھا تو نہیں لیا کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت! میں نے صوفیوں کا روپ بھرا تھا اگر میں روپیہ لے لیتا تو ان حضرات کی نقل پوری نہوتی اسلئے میں نے لینے سے انکار کیا۔

دیکھا آپ نے کہ بہروپئے کو تصوف کے مسائل کا علم تو تھا لوگوں سے بیان کرتا تھا لوگ معتقد بھی ہو گئے تھے مگر حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگی تھی اسی طرح آجکل لوگ صوفیہ کی جو دولت ہے اسکو حاصل نہیں کرتے محض انکی عبارات کو یاد ... کر لیتے ہیں حالانکہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

"نسبت صوفیہ غنیمتے است کبریٰ اما رسوم ایشاں ہیچ نمی ارزد"
(صوفیائے کرام کی نسبت سلسلہ ایک بیش بہا دولت ہے لیکن انکی (رسمی اور رواجی چیزیں) کوئی حیثیت نہیں رکھتیں)

جن لوگوں نے ان مسائل کو سیکھا ہے انکی غرض محض الفاظ یاد کرنا نہ تھا بلکہ وہ لوگ باطنی شئے کو حاصل کرتے تھے اسکے لئے بہت قربانیاں کرتے تھے محنت اور مجاہدہ کرتے تھے دنیا کو ترک کرتے تھے نفس کو چھوڑتے تھے تب یہ دولت جو سینہ بہ سینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چلی آرہی ہے ملتی تھی۔ یہ لوگ چونکہ بوالہوس ہیں کام سے گھبراتے ہیں مجاہدہ سپڑتا نہیں تو بس بیٹھے بیٹھے یہی کرتے ہیں کہ کچھ مسائل یاد کر لئے اور اہل اللہ کا امتحان لینا شروع کر دیتے ہیں اور اس میں گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ مشائخ نے لکھا ہے کہ "جو شخص ابھی طریق میں داخل نہیں ہوا ہے ہماری کتابوں کا اسکو دیکھنا جائز نہیں ہے" اسلئے کہ یہ عملی چیز ہے علمی نہیں، علم سے کچھ بھی نفع نہیں ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ سے اگر کوئی عالم تصوف وغیرہ کے متعلق سوال کرتے تو فرماتے یہ کوئی مدرسہ

سے بکرو خود معلوم ہو جائے گا ایسے لوگوں کو ڈانٹ دیتے تھے ۔ عجیب بات ہے جو لوگ کسی بزرگ کے پاس رہے ہیں انکو تو کچھ معلوم نہیں اور جن لوگوں نے محض انکی کتابوں کو دیکھا ہے وہ اسکے سب مناشی کو سمجھ گئے! کیا الٹی بات ہے ۔ اچھا تو تو میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کو سوالات ہی کرنے ہوں تو آدے اور سوالات کرنے دیکھیں ذلیل ہوتا ہے کہ نہیں ؟ بھائی سوال کرنا منع نہیں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے سوال کیا ہے مگر استفادہ اور استفاضہ کے لئے کیا ہے یہ جائز ہے مگر بطور تعنت اور عناد کے کرنا جائز نہیں ہے جہاں اس قسم کا سوال کیا گیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے ہیں جیسے روح المعانی میں حدیث ہے

عن ابی هريرة قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ايها الناس قد فرض الله تعالىٰ عليكم الحج فحجوا فقال رجل اكل عام يا رسول الله فسكت عليه الصلوٰة والسلام حتى قالها ثلاثا فقال صلى الله عليه وسلم لو قلت نعم لوجبت ولما استطعتم ثم قال ذرونى ما تركتكم فانما هلك من كان قبلكم بكثرة سوالهم واختلافهم على انبياءهم فاذا امرتكم بشئ فاتوا منه ما استطعتم واذا نهيتكم عن شئ فدعوه ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے وعظ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض فرما دیا ہے

سو تم حج کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا کیا ہر سال فرض ہے اے اللہ کے رسول۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش رہے یہانتک کہ اس شخص نے یہی بات تین دفعہ کہی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں "ہاں" کہدیتا تو وہ ہر سال واجب ہو جاتا اور تم اسکی طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا تم مجھے چھوڑے رہو جب تک میں تمھیں چھوڑے رہوں۔ کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ اپنے کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔

پس جب میں تمکو کسی بات کا حکم دوں تو اسے تابقدور بجالاؤ اور جب کسی چیز سے تمھیں روک دوں تو رک جاؤ۔

بخاری شریف میں ایسی ہی ایک حدیث ہے :-

عن الزهری قال اخبرنی انس بن مالك ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج فقام عبد الله ابن حذافة فقال من ابی فقال ابوك حذافة ثم اكثر ان يقول سلونی فبرك عمر على ركبتيه فقال رضينا بالله ربا و بالاسلام دينا وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبيا فسكت (بخاری شریف)

قال صاحب فتح الباری (قوله فقال رضينا بالله ربا) قال ابن بطال فهم عمر منه ان تلك الاسئلة قد تكون على سبيل التعنت والشك فخشى ان تنزل العقوبة بسبب ذلك فقال رضينا بالله ربا الى آخره فرضى النبى صلى الله عليه وسلم بذلك فسكت (فتح الباری ص۲۶۱)

امام زہریؒ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ مجھکو مجھے مالک بن انسؓ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے تو عبداللہ ابن حذافہ

کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ میرا باپ کون ہے ؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر آپ بار بار فرمانے لگے "پوچھو مجھ سے" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہا کہ ہم راضی ہیں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

صاحب فتح الباری نے فرمایا قولہ "رضینا باللہ ربا" ابن بطال کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اس قسم کے سوالات بنا بر سرکشی اور شک کے ہو رہے ہیں تو حضرت عمرؓ ڈر گئے کہ ایسا نہ ہو کہ اسکے باعث عذاب نازل ہو جائے تو فرمایا رضینا باللہ ربا الی اخرہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کی اس بات سے خوش ہو گئے اور خاموش ہو گئے۔ (فتح الباری ج۱ ص۱۲۶)

آپ نے سنا ہوگا کہ بڑے پیر صاحبؒ کے زمانہ میں ایک عالم ابن سقہ تھا وہ کچھ سوالات کرنے کے لئے بڑے پیر صاحب کی خدمت میں گیا حضرت نے اسکو دیکھکر فرمایا تمھارے چہرے پر شقاوت دیکھ رہا ہوں، اور تمھارا یہ سوال ہے اسکا یہ جواب ہے اسطرح اسکے ہر سوال کا جواب دیدیا۔ حضرت کے کہنے کے مطابق ہی انجام ہوا کہ لوگ اسکو مرنے کے وقت قبلہ رو کرتے تھے اور اسکا منہ مشرق کی طرف ہو جاتا تھا تو دیکھئے وہ عالم تھا علمی سوالات ہی کے لئے گیا تھا مگر امتحان لینے کے لئے گیا تھا از روئے شک و تعنت سوال کرنا چاہتا تھا اور ان پر علم کا اظہار کرنا چاہتا تھا اسلئے بڑے پیر صاحب ناخوش ہوئے اور بد دعا دیدی اور پڑ بھی گئی۔

بزرگوں کے پاس سنبھل کر جانا چاہیئے جب تک اعتقاد و یقین

نہ ہوگا کچھ نفع نہ ہوگا بلکہ ضرر ہوگا۔ رسالہ قشیریہ میں ایک قصہ لکھا ہے جس کو نقل کرتا ہوں۔

سمعت الاستاذ ابا علی یقول وصف سهل ابن عبد الله رجلا بالولاية خبازاً بالبصرة فسمع رجل من اصحاب سهل بن عبد الله فاشتاق اليه فخرج الى البصرة فاتى حانوت الخباز فرآه يخبز وقد تنقب لمحاسنه على عادة الخبازين فقال فى نفسه لو كان هذا وليا لم يحترق شعرة بغير نقاب ثم انه سلم عليه وسأله شيئاً فقال الرجل انك استصغرتني فلا تنتفع بكلامي وابى ان يكلمه۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت سہل بن عبداللہؒ نے بصرہ کے ایک نانبائی کی ولایت کی تعریف کی تو سہل ابن عبداللہ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے سنا تو اس شخص کو اس نانبائی سے ملنے کا اشتیاق ہوا وہ بصرہ کو روانہ ہوا اور نانبائی کی دکان پر پہونچا اسے روٹی لگاتے دیکھا اور وہ چہرے پر نقاب (ڈھاٹا) لگائے ہوئے تھا تاکہ ڈاڑھی محفوظ رہے جیسا کہ نانبائیوں کی عادت ہوتی ہے، اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ شخص ولی ہوتا تو بغیر نقاب کے بھی اسکا بال نہ جلتا۔ پھر اس شخص نے انھیں سلام کیا اور کچھ دریافت کیا تو ان بزرگ نے اس شخص سے کہا کہ تم نے مجھکو حقیر سمجھا میرا کلام تمکو نفع نہ دیگا اور اس سے گفتگو کرنے سے انکار کر دیا

پچھلے ایسے شائک اور غیر معتقد سے کلام کرنا بھی گوارا نہ فرمایا۔ آپ نے اعتبار کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے تو سنیے:۔

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں

قولہ تعالیٰ:۔ لم اذنت لهم حتى يتبين

لك الذين صدقوا فيه ارشاد للشيوخ بالتيقظ في قبول اعذار المريدين اهي نشأت عن الحقيقة ام فيها فساد فكثير من المريدين يخدعون شيوخهم ويشيع فساده في كثير من امورهم فيختل نظامهم الديني كما نشاهده في زماننا هذا - (بیان القرآن)

اسکے اندر رہنمائی ہے شیوخ کے لئے مریدین کے اعذار قبول کرنے میں بیدار مغزی سے کام لینے کی کہ آیا یہ بات حقیقت سے ناشی ہے اور صحیح ہے یا اس میں فساد ہے کیونکہ اکثر مریدین اپنے شیوخ کو دھوکا دیتے ہیں اور اسکی وجہ سے انکے بہت سے امور میں فساد پھیل جاتا ہے اور اس سے انکا دینی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے جیسا کہ اس زمانہ میں ہم اسکا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

آداب الشیخ والمرید میں ہے :-

ومنها ان يجب على الشيخ ان لا يقبل مريداً حتى يختبره بان يعلم انه من طلاب الدنيا او الاخرة او طالب الله او هل هو من اهل الغفلة او التيقظ او هو محقق على بصيرة في الارادة او مقلد تابع لرسوم الخلق

انھیں آداب میں سے یہ بھی ہے کہ شیخ پر واجب ہے کہ کسی مرید کو قبول نہ کرے یہاں تک کہ اسے آزمالے اور جان لے کہ طالبان دنیا میں سے ہے یا طالبان آخرت سے یا وہ طالب مولیٰ ہے یا اہل غفلت سے ہے یا بیدار مغز اور سمجھدار ہے، ارادت میں بصیرت کے ساتھ محقق ہے یا مقلد ہے اور مخلوق کی رسومات کا تابع ہے۔

دیکھئے شیخ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کرنے سے پہلے

جانچے اور امتحان لے کہ دنیا کا طالب ہے یا آخرت کا محقق ہے یا مقلد۔ پس جو شیخ عارف کامل ہوگا وہ ضرور امتحان لے گا۔ اور طالب کو چاہیئے کہ اگر کسی سے تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کی تصانیف کو دیکھے اور اسکے متعلقین کا ملاحظہ کرے، جب پورا اطمینان ہو جائے تب اس سے خط و کتابت اور تعلق کا ارادہ کرے اسکی یہ صورت نہیں ہے کہ سوالات لکھکر انکا امتحان لے۔ یہ تو صریح بے ادبی ہے شیخ عارف متیقظ کب اسکو پسند کر سکتا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحؒ نے دس سال تک حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کو دیکھا جب کامل اطمینان ہو گیا تو حضرت مولانا قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں گئے اور کچھ پا بھی گئے۔ مولانا سید سلیمان صاحبؒ فرماتے تھے کہ جانے سے پہلے اطمینان کر لینا چاہیئے جب تعلق پیدا کر لیا تو اتباع کرنا چاہیئے۔

خبریں

ناظم اعلیٰ دارالعلوم ندوۃ العلماء بحمداللہ رو بصحت

۱۸ ر مارچ عالم اسلام کی مایۂ ناز شخصیت، محترم و قابل قدر ہستی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی صدر مسلم پرسنل لا بورڈ پر قدرے فالج کا حملہ ہوا مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فوری تدبیر و معالجہ سے مرض میں افاقہ ہوا اب طبیعت بحمداللہ رو بصحت ہے مقامی و غیر مقامی معالج کی نگرانی میں زیر علاج ہیں فی الحال دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں قیام پذیر ہیں۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی کی بیماری عالم اسلام بالخصوص محبین کیلئے بیحد تشویش و بےچینی کا باعث ہے ملک و بیرون ملک سے خیریت دریافت کی جارہی ہے نیز عیادت کیلئے لوگوں کی لکھنؤ حاضری ہو رہی ہے۔

---

۲۲ ر مارچ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کی علالت کی خبر سے مطلع ھو کر جانشین حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب مدظلہ الہ آباد سے لکھنؤ تشریف لے گئے اور حضرت مولانا کی عیادت کی اور جناب مولانا واضح رشید صاحب مولانا رابع صاحب، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی صاحب و مولانا عبداللہ عباس صاحب اور مولانا سید اجتبار صاحب ندوی و مولانا عبداللہ حسنی صاحب وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔

دوسرے دن ۲۳ ر مارچ کو الہ آباد کیلئے واپسی ہوئی خانقاہ مصلح الامت میں خصوصی طور پر حضرت مولانا کی صحت کے لئے دعائیں ہوئیں۔

انڈونیشیا کی سیاسی جماعت پی، ڈی، پی نے اپنے موجودہ نظریات کو خیرباد کہتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اسلامی نظریات کو اپنی سیاست کی بنیاد قرار دیا ہے پارٹی کو اسلامی شناخت کی واپسی کیجانب لیجانے کا فیصلہ پارٹی کی ایک میٹنگ میں کیا گیا ہے پارٹی کے رہنماؤں نے کہا کہ پارٹی کی اصل شناخت کو بحال کیا جانا ضروری ہے اسلئے کہ ۱۳ سال قبل حکومت کے دباؤ میں پارٹی کو سیکولرزم کیجانب لے جایا گیا تھا۔ واضح ہو کہ پی، ڈی، پی کو سرکاری طور پر منظور شدہ سیاسی پارٹی کی حیثیت حاصل ہے۔

حامل مضامین تصوف و عرفان و افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ: ۵ - محرم الحرام سنہ ۱۴۲۰ھ مطابق مئی سنہ ۹۹ء جلد: ۲۲

قیمت فی پرچہ آٹھ روپیہ سالانہ زر تعاون اسّی روپیہ ششماہی پینتالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیرہ سن: اسرار کریمی پریس حسین گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اعلان

رسالہ کا زر تعاون جنوری سنہ ۱۹۹۹ء سے مبلغ اسی روپیہ سالانہ کر دیا گیا ہے۔

مصلح الامت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ

مجالسِ علیگڈھ

(مجلسِ دوم)

امام فعّال کی ضرورت زیادہ ہے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو ممبر پر بیٹھکر کچھ زیادہ بولے نہیں یہ فرمایا کہ اَنْتُمْ اِلیٰ اِمَامٍ فَعَّالٍ اَحْوَجُ مِنْکُمْ اِلیٰ اِمَامٍ قَوَّالٍ یعنی تمھیں امام قوالؔ سے زیادہ امام فعالؔ کی ضرورت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ نہایت فصیح و بلیغ خطیب بھی تھے اسکی جانب اشارہ کرنا مقصود ہوگا کہ میں اگر اس درجہ خطیب نہیں ہوں تو کچھ حرج نہیں کیونکہ اس وقت تمھیں ضرورت امام فعال کی ہے اور میں امام فعال ہوں۔ اتنا فرمایا اور خاموش ہو گئے دیر تک خاموش رہے نہ بولتے تھے نہ کسی کی مجال تھی کہ اُٹھکر چلا جائے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاموش تو تھے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں پر نور کی بارش ہو رہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے ان سے اسی کی توقع تھی، خلیفہ کا کام نور پاشی ہی کرنا ہے اور حضرات صحابہؓ کو اسی

ؔ زیادہ بولنے والا۔ ؔ زیادہ کام کرنے والا

چیز کی ضرورت تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ایسا نہ تھا جسطرح آج تم لوگ مسلسل بولتے ہو بلکہ ھُوَ یَتَکَلَّمُ بِکَلَامٍ فَصْلٍ یعنی آپ لحظہ بہ لحظہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص ارشاد فرماتے ہوئے کلمات کو گننا چاہے تو گن سکتا تھا۔

عوام الناس کی بدمذاقی

آج اگر کوئی شخص اس قسم کا کلام کرے تو آپ لوگ اسکو فیل کر دیں میں جلسوں میں جاتا نہیں مگر لوگوں کے حالات کو جانتا ہوں کہ اسی کی توقع کرتے ہیں ایسا طرز بدل گیا ہے کہ اب عوام کی خاطر کلام کیا جاتا ہے اور کسی کو فیل پاس کرنا انھیں کے ہاتھ میں ہے۔ ایک صاحب وعظ فرمارہے تھے بیان ختم کے قریب تھا سامعین میں سے ایک صاحب کیا فرماتے ہیں کہ اب ان مولوی صاحب کا کوئلہ پانی ختم ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ عوام الناس خود جاہل ہوتے ہیں اگر ان سے کہدیا جائے کہ اچھا تمھیں وعظ کہدو یا امامت کردو یا تراویح میں قرآن سناؤ تو یہ کچھ نہ کر سکیں گے لیکن ہملوگوں کا امتحان لینے کے لئے تیار۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ عام طور سے تو یہ ہوتا ہے کہ ممتحن زیادہ قابل ہوتا ہے لیکن یہاں یہ لوگ ہیں کچھ نہیں مگر ہم لوگوں کا فیصلہ انھیں کے ہاتھ میں ہے۔ خود اگر ۵ منٹ بھی تقریر کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں مگر محض اپنی ہوائے نفسانی سے ایک دوسرے پر فضیلت (اور ترجیح) دیتے رہتے ہیں اسکا منشا محض ہوائے نفسانی ہے علم و فضل نہیں ہے۔ اسکو سنئے:۔
ایک چیز انسان میں اسکے نفس کی خواہش ہوتی ہے

جسکو ہوائے نفسانی بھی کہا جاتا ہے جسکی وجہ سے نفس اور طبیعت کے موافق چیزیں انسان کو پسند ہوتی ہیں کافروں کے اندر بھی یہی چیز تھی ادھر سے نصوص خداوندی آتے تھے جس کے مقابلے میں یہ لوگ اپنے نفس کو پیش کرتے تھے۔

ایک صاحب کسی جگہ تقریر کرنے گئے کچھ اصحاب جو ان سے کچھ اختلاف رکھتے تھے انکی تقریر میں شریک نہیں ہوئے انھوں نے یہ کیا کہ خوش گلو تو تھے ہی مثنوی پڑھنا شروع کیا اسکی آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ وہ سب بھی آکر بیٹھ گئے اور انکا بائیکاٹ ختم کر دیا۔ اسی کو ہوائے نفسانی کہتا ہوں کہ اسکی وجہ سے قرآن وحدیث کی جانب تو راغب نہیں ہوئے اور خوش الحانی کے ساتھ اشعار سنے تو ریجھ گئے۔ افسوس کہ آج ہملوگ اسی دور سے گذر رہے ہیں یعنی خوش الحانی پسند ہے قرآن شریف پسند نہیں۔ آج علم اور علمائے دین کے ساتھ لوگوں کا یہی معاملہ ہے کہ آپکی مرضی کے مطابق آپ سے کلام کیا جائے تو آپ پاس کریں ورنہ وہ فیل ہو جائے غرض آپکے معیار کے مطابق کسی عالم کا پاس ہونا بہت مشکل ہے اور اگر کوئی شخص آپکی مرضی کے مطابق پاس ہونا چاہے تو اسکو بہت دیر لگتی ہے جب تک وہ پاس ہو یا تو آپ ہی ختم ہو جائیں یا وہ ختم ہو جائے یہ اسلئے کہتا ہوں کہ میں اسکو جانتا ہوں، میں ایک جگہ گیا تھا وہاں کے لوگوں نے خواہش کی کہ میں کچھ بیان کروں لیکن ادھر ادھر چلا جاتا تھا مکان پر ٹھہرتا ہی نہیں تھا ایک دن مسجد میں لوگوں نے گھیر لیا اور بغیر میری اجازت کے اعلان کر دیا اب میں کشمکش میں پڑ گیا کہ اب کیا کروں اگر بیان کرتا ہوں تو لوگوں کی بد مذاقی کی

وجہ سے طبیعت نہیں چاہتی تھی اور اگر نہیں کرتا تو یہ لوگ کیا کہیں گے کہ اعلان کرا کے وعظ نہیں بیان کیا الزام مجھ ہی پر رکھیں گے، چنانچہ میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ بیان کیا اور اس میں حضرت عائشہؓ کی یہی حدیث بیان کرکے اسی پر وعظ کہا۔ میں نے کہا کہ میں یہاں ایک ضرورت سے آیا ہوں وعظ کہنے کے لئے نہیں آیا اور یہ بھی کہا کہ آپ کو جس چیز کا انتظار ہوگا میں اس قسم کا آدمی ہی نہیں ہوں آپ اس انتظار میں ہوں گے کہ ایک سانس میں بیس الفاظ بولے گا تو میں آپ کا یہ انتظار ختم کئے دیتا ہوں لہٰذا آپ مجھ سے اسکی توقع ہی نہ رکھئے آپ جس تسلسل اور روانی کو چاہتے ہوں گے میرے کلام میں آپ کو وہ نہ ملے گی، آپ کی اسی ایک چیز نے ہم لوگوں کا بھی ناس مار دیا ہے اسلئے کہ اس طرح سے ہم لوگوں نے آپ لوگوں کو راضی کرنے کے لئے اور اسلئے کہ آپ لوگ پسند کریں اور ہماری تعریف کریں یہ سب کام سیکھا ہے۔ پس تمہاری نیت تو ٹھیک ہے ہی نہیں کہ مقصود اس سے امتحان ہوتا ہے، مگر تمہاری فساد نیت کا اثر ہماری نیت پر بھی پڑا وہ یہ کہ ہم لوگوں نے بھی خدا کے لئے وعظ کہنا چھوڑ دیا اور اب ہمارا مقصود خدا کو راضی کرنا نہیں بلکہ ارضائے مخلوق (یعنی مخلوق کو خوش کرنا) ہوگیا ہے۔ اس مجمع میں مولوی صاحبان بھی موجود تھے اسکو سنتے تھے اور منہ پر رومال رکھکر ہنستے تھے۔

ایک مدرسہ میں ایک مولوی صاحب نور الانوار پڑھاتے تھے اور اچھا پڑھاتے تھے کہ ایک دن مہتمم صاحب انکے درس میں شریک ہوئے تاکہ استعداد دیکھکر انکو

ستقل کر دیں مگر کچھ ایسا اتفاق ہوا اس دن ایک مقام پر مولوی صاحب
بسا رکے کہ آگے چل ہی نہ سکے بہت کچھ زور لگایا حاشیہ وغیرہ
یکھا مگر وہ مقام حل نہوا ہم لوگوں نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ اب
کو پروانۂ تقرری نہ ملے گا، لوگوں نے مہتمم صاحب سے جا کر کہا
حضرت یہ اچھا پڑھاتے ہیں یہ اتفاقی ہی بات ہے کہ آج
پ کے سامنے نہ چل سکے، مہتمم صاحب نے کبھی معاملہ کی
عیت کو سمجھ لیا اور فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ اچھا پڑھاتے ہیں
ر آپ جو اس وقت بھول گئے تو یہ ایک اتفاقی ہے کبھی ایسا
ی ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ دیکھئے علم سکھلانا آسان نہیں ہے
ی طرح سے وعظ کہنا بھی آسان نہیں۔

ایک انگریز کلکتہ میں ایک مولوی صاحب سے عربی
ھتا تھا ایک مقام مولوی صاحب سے حل نہ ہو سکا انھوں نے
ا یہ نسخہ غلط معلوم ہوتا ہے دوسرا نسخہ منگوائیے چنانچہ
نگوایا گیا دیکھا تو اس میں وہی لفظ نکلا جیسا مولوی صاحب
رما رہے تھے اسپر وہ بہت خوش ہوا اور انکو شمس العلماء کا خطاب دلوایا۔

تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ علماء
اعتقادی ایک سخت مرض ہے کے ساتھ بدظنی اور سوء اعتقادی
بھی چیز نہیں ہے علم وعمل وغیرہ سب اعتقاد ہی سے حاصل
وتے ہیں، آدمی خواہ کتنا ہی بڑا ہو اعتقاد اگر صحیح نہ ہوگا
ا سکو کچھ فائدہ نہ ہو سکے گا یہ سوء اعتقاد بھی بڑا مرض ہے
لم بڑی مشکل سے آتا ہے جب استاد ہی کو نہ مانو گے بلکہ
س سے بد اعتقاد ہو جاؤ گے تو کیا حاصل کر لوگے اسی مدت

ں کوئی شخص طریقہ سے سیکھتا ہے تو بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے ورنہ مدتوں کہیں پڑا رہے اور کچھ نفع نہو۔ انبیاء علیہم السلام سے فائدہ ہوا ہے وہ معتقد ہی کو ہوا ہے۔ بداعتقادی نہایت ں سخت مرض ہے اسکے بارے میں ارشاد ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (انکے دلوں میں بڑا مرض ہے و اور بڑھا دیا اللہ تعالےٰ نے انکا مرض) انھیں لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے اور ایسے لوگ اس زمانہ مین بھی بہت ں۔

ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ فلاں صاحب کہتے تھے کہ ہم بہت سے مشائخ کے پاس جائیں گے اور انکو دیکھیں گے جو س ہو جائیگا اس سے تعلق قائم کریں گے چنانچہ وہ تمھارے س بھی آویں گے میں نے جب انکا نام سنا تو کہا ارے وہ صاحب آئے بھی اور چلے بھی گئے اور اب کسی دوسرے کے یہاں ہ نہیں جائیں گے۔ غرض لوگوں کو مشائخ سے نفع جو نہیں ہوتا سکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دلوں میں شک شبہہ لئے رہتے ہیں ور شک والا کامیاب نہیں ہوتا فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (انکے دلوں میں بڑا مرض ہے) میں یہاں مرض کی یہی تفسیر علماء نے بیان کی ہے (یعنی خلجان، شک، بداعتقادی وغیرہ)۔ یہی صاحب جب وطن میں میرے یہاں آئے تو انکے گھر میں بھی انکے ساتھ تھیں جب واپسی کے دن قریب ہوئے تو مجھے انکی یہ بات پہونچی کسی سے کہتے تھے کہ مجھکو وسوسہ آتا ہے میں نے اپنے دل میں سوچا کہ آخر انکو کیا وسوسہ آتا ہے؟ میں کم از کم انکے سامنے تو کوئی گناہ نہیں کرتا احتیاط ہی کے ساتھ رہتا ہوں

اس سے قبل انھوں نے مجھ سے وقت لیکر بعد عصر کچھ گفتگو کی تھی پھر بقیہ گفتگو بعد مغرب کی اور کچھ ہدیہ بھی پیش کیا تھا جس کو میں نے لے لیا تھا لیکن جب میں نے وسوسہ کے متعلق سنا تو صبح کی نماز سے قبل ایک صاحب کو بلاکر انکا ہدیہ واپس کردیا اور کہا کہ یہ کہیئے عطائے تو بہ لقائے تو آپکو یہی وسوسہ آتا ہوگا۔ اس پر بہت گھبرائے اور پاؤں تلے کی زمین نکل گئی، کہنے لگے کہ بتاؤں گا۔ چنانچہ کہنے لگے کہ وسوسہ یہ آتا تھا کہ کامل ہیں یا نہیں، میں نے کہا کہ جزاک اللہ۔ اب ہم اور آپ برابر ہوگئے، یعنی پہلے تو ہم آپ کے معتقد تھے اور آپ میری جانب سے شک میں تھے اور آپ کو ایک بات کا علم تھا اور میں اس سے عاری تھا اب جبکہ آپ نے بیان کردیا تو اس علم میں ہم اور آپ دونوں برابر ہوگئے اب ٹھیک ہے فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ (آپ وہ عہد انکو اس طرح واپس کردیجئے (یعنی اس طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع کردیجئے) کہ آپ اور وہ (اس اطلاع میں) برابر ہوجائیں) کا یہی مطلب ہے۔ یعنی ویسے تو نبذ (یعنی عہد کو ختم) نہ کریں گے لیکن جب کوئی بات خلاف ہوگی تو عہد کو نقض (اور ختم) کردیا جائے گا اور اسکی اطلاع کردی جائیگی۔ اس واقعہ کے بعد میں نے تو سمجھا تھا کہ شاید مجھ سے خفا ہوجائیں گے لیکن ایک مدت کے بعد انکا خط آیا میں نے جواب بھی دیا اور انکو یہ بھی لکھا کہ یہ بتائیے آپ کے وسوسہ کا مزاج کیسا ہے پھر انکا جواب آیا کہ الحمد للہ بالکل ختم ہوگیا اب خیال تک نہیں آتا۔

بہر حال فائدہ علماء ہی سے ہوتا ہے کم ہو یا زیادہ مگر لوگ کوئی چیز اندر لئے رہتے ہیں اسلئے نفع نہیں ہوتا اسی پر ایک واقعہ سنئے۔ اسی رمضان میں ایک طالب علم جو کہ حافظ قرآن تھا تراویح سنا رہا تھا لوگوں نے اسکی شکایت کی کہ انکو یاد نہیں ہے بہت بھولتے ہیں میں نے کہا کہ مجھے کچھ سناؤ، جب مجھے سنایا تو بالکل بھولے نہیں میں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے بتاؤ لوگ تو کہتے ہیں تم بھولتے بہت ہو لیکن مجھے جو تم نے سنایا وہ تو یاد ہے کہنے لگے وہاں لوگوں سے ڈر جاتا ہوں میں نے کہا کیوں ڈرتے ہو ان میں تو کوئی حافظ بھی نہیں۔ پھر میں نے انھیں ایک صاحب کے ہمراہ بھیجا اور ان لوگوں کے پاس کہلایا کہ ان کے بھولنے کی وجہ آپ ہی حضرات ہیں آپ لوگ انکو کیوں ڈراتے ہیں انکو ڈرانا تو بس کیجئے اور انکا ڈر نکال دیجئے۔ چنانچہ اسکے بعد وہ ٹھیک سے سنانے لگے۔

آپ سے کہتا ہوں کہ جب امام مقتدی سے ڈرنے لگے اور واعظ سامعین کا خوف کرنے لگے تو پھر وہ انکو کیا فیض پہونچا سکتا ہے۔ جو شخص کسی کام کے لئے کھڑا ہو اسکو منصب کا لحاظ کرنا چاہیئے نیز سامعین کا بھی ادب کرنا چاہیئے اور اس سے زیادہ سامعین کو اسکا ادب کرنا چاہیئے ادب نہایت ضروری چیز ہے۔ بے ادب بے نصیب با ادب بانصیب اگر کوئی شخص ادب کا مستحق نہ بھی ہو اور آپ نے اسکا ادب کیا تو کیا حرج ہے؟

سیدنا عثمان غنیؓ کے خطبہ کی وضاحت اس وقت کلام اس پر

اس پر چلا تھا کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں امام قوال نہیں ہوں بلکہ امام فعال ہوں - یہ فرما کر خاموش ہو گئے لیکن حاضرین پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ سناٹا چھا گیا اور نور کی بارش ہونے لگی اور آپ جب خطبہ دینے کے لئے ممبر پر تشریف لے گئے تو اوپر والی سیڑھی پر جا کر بیٹھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے - پھر آپ کے بعد جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو حضرت صدیق رضؓ اس سے نیچے والی سیڑھی پر بیٹھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقت آیا تو آپ نے سب سے نیچے والی سیڑھی پر بیٹھکر خطبہ ارشاد فرمایا - حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سب سے اوپر والی پر بیٹھا ہوا دیکھکر لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ سب سے اوپر والی پر کیوں بیٹھے ؟ آپؓ نے فرمایا کہ بھائی میں اگر تیسری والی سیڑھی پر بیٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ حضرت عمرؓ کی برابری کرنا چاہتے ہیں اور دوسری سیڑھی پر بیٹھتا تو حضرت صدیق رضؓ کے ساتھ مساوات کا گمان کیا جاتا لیکن جب سب سے اوپر والی پر بیٹھا تو اسکا تو احتمال ہی نہ تھا کہ یہ گمان کیا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کرنا چاہتے ہیں اسلئے کہ کوئی امتی نبی کے برابر ہو ہی کب سکتا ہے - مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں اس واقعہ کو لکھا ہے اور اسکے بعد فرماتے ہیں ؎

شیخ نورانی ز رہ آگہ کند   باسخن ہم نور را ہمرہ کند

چونکہ وہ شیخ ہے اسلئے راستہ بتاتا ہے اور چونکہ نورانی ہے اسلئے نور بھی ہمراہ کر دیتا ہے ، اپنے کلام سے کان کو مستفید کرتا ہے اور نور سے دل کو -

تلاش گمشدہ کی ترغیب

میں ایک جگہ گیا تھا تو وہاں میں نے کہا کہ آپ لوگوں کو تو یہاں میرے آنے پر تعجب ہوتا ہی ہوگا خود مجھے بھی تعجب ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں آپ کے رفع تعجب کے لئے کہتا ہوں کہ میں آپ لوگوں کو دیکھنے کے لئے یہاں آیا ہوں اس سے وہ لوگ سمجھے کہ ہماری دینداری دیکھنے کے لئے آئے ہیں میں نے وہاں یہ بھی کہا تھا کہ آپ بھی اتنا محسوس کرتے ہوں گے کہ ہم سے کوئی چیز نکل گئی ہے اور ہر شخص کو اس گم شدہ چیز کی تلاش ہے تو میں نے کہا کہ جب ایسا ہے تو آؤ اسکو تلاش کیا جائے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ آج ظاہری نماز و روزہ تو کچھ موجود ہے لیکن دین کی روح، للّٰہیت، خلوص صفائی باطن یہ سب چیزیں نہیں رہیں یعنی ظاہر تو موجود ہے باطن ختم ہو چکا ہے، بس ایک خشک چیز رہ گئی ہے لیکن میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ لوگ اپنے اس خلا (اور کمی) کو محسوس بھی کر رہے ہیں اور میں نے آپ کا بھی تذکرہ کیا تھا کہ جس چیز کو آپ محسوس کر رہے ہیں اسکو علیگڈھ کے لوگ بھی محسوس کر رہے ہیں چنانچہ زبانوں پر آنے لگا ہے کہ روحانیت کی ضرورت ہے اور الحمد للہ کہ عام مسلمانوں میں بھی ایک حرکت دیکھ رہا ہوں لیکن بات یہ ہے کہ کوئی کام بغیر استاد کے نہیں ہوتا تاہم جس خدا نے حرکت پیدا کر دی ہے وہ کسی استاد سے بھی ملا دیگا۔

(حاضرین میں سے ایک صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا)

یہاں قریب تشریف لائیے آپ ہی بہت خوش تھے نا کہتے تھے کہ پیاسے کے پاس کنواں آگیا ہے تو اسکے متعلق سنئے مولانا روم

فرماتے ہیں ؎ آب کم جو تشنگی آور بدست

تا بجو شد آبت از بالا و پست

(پانی نہ تلاش کرو بلکہ اپنے اندر پیاس و طلب پیدا کرو تاکہ پانی تمہارے نیچے اور اوپر سے خود ابلنے لگے)

تشنگاں گر آب جویند در جہاں

آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(پیاسے لوگ اگر دنیا میں پانی تلاش کرتے ہیں تو (سمجھ لو) کہ پانی بھی پیاسوں کو تلاش کرتا ہے۔)

دیکھا آپ نے! جو طالب ہوتا ہے وہ مطلوب بھی ہوتا ہے یعنی طالب تو مطلوب کو تلاش کرتا ہی ہے مطلوب بھی اسی طرح طالب کو ڈھونڈھتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ آئے تو کیوں آئے اسلئے کہ مدینہ سے صحابہؓ کی ایک جماعت آپکی طالب ہوکر مکہ آئی تھی۔

اسی کو کہتا ہوں یہ بات

وقت کام کا ہے بات کا نہیں کا وقت نہیں ہے کام کا وقت ہے آؤ کچھ کام کیا جاوے آخر سب لوگ کام کر رہے ہیں اور کام ہو رہا ہے تو ہمارے بھی ہاتھ پاؤں ہیں جو کام اغیار کر سکتے وہ ہم بھی کر سکتے ہیں۔ اور میں جو یہاں آیا ہوں تو اسکے متعلق کہتا ہوں کہ حاضری پہلے کہیں روحانی ہوتی ہے پھر جسمانی ہوتی ہے یعنی کہیں جانے سے پہلے آدمی کا جی وہاں جانے کو چاہتا ہے اسکے بعد وہ جسم سے بھی حاضر ہو جاتا ہے۔

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مجالس علیگڈھ

(مجلس سوم)

(مومن کی دینی و دنیوی ترقی)

فرمایا کہ میں ایسی جگہ موجود ہوں جہاں تقریر کی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں ہر شعبہ میں علم و عمل دونوں ہی سکھلایا جاتا ہے اور تقریر انھیں دونوں سے مرکب ہوتی ہے یعنی یا تو اس سے مقصود کسی علم کا سکھلانا ہوتا ہے یا غرض اس سے عمل پر ابھارنا ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی کام ہے کہ وہ علم کی بھی تعلیم فرماتے ہیں

اور عمل پر تحریض بھی فرماتے ہیں، پس تقریر جس مقصد کے لئے ہوا کرتی ہے وہ آپ کر ہی رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جس علم و عمل کے لئے میں کہہ رہا ہوں اس میں آپ کسی سے پیچھے بھی نہیں ہیں کیونکہ میری مراد دنیوی علم اور عمل ہے اور اگر کچھ پیچھے نظر آ رہے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ جو چیز آپ کے لئے مابہ الافتخار (اور سرمایۂ فخر) تھی یعنی دین۔ آپکے اندر اسکی کمی ہو گئی ہے اور دین کی ترقی جس چیز سے وابستہ ہے یعنی ایمان اسکی کمی ہو گئی ہے۔

مومن کی ترقی خواہ وہ دینی ترقی ہو یا دنیوی ایمان ہی سے ہوتی ہے جس چیز کو دوسرے لوگ اختیار کر کے ترقی کرتے ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ مومن کی ترقی بھی اس سے ہو جائے بلکہ جو اسباب ترقی کے دوسروں کیلئے ہیں وہ انکے لئے باعث تنزل ہیں۔ حضرت مولانا (تھانوی) نے اس بات کو ایک مثال سے واضح فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ نہایت عمدہ مثال ہے۔ فرماتے تھے کہ کسی بستی میں ایک بوجھ بجھکڑ صاحب تھے شاید آپکے یہاں یہ لفظ نہ بولا جاتا ہو لیکن حضرتؒ نے چونکہ یہی لفظ فرمایا تھا اس لئے ہم بھی اسی کو نقل کر رہے ہیں یعنی بستی کے وہی چودھری سمجھے جاتے تھے اور وقت پڑنے پر لوگ انہیں سے اپنی مشکلات حل کراتے تھے۔ ایک مرتبہ کوئی شخص تاڑ کے پیڑ پر چڑھ گیا جب اترنا چاہا تو اسکو بہت خوف معلوم ہوا، چیخنا شروع کیا لوگ جمع ہو گئے مگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسکو کیسے اتارا جائے بالآخر وہی بوجھ بجھکڑ صاحب بلائے گئے چنانچہ وہ تشریف لائے لوگوں نے اپنی مشکل انکے سامنے رکھی انھوں نے پہلے تو اوپر دیکھا پھر نیچے دیکھا اور اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا اور فرمایا کہ بات سمجھ میں آگئی ہے، ایک رسہ لاؤ رسہ لایا گیا آپ نے اسکے ایک سرے میں پھندا بنا کر درخت کے اوپر پھینکا اور اس شخص سے کہا کہ اسکو اپنی کمر میں خوب کس کر باندھ لو اور لوگوں سے کہا کہ رسہ کو کھینچو، لوگوں نے رسہ کھینچ لیا وہ شخص پٹ سے زمین پر گرا اور ختم ہو گیا جب لوگوں نے یہ نقشہ دیکھا تو پھر ان ہی

بوجھ بجھکڑ صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ انھوں نے کہا کہ میں نے کتنوں کو اسی طرح کنوئیں سے نکالا ہے

(اس مثال کے بیان سے لوگ بہت ہنسے)۔ پھر فرمایا کہ جو تدبیر کنوئیں سے نکالنے کیلئے کی تھی وہی تدبیر تاڑ پر سے اتارنے کے لئے استعمال کی یہ قیاس کس قدر فاسد اور مضر تھا پس جو لوگ نیچے ہیں انکو جس ترکیب سے اوپر کیا جا سکتا ہے وہی ترکیب اوپر والوں کے لئے باعث تنزل ہوگی۔ لہٰذا جو تدابیر غیروں کی ترقی کے لئے ہیں مومن کے لئے وہ اسباب تنزل ہیں مومن کی ترقی اللہ تعالےٰ کے احکام کی اتباع میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہوا کرتی ہے اس لئے کہ نص موجود ہے اور علمائے امت نے اس کے متعلق روایات جمع فرمائی ہیں مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو با لطف زندگی دیں گے)۔ (حضرت جعفرؓ سے روایت ہے کہ حیاتِ طیبہ نام ہے معرفت باللہ کا اور صدق مقام مع اللہ کا اور صدق وقوف علیٰ امر اللہ کا۔ حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ حیات طیبہ کہتے ہیں عیش مع اللہ اور اعراض عما سوی اللہ کو)۔

اسی طرح حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ اللہ تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں کہ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَكَانُوا يَتَّقُونَ (اور ہم نے ایسے طور پر یوسفؑ کو ایک ملک میں با اختیار بنا دیا کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں۔ ہم جس پر چاہیں اپنی عنایت متوجہ کر دیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرت کا اجر کہیں زیادہ بڑھکر ہے ایمان اور تقویٰ والوں کے لئے)

اس میں تنزل اور ترقی کا خوب بیان ہے اور عجوب پر لطف قصہ ہے جس کو حق تعالےٰ نے کھلی احسن القصص (بہترین قصہ) فرمایا ہے یا تو ابتدائے عمر میں آپ کیسے تھے، بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا، آپ نے خواب دیکھا ان لوگوں نے حسد کیا اور اپنی دانست میں کنوئیں میں آپ کو ڈالکر ختم ہی کر دیا تھا لیکن اللہ تعالےٰ نے انھیں تدابیر کو الٹ دیا اور جس تدبیر کو ان لوگوں نے ذریعۂ ہلاکت قرار دیا اللہ تعالیٰ نے بعینہ انھیں تدابیر کو ملک مصر کے والی ہونے کا سبب بنا دیا یعنی اسباب تنزل کو اسباب ترقی کر دیا۔ یہ خدا ہی کی شان ہے اسی کو حق تعالےٰ نے فرمایا کہ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ہم نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ اس کے تحت ابن عیینہؓ کی روایت صاحب روح المعانی نے نقل فرمائی ہے کہ مومن کو اسکی حسنات پر اس دار دنیا میں کھلی اجر دیا جاتا ہے جیساکہ آخرت میں دیا جاتا ہے

ایمان وعمل کی برکات مولوی ارشاد صاحب نے میری جانب منسوب کر کے یہ جو فرمایا کہ محض تبرک بننے کو پسند نہیں کرتے تو صحیح فرمایا اور انھوں نے تو مجھے مضمون دے دیا آدمی تبرک آپ کے بنانے سے ہوتا ہے

ایمان و عمل صالح کی برکت سے متبرک ہوتا ہے جو چیز
جانب اللہ ہوتی ہے اسکا مقابلہ کوئی فاسق یہاں کیا کرسکتا
ہے۔ آپ نے دیکھا کہ جن چیزوں کو ان لوگوں نے حضرت
یوسف علیہ السلام کو ستانے اور بطور ظلم کے اختیار کیا
تھی چیز علم الٰہی میں انکے رفعت اور بادشاہت کا ذریعہ
تھی اب لوگ کسی کو پاتے ہیں تو صرف اسکے بدن پر گرنے
اور گرد جمع ہونے کو کافی سمجھتے ہیں بلکہ اسکا ایک کھیل
بنا لیتے ہیں ؎

مرا اک کھیل خلقت نے بنایا
تماشا کو کبھی تو میرے نہ آیا

مگر سن لیجئے کہ اس سے کام نہیں چلے گا کام کے لئے
سمجھ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام
کے متعلق فرمایا کہ انکو ملک میں با اختیار بنا دیا کہ اس
جہاں میں جہاں چاہیں رہیں سہیں اسمیں دو انعام کا
ذکر ہے ایک تو تمکین فی الارض یعنی سلطنت و حکومت
اور دوسرے يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ (کہ اسمیں جہاں چاہیں
رہیں سہیں) یہ دوسرا اول سے بڑھکر ہے کیونکہ اہل جنت
کے متعلق بھی یہی الفاظ آئے ہیں کہ وہ جنت میں جہاں
چاہیں گے آئیں جائیں گے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ
صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ
حَيْثُ نَشَاءُ (اور کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے
اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا
کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں)

دنیا میں تو انسان کو حکم ہے کہ اپنی مشیت کو ختم کردے اور سب امور میں انشاء اللہ کہا کرے لیکن جب بندہ اپنی مشیت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت میں فنا کر دیتا ہے تو پھر اسکی مشیت بعینہٖ خدا کی مشیت ہو جاتی ہے اور اب اسوقت اسکو اجازت دی جاتی ہے کہ اپنی ہی مشیت سے جو چاہے کرے جہاں چاہے جائے جیسا کہ جنت میں تو عامہ مومنین کے لئے ہوگا اور یہاں یوسف علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ یعنی جو لوگ نیکوکار ہیں (یعنی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ متصف ہیں) ہم انکے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ چنانچہ سفیان بن عُیَیْنَہؒ سے روایت ہے کہ مومنین کو انکی حسنات پر دنیا میں بھی اجر دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اور فاجر کو صرف دنیا میں اجر ملتا ہے۔ اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے صرف دنیوی اجر کا ذکر ہے کہ ایمان و تقویٰ کی بدولت ترقی کرتے کرتے بالآخر مصر کے بادشاہ ہو گئے۔ چنانچہ سبھی انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ انکا ابتدائی دور گو کچھ آزمائش اور تکلیف میں گذرتا ہے لیکن ایمان اور عمل صالح کی بدولت دنیا میں بھی انکو رفعت نصیب ہوتی ہے۔ آگے آخرت کے اجر کا ذکر فرماتے ہیں کہ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ یعنی آخرت کا اجر کہیں بڑھکر ہے ایمان و تقویٰ والوں کے لئے۔

اور سنیئے! ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا

فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ۝ " یعنی ہم کتابوں میں لوح محفوظ کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہونگے بلا شبہ اس میں کافی مضمون ہے ان لوگوں کے لئے جو بندگی کرنے والے ہیں" عام طور سے تو مفسرین ارض سے مراد ارض جنت ہی لیتے ہیں لیکن ایک قول میں اسکی تفسیر دنیا کی سلطنت سے بھی کی گئی ہے یعنی زمین کے وارث صالحین بندے ہوں گے اس میں قوم عابدین کے لئے یعنی جو لوگ ایمان اور عمل صالح سے متصف ہیں انکے لئے بشارت ہے اس سے معلوم ہوا کہ صالحین جنت کے وارث تو ہوں گے ہی دنیا میں بھی صاحب سلطنت ہوں گے۔

اسی طرح سے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ ابتداءً انھوں نے عرض کیا کہ یا اللہ ہم فرعون کے مقابلہ میں کیسے جائیں حکم ہوا کہ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا بِاٰیٰتِنَا اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝ "یعنی اس سے ڈرو نہیں اور اس سے مقابلے سے گھبراؤ نہیں ہم تم دونوں کے لئے نصر اور غلبہ کردیں گے کہ پھر وہ لوگ تم پر قابو نہ پا سکیں گے ہمارے معجزے لیکر جاؤ تم دونوں اور تمھارے متبعین ہی غالب ہوکر رہو گے"

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے نصرت اور غلبہ کا وعدہ فرمایا اسلئے کہ آپ اور آپ کے متبعین اللہ تعالیٰ کے تابع اور فرمانبردار تھے۔ اس سے بھی

معلوم ہوا کہ مسلمان کو جو ترقی اور غلبہ ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق چلنے اور اطاعت کرنے سے ملتا ہے نیز یہ معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ ہی کسی کو سلطان اور غلبہ عطا فرمانا چاہیں تو پھر دوسرا کچھ نہیں کر سکتا۔

اور سنیئے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (یعنی تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ انکو زمین میں حکومت عطا فرما دے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی، اور جس دین کو انکے لیے پسند کیا ہے اسکو انکے لیے قوت دے گا اور انکے اس خوف کے بعد انکو مبدل بامن کر دے گا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو شخص بعد اسکے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ بے حکم ہیں)

یعنی اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں سے وعدہ فرماتا ہے کہ انکو زمین میں حکومت عطا فرما دے گا یعنی ان کو اس پر خلیفہ اور حاکم مقرر کر دیگا جو اس میں ایسا تصرف کریں گے جیسا بادشاہ اپنے غلاموں اور ماتحتوں میں کیا کرتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے بعد جن سے کہ یہ خود ڈرا کرتے تھے انکی امداد

فرما کر اور انکو غلبہ عطا فرما کر ان پر حاکم بنا دیگا اور انکی زمین کے وارث یہ لوگ ہو جائیں گے جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو انکے لئے پسند کیا ہے اسکو انکے لئے قوت دے گا اور انکے اس خوف کے بعد اسکو مبدل بامن کر دیگا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے خلافت اور سلطنت کو اس لئے مقدم فرمایا کہ نفوس حظوظ عاجلہ کی جانب زیادہ مائل ہوتے ہیں اسلئے فرمایا کہ ان کفار پر انھیں غلبہ دیگا جو کہ رات دن انکے نور کے بجھانے کی کوشش کرتے ہیں

اب آپ سے کہتا ہوں کہ اس سے بڑھکر مومن کے حق میں وعدہ اور بشارت کی کونسی آیت ہوگی؟ یہ آیت قرآن شریف میں موجود ہے اسی کو وہاں پڑھا کرتا تھا تو آپکے یہاں اسے کیوں چھوڑ دوں۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے اس انعام کا منشاء بیان فرماتے ہیں یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا یعنی ہم جو ان پر انعام فرماتے ہیں تو اس لئے کہ وہ لوگ میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کرتے اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے ان احکام کو پہچانا انکے حق میں یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ اب لوگ یہ چاہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کریں اور ان کو مرتبہ وہی مل جائے جو عمل کرنے والوں کو ملا کرتا ہے تو یہ نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھی پہچاننا ہوگا اور احکام والے کو بھی پہچاننا ہوگا اور آیت میں یَعْبُدُوْنَنِیْ کے بعد لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا جو فرمایا تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ میری عبادت اس طریقے۔

کرتے ہیں کہ کسی غیر کا خوف دل میں نہیں رکھتے کیونکہ غیر اللہ کا خوف بھی ایک قسم کا شرک ہی ہے اور توحید کے لیے لازم ہے کہ غیر اللہ کا خوف نہو علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس آیت کا ظہور ہو چکا ہے۔

ایک دوسری آیت سنیئے فرماتے ہیں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ یعنی ہم نے ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں اور ذکر کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا دیکھئے اس سے بھی معلوم ہوا کہ ذکر محفوظ رہیگا خواہ ذکر سے مراد قرآن ہو یا عام ذکر ہو یعنی دین۔ میں کہتا ہوں کہ جب ذکر محفوظ رہیگا تو اسکے لیئے ضروری ہے کہ ذاکرین بھی محفوظ رہیں چنانچہ جب قرآن موجود اور باقی رہے گا تو اسکے لیئے ضروری ہے کہ حاملین قرآن بھی موجود اور باقی رہیں کوئی انکو مٹا نہیں سکتا۔ اسلیئے کہ انکا بھی مٹنا مستلزم ہو گا ذکر کے مٹنے کو اور اسکی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ ایک صاحب مجھ سے کچھ اسی قسم کی مایوسی باتیں کر رہے تھے میں نے انھیں ڈانٹا کہ چلو ہٹو باہر جاکر اس قسم کی باتیں کرو، آیت تبلا رہی ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ذکر تو موجود رہے اور ذاکرین اور حاملین قرآن ختم ہو جائیں۔ بات یہ ہے کہ انسان کی بد اعتقادی کی نحوست اس کو بہت دور تک پہونچا دیتی ہے۔ یہ نص قطعی ہے اس میں ذکر اللہ کی حفاظت صراحۃً اور ذاکرین کی اشارۃً معلوم ہوتی ہے۔ یہ وقت ادھر اُدھر کی باتوں کا نہیں ہے کام کی اور سیدھی سیدھی بات مسلمانوں کو پہونچانا چاہیئے۔

ایک صاحب نے حضرت مولانا (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ اشعار لکھے تھے انہیں یہ شعر بھی یہ تھا ؎

آؤ بیٹھیں مرکزِ انوار کی باتیں کریں
نور برسائیں رخِ دلدار کی باتیں کریں
خاک سمجھیں گے وہ ظاہر بیں رموزِ معرفت
جو ہمیشہ شاہد بازار کی باتیں کریں

رخ دلدار کیا ہے؟ یہی قرآن شریف ہے اور مرکز انوار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ادہے لہٰذا کلام جو ہمارے لئے مفید ہے وہ کتاب و سنت ہی ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمھارے لئے)

دولت باطنی کے تحصیل کی ترغیب　چنانچہ میں آپ کے یہاں جو آیا ہوں تو کچھ سمجھکر آیا ہوں یونہی کیف ما اتفق نہیں چلا آیا ہوں۔ جو کہتا ہوں اسکو غور سے سنیئے اور سمجھئے کہ کیا کہہ رہا ہوں اس سلسلہ میں اسوقت آپ کے سامنے ایک قصہ بیان کرتا ہوں کچھ سمجھنا ہو تو سمجھ لیجئے، علماء نے اسکو کتاب میں لکھدیا ہے اسلئے میں بھی پڑھتا ہوں۔ ملفوظات حضرت نظام الدین رحؒ میں ہے کہ:۔

پھر کچھ ذکر فرقہ حیدریہ کا ہونے لگا آپ نے فرمایا کہ وہ ترک بچہ تھا اور درویش صاحب حال تھا جب چنگیز خاں نے چڑھائی کی اور ہندوستان کا اس نے رخ کیا تو ان دِنوں یارو

کے پاس آیا اور کہنے لگا یارو کیا کہہ رہے ہو بھاگو
وہ لوگ غالب آئیں گے، انھوں نے پوچھا
بات تو کہو کیونکر جانا کہ وہ لوگ غالب آئیں گے
کہا کہ ایک درویش کو اپنے ساتھ لائے ہیں اور اسکی
پناہ میں آرہے ہیں میں نے اس سے کشتی لڑی
اس نے مجھکو دے مارا اس سے مجھکو معلوم ہوگیا
کہ وہ لوگ یقینی غالب آئیں گے تم سب بھاگ
جاؤ اسکے بعد وہ ایک غار میں گیا اور جاتے
ہی گم ہوگیا پھر اسکا پتہ نہ چلا۔ مگر وہ بات
اسکے کہنے ہی کے مطابق ہوئی

(ص ۲۳ السنۃ الجلیلہ)

دیکھا آپ نے درویش درویش میں بھی کشتی ہوتی ہے بس اسی سے سمجھ لیجئے دو درویشوں میں باطنی لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کو قتل کردیا۔ یہ کہہ رہا ہوں کہ ایک سلسلہ یہ بھی ہے

اور سنئے:۔

حضرت زکریا ملتانیؒ جب بغداد سے ملتان آئے
تو وہاں کے مشائخ نے باتفاق رائے ایک پیالہ
دودھ سے لبریز انکی خدمت میں بھیجا، ہم لوگ
ہوتے تو سمجھتے کہ ہدیہ آیا ہے لیکر خود پیتے اور حاضرین
کو بھی پلاتے مگر حضرت زکریا ملتانیؒ نے اس پر
ایک پھول رکھدیا اور خادم سے فرمایا اسکو
واپس لے جاؤ۔ جب وہ چلا گیا تو حاضرین میں سے

ایک شخص نے کہا کہ حضرت یہ رمز و اشارہ سمجھ
میں نہیں آیا کیا راز تھا بیان فرما دیجئے۔ آپ نے
فرمایا کہ بھائی یہاں کے مشائخ نے پیالہ کو دودھ
سے بھر کر اشارہ اس طرف کیا تھا کہ یہ اقلیم
بھی مانند اس کٹورے کے پُر ہے آپ کی یہاں
گنجائش نہیں ہے آپ کہیں اور تشریف لیجائیے تو
میں نے بھی ساتھ اشارت سے اسکا جواب یہ دیا کہ
آپ حضرات کا فرمان بجا ہے لیکن باوجود پُر ہونے کے
اب بھی مجھ جیسے کی اس میں گنجائش ہے جس طرح سے
کہ اس بھرے پیالے میں پھول کی گنجائش باقی ہے
میں آپ حضرات کے درمیان میں مانند اس پھول ہی
کے رہوں گا اس لطافت جواب کو مشائخ نے بیحد
پسند کیا اور سمجھ گئے کہ حضرت بڑے شخص ہیں۔

دیکھئے ابتدا میں لوگ حضرت کے قائل نہیں ہوئے لیکن جب
باطنی طور پر انکو مجوج کر دیا تو سب کو آپکی معرفت حاصل ہوگئی
اگر آدمی کہیں چلا جائے اور کسی کو نقصان کچھ نہ پہونچائے تو
تو اس میں کیا خرج ہے یہی کہتا ہوں کہ کسی سے محبت آسان
ہے لیکن معرفت مشکل چیز ہے آپ لوگوں میں محبت تو ہے
لیکن معرفت نہیں ہے حالانکہ نری محبت جو معرفت سے عاری
ہو کچھ زیادہ کارآمد نہیں ہوتی محبت کے ساتھ ساتھ اگر
تھوڑی سی معرفت بھی حاصل ہو جائے تب تو کام ہی بنجائے

اور سنئے:-

دہلی میں ایک بزرگ تھے بادشاہ کے سامنے

کچھ لوگوں نے انکی شکایت کی ان پر کوئی الزام لگایا، مناظرہ طے ہوگیا ان بزرگ سے پوچھا گیا کہ حکم (اور فیصل) کون ہوگا؟ انھوں نے کہا کہ زکریا ملتانیؒ، لوگوں نے کہا کہاں دہلی کہاں ملتان۔ حضرت زکریاؒ کیسے آسکتے ہیں؟ فرمایا آجائیں گے اب بھی لوگوں نے کچھ نہیں سمجھا دن تاریخ مقرر ہوئی لوگ جمع ہوگئے، یہ بزرگ بھی جوتیوں میں آکر بیٹھ گئے لوگوں نے بلایا کہ یہاں آگے تشریف لائیے فرمایا کہ نہیں میں مجرم ہوں میری جگہ یہی ہے۔ یہ سب ہو ہی رہا تھا کہ اتنے میں حضرت زکریا ملتانیؒ آگئے (معلوم نہیں کس طرح سے ان بزرگ نے انکو اطلاع دی اور بلوایا یا باطنی طور سے خبر بھیجی ہوگی کہ مجھ پر الزام لگایا جارہا ہے آئیے اسکو دفع کیجئے)

بہرحال حضرت زکریا ملتانیؒ تشریف لائے اور آتے ہی ان بزرگ کی جوتی لیکر سینہ سے لگائی اور اسکو سر پر رکھ لیا، یہ منظر دیکھکر بادشاہ نیز دیگر حاضرینؒ کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی دیکھا کہ یہ بزرگ تو زکریا ملتانیؒ سے بھی مرتبہ میں بڑھے ہوئے ہیں۔ بس مناظرہ ختم ہوگیا۔ سب لوگ اپنی بدگمانی پر بہت نادم ہوئے اور ان سے بے ادبی کی معافی مانگی یہ کہہ رہا ہوں کہ دیکھئے کبھی آپ کا ایسا وقت تھا ایسے ایسے

صاحب باطن آپ میں ہوئے ہیں اب ان سب باتوں کا ذکر تک نہیں صرف تقریر رہ گئی ہے تو سن لیجئے کہ صرف قاطی سے کام نہیں چلے گا انسان کی ترقی جو ہوتی ہے خواہ دینی ہو یا دنیوی وہ عمل سے ہوتی ہے اور جس قدر عمل بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی علم بھی بڑھتا جاتا ہے اور مہارت بڑھتی جائیگی اسلئے علم و عمل دونوں ہی کی ضرورت ہے مگر آج ہماری دونوں ہی قوتیں قوت علیہ اور قوت عملیہ کمزور ہوگئی ہیں، یہ بھی غنیمت ہے کہ اسکا احساس تو ہے چنانچہ کوئی شخص کچھ کہتا ہے تو اسکے گرد جمع ہوجاتے ہو اور اسکی بات سنتے ہو۔ اب اگر ایک معتبر آدمی آپ سے کچھ کہتا ہے تو کیوں اسکی تصدیق نہیں کرتے ہو سکتا ہے کہ کسی بات کا علم ہو لیکن نفس کی عادتیں چلنے نہ دیتی ہوں اور آدمی مغلوب النفس ہو ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

جس کا نفس باقی ہے تو سمجھو
اس میں محبت ہی ناقص ہے

محبت کی کرشمہ سازی

اگر محبت کامل ہوتی تو نفس کو دبا لیتی وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اسکا ٹھکانا ہوگا) اس سے معلوم ہوا کہ جس کو خوف ہوتا ہے وہ نفس کو اسکی خواہشات سے روکتا ہے اور خوف اور محبت میں

کچھ تضاد نہیں ہے بلکہ خوف کا منشار بھی محبت ہی ہوتی ہے۔ خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں محبوب ناراض نہو جائے خوف کے لئے تو محبت کا ہونا ضروری نہیں لیکن محبت کے لئے خوف لازم ہے اور جس طرح سے خوف معصیت سے روکتا ہے اسی طرح سے بلکہ اس سے بڑھکر محبت معصیت سے روکتی ہے محبت اس باب میں خوف سے بڑھی ہوئی ہے اور اہل اللہ کا طریق محبت ہی ہے یہ حضرات خوف پر محبت کو غالب کرتے ہیں اسلئے کہ محبت انسان کو محبوب کے خلاف چلنے نہیں دیتی آدمی معاصی سے خوف کی وجہ سے بھی رکتا ہے اور محبت کی وجہ سے بھی، لیکن خوف کے موجود ہوتے ہوئے بھی معصیت کا صدور ہو جاتا ہے باقی محبت تو ۔ ۔ ۔ تقاضائے معصیت ہی کا قلع قمع کر کے رکھدیتی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اس پر اطاعت آسان ہو جائے تو محبت پیدا کرے کیونکہ اطاعت میں دیر لگتی ہے اور محبت کے بعد یہ بالکل سہل ہو جاتی ہے آپکے بڑے بڑے علماء فرما گئے ہیں کہ مشقتیں اور تلخیاں محبت ہی سے سہل اور شیریں ہو جاتی ہیں ع ۔

از محبت تلخہا شیریں شود

اسکی وجہ سے شدائد برداشت ہو جاتے ہیں اور انمیں لذت آنے لگتی ہے خوف کی وجہ سے طاعات چاہے ہو جائیں مگر مجاہدات لذیذ نہیں ہوتے محبت انکو لذیذ بنا دیتی ہے ۔

...کے حصول کا راستہ

رہی یہ بات کہ یہ محبت پیدا کیسے ہو تو سنیئے! کہ محبت اہل
... صفت ہے، محبت والوں سے پیدا ہوتی ہے کتاب
...ت نہیں ہے محب کی صفت ہے اور ایک قلبی
...رانی شے ہے جس طرح سے بھوک پیاس وجدانیات
...بل سے ہیں جس کے اندر یہ چیزیں ہوتی ہیں اسکو
... ہوتی ہیں اور آثار سے دوسرے لوگ بھی جان
...ں اور منجملہ اسکے آثار کے ایک یہی ہے کہ مشقت
... آسان ہو جاتی ہے۔ اسکی ایک مثال سنیئے:-

ایک مولوی صاحب ریل پر سفر کر رہے تھے انکو
... حاجت ہوئی نماز فجر کا وقت آیا تو بہت فکر ہوئی
...غسل کرکے نماز پڑھیں، انھوں نے یہ کیا کہ گاڑی
...سٹیشن پر ٹھہری تو لنگی باندھکر پلیٹ فارم ہی پر
...ر اور بہشتی سے کہا کہ مشک سے پانی ڈال دو اسکو
...ے دیدیئے اس نے پانی ڈالدیا انھوں نے غسل...
...ر اندر آکر کپڑے بدل کر نماز ادا کی انھوں نے شرم
...ہ لوگ کیا کہیں گے ہم لوگ ہوتے تو شرم ہی میں
...تے۔

آج لوگ ڈوبے کہاں سے ہیں یہیں سے کہ مخلوق
... ہے خالق کی اور انکے احکام کی پروا نہیں ہے۔
...لوی صاحب نے اسکی جانب التفات ہی نہیں کیا
... کیا کہے گا اللہ تعالیٰ کے حکم کی جانب دھیان رہا
...رح سے ادا کروں چنانچہ وہ خود کہتے تھے کہ الحمدلله

نماز پڑھنے میں ایسی مسرت ہوئی اور اتنا لطف آیا کہ کبھی نہ آیا ہوگا۔ یہ امتثال حکم الٰہی کی خوشی تھی اور اللہ تعالیٰ کا تعلق اور انکی محبت تھی جس نے تمام مشقتوں کو ان پر آسان کر دیا تھا۔ ان دشواریوں کو مردانہ وار جھیل لینے کے بعد وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ؎

للہ الحمد نہ مردیم و رسیدیم بدوست
آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

(اللہ کا شکر ہے ہم مرے نہیں اور دوست تک پہونچ گئے شاباش ہے ہماری اس ہمت مردانہ پر)

آج ہمارے یہ جوان لوگ اکثر عشار و فجر کی نماز نہیں پڑھتے اسلئے کہ یہ مشقت اور تعب کے اوقات ہیں اسی طرح سے سفر میں بھی یہ لوگ نماز قضا کر دیتے ہیں، جانتے ہیں کیا بات ہے؟ وجہ یہ ہے کہ حضر میں ہی پابند نہیں ہوتے ورنہ جو حضر اور اقامت میں نماز کا پابند ہوتا ہے تو وہ سفر میں بھی پڑھتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ منافقین صبح اور عشار کی نمازیں نہیں پڑھتے تھے یہ دونوں نمازیں ان پر شاق تھیں اسلئے کہ محبت سے خالی تھے جو کچھ طاعت کرتے تھے وہ شوق و محبت سے تھوڑا ہی کرتے تھے محض ریاکاری اور ڈر سے کرتے تھے۔ اسی کو میں نے کہا تھا کہ خوف سے جو کام ہوتا ہے وہ وقتی اور سرسری ہوتا ہے اگر ان لوگوں کو اللہ اور رسول سے محبت ہوتی تو ذوق و شوق سے عبادت کرتے۔ غرض دین کا کام ہو یا دنیا کا دونوں محبت ہی سے انجام پاتے ہیں۔ دین و دنیا کے تمام امور کا محور محبت ہے۔

محبت کوئی معمولی چیز نہیں ہے نفس جیسے سرکش اور سخت دشمن سے اسکی خواہشات کو چھڑانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اسلئے جب اللہ تعالےٰ نے انسان کو اس دنیا میں تکلیفات شرعیہ کا مکلف کیا جو کہ نفس پر نہایت شاق تھیں تو اسکی کاٹ کیلئے محبت کو بھی پیدا فرمایا کہ اسی کے ذریعہ سے نفس پر قابو پایا جا سکتا ہے، اولیاء کرام نے اس راز کو معلوم کیا اور نفس پر قابو پانے کے لئے انھوں نے محبت کا دروازہ کھٹکھٹایا، چنانچہ دیکھا گیا کہ محبت پیدا ہو جانے کے بعد آدمی کو محبوب کی رضا پوری کرنے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں رہ جاتی اور اس کے مقابلے میں ساری خواہشات اور تمام موانع کا یکسر خاتمہ ہو جاتا ہے چنانچہ محب کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ نفس کی کیسی ہی کچھ مرغوبات موجود ہوں وہ انکی جانب آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا اس کا مطلوب صرف محبوب اور رضائے محبوب رہ جاتی ہے اور اسکا مصداق ہو جاتا ہے کہ ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیالِ ماہے
چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

سارا شہر خوبصورت محبوبوں سے بھرا ہوا ہے لیکن میں ہوں اور ایک چاند کا تصور ہے کیا کروں چشم بدخو کسی پر نگاہ کرتی ہی نہیں۔

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

تفصیل الدین

(ایمان و عمل کے متعلق یہ وعظ ۲۳ محرم ۱۳۳۱ھ کو جامع مسجد غازی پور میں اہل شہر کی درخواست پر ہوا۔ ۳ گھنٹے ۴۰ منٹ میں ختم ہوا مولانا سعید احمد صاحبؒ تھانوی نے قلمبند کیا اور مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے تسوید و تفصیل کی۔)

خطبہ ماثورہ: الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادی له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و نشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على اله و اصحابه و بارك و سلم

امابعد۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ انکے لئے خلائق کے دل میں محبت پیدا کر دے گا۔

تمہید صاحبو! یہ وہی آیت ہے جس کے متعلق کل ایک ضرور بیان کیا گیا تھا چونکہ وہ دو اجزاء سے مرکب تھا اس کل ایک ہی جزو کا تفصیلاً ذکر ہوا تھا اور دوسرا جزو تفصیل سے رہ گ

تھا گو مجملاً اسکا ذکر بھی ہو چکا تھا اور وہ اجمال گو شافی نہ تھا مگر کافی ضرور تھا حتٰی کہ اگر آج کا بیان نہ بھی ہو تب بھی کچھ ضرر نہ تھا کیونکہ ایک جزو کی تو تفصیل بھی ہو چکی تھی اور دوسرے جزو کے متعلق ایک قاعدۂ کلیہ بیان کر دیا گیا تھا جس کے پیش نظر رکھنے کے بعد تفصیل کا نہونا مضر نہ تھا مگر جب تفصیل کا موقع مل گیا تو میں نے چاہا کہ اسکی بھی کسی قدر تفصیل کر دی جائے۔

کسی قدر کی قید اس لئے بڑھا دی کہ تفصیل علیٰ قدر اتم (یعنی مکمل طور پر تفصیل) کے لئے ایک جلسہ کافی نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ برس تک اسکی تفصیل فرمائی پھر بھی اسکے لئے توضیح کی ضرورت ہوئی اور اسکے لئے حق تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر زمانہ میں حاملان دین کو پیدا فرمایا جو برابر اسکی توضیح کرتے رہے حتی کہ خیر القرون کے ختم تک (یعنی قرن ثالث پر جو تبع تابعین کا زمانہ ہے اور جملہ ائمہ مجتہدین اسی زمانہ میں ہوئے ہیں) وہ توضیح بھی علیٰ وجہ الکمال (پورے طور پر) ہوگئی (تو جس مضمون کی تفصیل اتنے عرصۂ دراز میں ہوئی ہو اسکو علیٰ قدر اتم ایک جلسہ میں کیونکر بیان کیا جا سکتا ہے۔ اب سمجھئے کہ اس مضمون کی تفصیل و توضیح تو خیر القرون کے ختم تک پوری ہوگئی)

لیکن اب دو مرتبے باقی رہ گئے ایک

وجہ تفریع و تجدید

تفریع کہ قیامت تک انھیں اصول پر حوادث جزئیہ کے احکام کی تفریع کرتے رہنا، یہ کام علم و فہم کا ہے۔ اگرچہ حق تعالےٰ نے اجتہاد مطلق کو ختم کر دیا ہے د اس وجہ سے کہ خداوند کریم کی رحمت (معاذ اللہ) ختم ہوگئی ہے

بلکہ اسلئے کہ خداوند تعالےٰ کا قاعدہ اور انکی عادتِ مستمرہ یہ ہے کہ جب کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی اس وقت اسکو ختم کر دیتے ہیں۔ اس عادت کے موافق چونکہ حضرات مجتہدین کے بعد اجتہاد کی ضرورت نہ رہی تھی اسلئے اسکو ختم کر دیا۔ البتہ تفریع کی ضرورت قیامت تک رہے گی اسلئے اتنا اجتہاد اور اتنا فہم قیامت تک کے لئے باقی ہے جس سے مجتہدین کے اصول پر علماء جزئیات کو متفرع کرتے رہیں۔ چنانچہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو نئے نئے جزئیات میں حکم شرعی بتاتے رہتے ہیں اور مجتہدین کے اصول ہی پر جزئیات حادثہ کو متفرع کرتے رہتے ہیں۔

دوسرے اسکی ضرورت بھی باقی ہے کہ ہر زمانہ میں حق کو باطل سے ممتاز کر دیا جائے کیونکہ زمانۂ نبوت سے بُعد ہو جانے کی وجہ سے بعض دفعہ حق و باطل مختلط (خلط ملط) ہو جاتا ہے خواہ عوام کی بے تمیزی سے یا اہل غرض علماء کی وجہ سے تو ایسے وقت میں حق تعالیٰ کسی ایسے مقبول بندے کو پیدا فرماتے ہیں جو حق کو باطل سے ممتاز کر کے صراط مستقیم کو واضح کر دیتا ہے یہ درجۂ تجدید ہے اس کے متعلق حدیث میں پیشین گوئی ہے

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ فِیْ اُمَّتِیْ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا

کہ حق تعالیٰ میری امت میں ہر سو برس کے بعد ایک ایسے شخص کو مبعوث فرماتے ہیں جو دین کی تجدید کر دیتا ہے" یعنی حق کو باطل سے ممتاز کر دیتا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر صدی پر کوئی نہ کوئی مجدد ضرور ہوا ہے۔

تو یہ دو درجے اب بھی باقی ہیں اور قیامت تک رہیں گے ایک تفریع، ایک تجدید۔ اور یہ دونوں خدمتیں الگ الگ ہیں

اور اگر کوئی اللہ کا بندہ دونوں کا جامع[1] ہو تو خدا تعالیٰ کی رحمت ہے

درجہ توضیح و تفصیل

تو اب توضیح و تفصیل کا درجہ ہے اسکا ابہام کے ساتھ بیان ہو سکتا ہے مگر یہ بیکار ہے کیونکہ جس تفصیل کو کوئی نہ سمجھے وہ فضول ہے اور پوری طرح بیان کیا جائے تو بتلائیے اسکے لئے ایک جلسہ کیسے کافی ہو سکتا ہے: اس لئے میں نے کسی قدر کی قید لگائی یعنی یہ تفصیل اضافی ہوگی جو تفصیل آتم کے مقابلہ میں تو اجمال ہے اور اجمال سابق کے مقابلہ میں تفصیل ہے تو یہ درجہ تفصیل اضافی کا باقی رہ گیا تھا اسکو میں آج بیان کرنا چاہتا ہوں اور اسی لئے اسی آیت کو اختیار کیا گیا۔ جس کو کل بیان کیا گیا تھا۔ باقی یہ جو میں نے کہا ہے کہ کل جز و ثانی کو کبھی اجمالاً بیان کر چکا ہوں تو شاید کسی کے ذہن میں وہ اجمال نہ رہا ہو اسلئے میں اسکو کبھی یاد دلاتا ہوں کہ میں نے اخیر مضمون میں کہا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے وُد (اور محبوبیت) کا مدار ایمان اور عمل صالح پر رکھا ہے اسکے متعلق میں نے کہا

---

[1] قلت ومن الجامعین لہما سیدی حکیم الامۃ مجدد الملۃ ادام اللہ فیوضہم وبرکاتہم سألت العارف باللہ سیدی مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ الخادم الخاص لسیدی قطب زمانہ الشیخ مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ عن مجدد ہذہ السنۃ الحاضرۃ فقال کنت اظن اولاً انہ شیخی مولانا رشید احمد قدس سرہٗ ثم رأیتہ قد انتقل الی ربہ علی رأس المائۃ والان مجدد ہذہ المائۃ عندی خالک مولانا اشرف علی ادام اللہ فیوضہ قلت وقد اذعن بہذا۔ (جامع)

تھا کہ اسکا طریقہ علوم دین ہیں جو دو طرح سے حاصل ہو سکتے ہیں یا تعلیم و تعلم سے یا علماء کی مخالطت اور ہمنشینی اور انکے اقوال و مواعظ سننے سے۔ پس کل گو اس مضمون کی تفصیل نہ کی گئی مگر وہ طریقہ بتلادیا گیا تھا جس سے عمر بھر تفصیل ہوسکتی تھی تو وہ بیان بھی مکمل تھا۔

اس میں ابہام نہ تھا کیونکہ ابہام کی صورت یہ ہوتی ہے
ہ کلام مُفہِم مراد "مراد کو سمجھانے والا" نہو اور یہ اجمالی بیان غیر مُفہِم
: تھا بلکہ کافی تھا کہ اگر آج کا بیان نہ ہوتا تب بھی کوئی جزو سمجھنے سے
اقی نہ رہا تھا البتہ ایک جزو کی تفصیل پہلے جزو کے برابر نہوئی تھی تو
اس کے بیان کے لئے اسوقت خدا تعالے نے موقع دیدیا ہے
ز اس وقت میں اسکی بھی تفصیل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ حاصل ہے آج
کے بیان کا توضیح اسکی یہ ہے کہ ہر مقصود میں دو چیزیں ہوتی ہیں
یک نفس مقصود اور ایک اسکا ذریعہ

اب سمجھو کہ حق تعالےٰ نے اس آیت میں ایمان اور
مل صالح پر وُدّ "یعنی محبوبیت" کا مدار رکھا ہے اس میں بھی دو
چیزیں ہیں ایک مقصود جس کا بیان سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا
(اللہ تعالیٰ انکے لئے محبوبیت پیدا کردیں گے) میں ہے اور ایک
ذریعہ، یعنی ایمان، عمل صالح جس کا بیان اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام
کئے) میں ہے۔

توکل کے بیان کا حاصل مقصود کی تفصیل تھی اور آج طریق
کی تفصیل ہے اور مقصود بہت مختصر ہے اور اسکی تفصیل بھی
کچھ طویل نہیں ہے یعنی "محبوبیت" اسکی بہت سی اقسام بیان
کرنے کی حاجت نہیں۔ پس یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ ہم حق تعالےٰ

کے محبوب بن جاویں گے۔ اور اسکے فروع میں یہ بھی بتلا
گیا تھا کہ یہ شخص خلق کا بھی محبوب ہو جاوے گا تو یہ مضمون زیا
تفصیل کا محتاج نہ تھا مگر اسکی تفصیل اسلئے بیان کی گئی تھی کہ
کہ آجکل لوگ ثمرات آخرت کو بہت ہی بے وقعت سمجھتے ہیں
بس انکے نزدیک بڑا ثمرہ یہ ہے کہ کچھ
دین کی بے قدری روپیہ مل جائے چنانچہ ایک عہدہ دار کی
بیوی نماز پڑھتی تھی تو اس سے وہ پوچھا کرتے تھے کہ تجھکو
نماز پڑھکر کیا ملا؟

اسی طرح سودا کی حکایت ہے کہ وہ اپنی بیوی سے ایک
پوچھنے لگا کہ تو نماز کس واسطے پڑھا کرتی ہے؟ اس نے کہ
ہمیں جنت ملے گی تو سودا کیا کہتا ہے جا باؤلی تو وہاں بھی
غریبوں، مُلّانوں، طالب علموں اور حقیر لوگوں کے ساتھ رہیگی
اور دیکھ ہم جہنم میں جائیں گے جہاں بڑے بڑے بادشاہ
وزراء اور امراء ہونگے فرعون، ہامان، نمرود، شداد اور
قارون وغیرہ۔

یہ تو سودا کا قصہ ہے مگر آجکل بھی قلوب کو ٹٹولا جائے
تو معلوم ہوگا کہ جتنی وقعت لوگوں کے قلوب میں ایک ہزا
روپئے کی ہے اس سے نصف بھی دین کی وقعت نہیں ہے
حالانکہ انکی وہ قیمت ہے کہ ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(آپ نے اپنی قیمت دونوں عالم کو قرار دیا ہے آپ بھا
اور بڑھائیے کیونکہ اب بھی آپ بہت سستے ہیں دونوں جہاں بھی بہ

اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو لوگ قرآن کو تراویح میں اُجرت لیکر سناتے ہیں انہیں علاوہ فقہی گناہ کے بے غیرتی بھی کسقدر ہے کہ قرآن کو جو خدا تعالےٰ کا کلام ہے ذرا سی اجرت کے معاوضہ میں سناتے پھریں اور یہ ساری بے قدری اسلئے ہے کہ قرآن سستا مل گیا ہے اس دولت کے حصول میں ہمکو کچھ خرچ کرنا نہیں پڑا۔ اسی کو مولاناؒ فرماتے ہیں۔

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا
زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

اے کاہل! تو نے جو مجھے اتنا بیقدر اور کمتر سمجھ رکھا ہے وہ اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بہت سستا خرید لیا ہے)

یعنی قرآن زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ مجھے اس واسطے بے قدر کر رکھا ہے کہ میرے حاصل کرنے میں تمھارے کچھ دام نہیں لگے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ جب کسی فقیر کو فقر و فاقہ کی شکایت کرتے ہوئے دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ تم اسکی قدر کیا جانو تم کو گھر بیٹھے یہ دولت مل گئی ہے اسکی قدر ابراہیم بن ادہم سے پوچھو جس نے سلطنت بیچ کر اسکو خریدا ہے۔

اسی طرح سے ہم نے ایمان کی دولت کو ماں باپ سے لیا ہے بے محنت مشقت ہمکو مل گئی ہے اسلئے اس کی بے قدری ہے ورنہ خدا کا نام وہ چیز ہے جس کے مقابلہ میں تمام دنیا ہیچ ہے کیونکہ جنت کی سلطنت اسی کے عوض میں ملے گی جس کے سامنے دنیا کی ہزار سلطنتیں بھی گرد ہیں مگر افسوس آجکل دو پیسہ کے برابر بھی خدا کے نام کی قدر نہیں

چنانچہ وہ عہدہ دار اپنی بیوی سے پوچھتے تھے کہ تجھکو نماز سے کیا ملا؟ وہ تو ملنا اس کو سمجھتے تھے جیسے ایک شخص کو ملا کرتا تھا۔

قصہ یہ ہے کہ ایک عہدہ دار رشوت لیا کرتے تھے اور نماز کے بھی بہت پابند تھے حتیٰ کہ فجر کی نماز کے بعد اشراق تک وظیفہ بھی پڑھا کرتے تھے اور یہی وقت مقدمہ والوں سے رشوت طے کرنے کا تھا۔ مقدمہ والے آتے اور اشاروں سے رشوت کی رقم طے ہوتی کیونکہ پیر نے وظیفہ میں بولنے سے منع کر رکھا تھا بس وہ اشاروں سے سوکہتا اور یہ دو انگلیاں اٹھا دیتے کہ دو سولوں گا پھر اشاروں ہی سے کوئی رقم طے ہو جاتی تو یہ مصلیٰ کا کونہ پکڑ کر اٹھا دیتے کہ یہاں روپیہ رکھ دو پھر کوئی دوسرا آتا اور اس سے بھی یوں ہی گفتگو ہوتی غرض یہ ظالم اشراق پڑھکر کئی سو روپیہ لیکر اٹھتا۔ تو آجکل تو ملنا اسے کہتے ہیں اسی واسطے وظیفے بھی پڑھے جاتے ہیں۔ پھر غضب ہے کہ بعض لوگ قرآن پڑھنے میں تو بول پڑتے ہیں اور وظیفے میں نہیں بولتے گویا نعوذ باللہ قرآن کی وقعت وظیفوں کے برابر بھی نہیں یہ کیسی بے قدری ہے۔

اسی جہل کا ایک یہ اثر ہے کہ حدیث و قرآن کی دعاؤں کا لوگوں کے ذہن میں وہ درجہ نہیں جو پیرزادوں کی گڑھی ہوئی دعاؤں کا درجہ ہے۔ (جاری)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

والدین کی خدمت جنت کا ذریعہ

(۳)

ماں کے تین حق باپ کا ایک حق

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله من احق الناس بحسن صحبتی؟ قال: امك، قال: ثم من؟ قال امك، قال: ثم من؟ قال: امك، قال: ثم من؟ قال ابوك

(جامع الاصول، جلد ۱ ص ۳۹۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ ساری دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ میرے حسنِ سلوک کا مستحق کون ہے؟ کس کے ساتھ میں سب سے زیادہ اچھا سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا تمھاری ماں، یعنی سارے انسانوں میں سب سے زیادہ تمھارے حسن سلوک کی مستحق تمھاری ماں ہے۔ ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اسکے بعد کون ہے؟ آپ نے دوبارہ جواب دیا تمھاری ماں۔ ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اسکے بعد کون ہے؟ آپ نے پھر جواب دیا تمھاری ماں۔ ان

صاحب نے پھر سوال کیا کہ اسکے بعد کون ہے؟ تو چوتھے نمبر پر فرمایا تمہارا باپ۔

تین مرتبہ ماں کا نام لیا آخر میں چوتھے نمبر پر باپ کا نام لیا سوا سلئے علمار کرام نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ ماں کا حق حسن صحبت میں باپ سے بھی زیادہ ہے ماں کے تین حق ہیں اور باپ کا ایک حق ہے اسلئے کہ بچے کی پرورش کے لئے ماں جتنی مشقتیں جھیلتی ہے باپ اسکا چوتھائی بھی نہیں جھیلتا اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصے ماں کے بیان فرمائے اور ایک حصہ باپ کا بیان فرمایا۔

باپ کی تعظیم ماں کی خدمت

اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کوئی ہدیہ یا تحفہ دینا ہو تو ماں کو زیادہ دینا چاہئے۔ بزرگوں نے یہ بھی فرمایا کہ دو چیزیں علحدہ ہیں ایک ہے "تعظیم" اس میں تو باپ کا حق ماں پر مقدم ہے اور دوسری چیز ہے "حسن سلوک" اور "خدمت" اس میں ماں کا حق باپ پر مقدم ہے۔ تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اسکی عظمت زیادہ ہو اسکی طرف پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے، اسکے سرھانے نہ بیٹھے یعنی جو تعظیم کے آداب ہیں اس میں باپ کا حق مقدم ہے لیکن جہاں تک خدمت کا تعلق ہے اس میں ماں کا حق مقدم ہے اور باپ کے مقابلے میں تین چوتھائی زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر ماں کے اندر یہ بات رکھی ہے کہ ماں کے ساتھ اولاد کی بے تکلفی زیادہ ہوتی ہے، بہت سی باتیں کھل کر بیٹا باپ سے نہیں کہہ سکتا لیکن ماں کے سامنے وہ کہہ دیتا ہے تو شریعت نے اسکا بھی لحاظ رکھا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر

رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں بزرگوں کا بیان کیا ہوا یہ اصول لکھا ہے کہ اولاد باپ کی تعظیم زیادہ کرے اور ماں کی خدمت زیادہ کرے اس اصول سے ذریعہ احادیث کے درمیان کبھی تطبیق ہو جاتی ہے۔

ماں کی خدمت کا نتیجہ

بہرحال ماں کی خدمت وہ چیز ہے جو انسان کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتی ہے جیسا کہ آپنے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں دیکھا اور بھی بہت سے بزرگوں کا یہی حال ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک عرصہ تک صرف ماں کی خدمت میں مشغولی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکے لیکن بعد میں جب انکی خدمت سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے علم کے اندر بہت اونچا مقام عطا فرمایا لہٰذا اس خدمت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔

وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال: اقبل رجل الی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ابایعك علی الھجرۃ والجھاد ابتغی الاجر من اللہ تعالیٰ فقال: ھل من والدیك احد حی؟ قال نعم بل کلاھما قال: فتبتغی الاجر من اللہ تعالیٰ؟ قال: نعم قال: فارجع الی والدیك فاحسن صحبتھما۔

(مسند احمد: ج ۵ ص ۳۶۸)

واپس جا کر انکے ساتھ حسن سلوک کرو

یہ حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس دو چیزوں پر بیعت کرنے آیا ہوں ایک ہجرت پر اور ایک جہاد پر یعنی میں اپنا

لن چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں رہنے کے لئے ہجرت کے اراد سے سے
ہوں اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے کی نیت سے آیا ہوں اور
ں آئیں اللہ تعالےٰ سے اجر و ثواب کا طلبگار ہوں تو آپ صلی اللہ
یہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تمھارے والدین میں سے کوئی
ندہ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا ہاں بلکہ والد اور والدہ
ونوں زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم واقعی اجر و ثواب چاہتے
ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ
یرے ساتھ جہاد کرنے کے بجائے تم اپنے والدین کے پاس
اپس جاؤ اور انکے ساتھ حسن سلوک کرو۔

باکر ماں باپ کو ہنساؤ

دیکھئے! اس حدیث میں اپنے ساتھ جہاد کرنے کی فضیلت کو والدین کے ساتھ
سن سلوک پر قربان فرمادیا اور انکو واپس فرمادیا۔ ایک روایت
یں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جہاد کی تیاری ہو رہی تھی کہ ایک صاحب
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور
عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جہاد میں شریک ہونے کے لئے
آیا ہوں اور فخر کے طور پر بیان کیا کہ میں جہاد میں شرکت کرنے
کا اتنا سچا طالب ہوں کہ جہاد میں شرکت کے لئے اپنے والدین
کو روتا چھوڑ کر آیا ہوں، مطلب یہ تھا کہ میرے والدین مجھے
نہیں چھوڑ رہے تھے اور مجھے جہاد میں شرکت کی اجازت
نہیں دے رہے تھے لیکن اسکے باوجود میں انکو اس حالت
میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ میری جدائی کی وجہ سے رو رہے
تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا

اِرْجِعْ فَاَضْحِكْهُمَا كَمَا اَبْكَيْتَهُمَا　　(مسند احمد: ج ۲ ص ۲۰۴)

واپس جاؤ اور انکو جس طرح روتا چھوڑا تھا اب جاکر انکو ہنساؤ اور انکو راضی کرو تمھیں میرے ساتھ جہاد پر جانے کی اجازت نہیں۔

دین "حفظ حدود" کا نام ہے یہ ہے "حفظ حدود" اسی لئے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دین نام ہے "حفظ حدود" کا یہ کوئی دین نہیں کہ جب جہاد کی فضیلت سن لی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جہاد کے لئے روانہ ہو گئے بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی رعایت کرتے ہوئے ہر موقع پر کام کرنا ہوتا ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آجکل لوگ "یک باگے" ہو گئے ہیں جیسے اگر گھوڑے کی ایک باگ ہو تو وہ صرف ایک ہی طرف چلے گا دوسری طرف دھیان بھی نہیں دے گا اسی طرح لوگ بھی "یک باگ" ہو گئے یعنی جب یہ سن لیا کہ فلاں کام بڑی فضیلت والا ہے بس اسکی طرف دوڑ پڑے اور یہ نہیں دیکھا کہ ہمارے ذمہ اور کیا حقوق واجب ہیں اور دوسرے کاموں کی کیا حد ہے؟۔

اہل اللہ کی صحبت اور یہ "حفظ حدود" کی بات عادۃً اسوقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کسی اللہ والے کی صحبت میسر نہ آئے۔ زبان سے میں نے بھی کہدیا اور آپ نے سن بھی لیا کتابوں میں بھی یہ بات لکھی ہے لیکن کس موقع پر کیا طرز عمل اختیار کرنا ہے اور کس موقع پر کس چیز کو ترجیح دینی ہے یہ بات کسی کامل شیخ کی صحبت

ے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور آدمی افراط و تفریط ہی میں
لا رہتا ہے۔ شیخ کامل ہی بتاتا ہے کہ اس وقت کیا کام
ا ہے، وہ بتاتا ہے کہ اس وقت میرے لئے کیا چیز بہتر ہے
. کیا چیز بہتر نہیں ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ
پاس اصلاح کے لئے لوگ آتے تو آپ بہت سے
ں کے وظیفے چھڑا دیتے اور دوسرے کاموں پر لگا دیتے
یلئے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہ اس کام پر لگا رہے گا تو حدود
حفاظت نہیں کرے گا۔

ریعت، سنت، طریقت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ
صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا
ستے تھے کہ "حقوق" تمام ترشریعت ہے، یعنی شریعت حقوق
نام ہے اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق۔ اور "حدود"
م تر سنت ہے یعنی سنت سے یہ پتہ چلتا کہ کس حق کی کیا
ہے۔ حق اللہ کی حد کہاں تک ہے اور حق العبد کی حد کہاں
ں ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں یہ بتاتی
ں کہ کس حق پر کس حد تک عمل جائے گا۔ اور "حفظ حدود" تمام تر
ریقت ہے، یعنی طریقت جس کو تصوف اور سلوک کہا جاتا ہے
ن حدود کی حفاظت کا نام ہے یعنی وہ حدود جو سنت سے
بت ہیں، انکی حفاظت تصوف اور سلوک کے ذریعہ ہوتی
ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت تمام تر "حقوق" اور سنت
نام تر "حدود" اور طریقت تمام تر "حفظ حدود"۔ بس اگر یہ
ن چیزیں حاصل ہو جائیں تو پھر کسی چیز کی حاجت نہیں

لیکن عادۃً یہ چیزیں اس وقت تک حاصل نہیں ہوتیں جب تک انسان کسی اللہ والے کے سامنے رگڑے نہ کھائے اور کسی شیخ کامل کے حضور اپنے آپ کو پامال نہ کرے ؎

قال را بگزار صاحب حال شو
پیش مردے کاملے پامال شو

(باتیں بنانا چھوڑو صاحب حال بنو اور کسی اللہ والے کے سامنے اپنے آپ کو مٹاؤ)

جب تک آدمی کسی مردِ کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال نہیں کرے گا اس وقت تک یہ بات حاصل نہیں ہوگی بلکہ افراط و تفریط ہی میں مبتلا رہے گا کبھی اِدھر جھک گیا کبھی اُدھر جھک گیا۔ سارے تصوف کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کو افراط و تفریط سے بچائے اور اسکو اعتدال پر لائے اور اسکو یہ بتائے کہ کس وقت دین کا تقاضا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

(بقیہ خبریں)

۷۵ ملین کینیڈین ڈالر کے صرف سے گیارہ ایکڑ زمین خریدی ہے جس پر عظیم الشان جامع مسجد مسلمان طلباء و طالبات کے لئے دینی درسگاہیں اور جدید طرز کے اسکول و کالج تعمیر کئے جائیں گے اسکا مقصد کینیڈا کے مسلمانوں کو ایسا ماحول فراہم کرنا ہے جس میں اپنی اور آئندہ آنے والی نسلوں کی حفاظت کرسکیں۔

خبریں

۶، ۷، ۸ فروری کو ریاست گجرات میں ہندو دھرم کے ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) سادھو اور سنت اکٹھا ہوئے جہاں انھوں نے کفر و شرک کے نظام کو مستحکم اور وسیع کرنے کی حکمت عملی پر غور و خوض کیا۔ دھرم سنسد کے مقام پر پہلا گیٹ سکھ گرو کے نام سے موسوم تھا، یہ بات بھی طے ہوئی کہ سکھ دھرم کے صد سالہ جشن میں تمام ہندو سنت شرکت کریں اس سنسد میں بودھ دھرم کے بھکشو بھی بلائے گئے تھے تاکہ ان کے ذریعہ یہ پیغام عام کیا جائے کہ اسلام اور عیسائیت بودھ ازم کیلئے بھی خطرہ ہے۔ چنانچہ جاپانی بودھوں کی ایک تنظیم نے تبدیلیٔ مذہب کی مخالفت میں ایک سخت بیان جاری کیا۔ اس دھرم سنسد نے جو خاص تجاویز منظور کیں ان میں یہ بھی ہیں:۔

(۱) ذبیحۂ گاؤ بیکار بیل سمیت سب پر پابندی (۲) ہندو مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب قبول کرنے پر پابندی (۳) سنت شکتی کا استعمال مذہب کی تبلیغ کیلئے کیا جائے

جاپان کے "ریوکائی" ادارہ کے سربراہ ڈاکٹر سنگناری کو بونے کہا کہ ہم تبدیلیٔ مذہب کے خلاف ہیں۔ وی، ایچ، پی کے صدر نے کہا کہ ہم نے اسلام اور عیسائیت کے صفایا کا منصوبہ تیار کر لیا ہے اگر ہندو اور بدھ اکٹھا ہو گئے تو اسلام اور عیسائیت ہمارے آگے ٹک نہیں سکتے۔

---

۵ اپریل۔ جناب مولوی احمد متین صاحب (صاحبزادہ حضرت قاری صاحب مدظلہ) کا پتہ کا اپریشن ہوا، موصوف کو ایک عرصہ سے پتہ کی پتھری کی شکایت تھی اسکی بنا پر گاہ بگاہ شدید درد کا سامنا کرنا پڑتا بالآخر آپریشن ہی علاج ہوا، وہاں ٹھہرے بحمد اللہ آپریشن کامیاب رہا، دعا اور دوا کی برکت سے رو بصحت ہیں، ۱۴ اپریل کو اسپتال سے گھر آ گئے۔

لینڈ ایک ورلڈ اسلامک مشن نے ٹورنٹو، برے وسط میں (بقیہ ص ۴۷ پر دیکھئے

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ: ٦-٧: صفر المظفر ۱۴۲۰ھ مطابق جون ۱۹۹۹ء جلد: ۲۲

قیمت فی پرچہ آٹھ روپیہ سالانہ زر تعاون اسی روپیہ ششماہی پینتالیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسین : اسرار کریمی پریس جامن گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

اعلان

رسالہ کا زرتعاون جنوری ۱۹۹۹ء سے مبلغ اسّی روپیہ سالانہ کر دیا گیا ہے۔

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مجلسِ چہارم

(اتباع شریعت اصل ہے)

تفسیر روح المعانی سامنے رکھکر بعد الخطبۃ والاستعاذہ ان آیات کی تلاوت فرمائی

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

یہ تفسیر روح المعانی ہے :۔

میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی چند آیتیں پڑھی ہیں انکا مطلب تو آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے۔ سنئے تین مضمون اہم ہیں توحید، رسالت، معاد اور ایک چوتھا مضمون اسکے ہے، صراط مستقیم ـــــ اسی کے متعلق کچھ

کہنا چاہتا ہوں ۔ جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں ان میں ان چاروں چیزوں کا بیان ہے ۔ باقی اگر آپ اس انتظار میں ہوں کہ میں آپ کی خواہش کو پورا کرونگا تو اسکی توقع نہ کیجئے اور نہ اس کا انتظار کیجئے ۔ آپ کو الفاظ کی توقع ہوگی اور ہم معانی بیان کرنا چاہتے ہیں ۔ الفاظ خدا کے ہونگے ۔ اب جو لوگ ہمارے پیچھے پیچھے پھر رہے ہیں اسکے متعلق بہت کہا کرتا ہوں کہ کسی شخص کو پکڑ لینا ایسا ہے جیسے اس ستون کو پکڑ لینا دونوں کا نتیجہ ایک ہے اس چیز سے کبھی کوئی نہیں پہونچا ہے بلکہ آدمی جو پہنچتا ہے تو اللہ تعالےٰ کے احکام کی اتباع سے اگر بدون اتباع کسی کو پکڑے گا تو عجب نہیں کہ سزا مل جائے.

میں نے آپکے سامنے قرآن پڑھا ہے اسی کی تفسیر بیان کروں گا جو بات گھر پر کہتا تھا یہاں بھی وہی کہوں گا آپ کی خاطر سے یہاں کلام نہ کروں گا بلکہ اللہ تعالیٰ کیلئے کلام کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں توحید کا بیان بھی فرمایا ہے ، رسالت کا بیان بھی فرمایا ہے ، معاد کا بیان بھی کیا ہے اور ہدایت یعنی صراط مستقیم کا بھی بیان کیا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ خوب خوب بیان کیا ہے ۔ باطل کے پرخچے اڑا دیئے ہیں اور مومنین کے لئے اس مقام کو نہایت ہی لذیذ کر دیا ہے۔ چونکہ اس میں ہدایت کا بھی بیان ہے جسکی آپ ہم لوگوں سے توقع رکھتے ہیں ، اسی لئے میں نے ان آیات کو پڑھا ہے۔

ایک بات درمیان میں اور سن لیجئے :-

ایک دفعہ مجلس میں میں کچھ کہہ رہا تھا ایک صاحب کا کلام میرے سامنے رکھا تھا وہ اچھے شخص گذرے ہیں

انھوں نے بہت سی اصلاحی باتیں بیان کی ہیں۔ جب مجلس ختم ہوئی تو ایک صاحب نے کہا کہ اچھا یہ فلاں کتاب ہے۔ فلاں مولوی صاحب بھی تو اپنی مجلس میں اسی کو لیکر بیٹھتے تھے اور اُسی سے اصلاح کرتے تھے، میں نے جب یہ سنا تو قلب پر ایک بجلی سی گری کہ یا اللہ عالم کے لئے اصلاح کے سلسلے میں قرآن و حدیث کافی نہیں؟

اب اصلاح و ہدایت کے لئے شاعروں کا دیوان ہی رہ گیا ہے۔ پھر اسکے بعد میں نے یہ کیا کہ مارے غیرت کے اس کتاب ہی کو اپنے پاس سے ہٹا دیا اور مجلس میں صرف قرآن و حدیث پڑھنے لگا۔ ہدایت کے لئے جو کتاب آئی ہے وہ قرآن ہے شعراء کے دیوان سے اصلاح نہیں ہوا کرتی۔ آج آپ ڈوبے کہاں سے ہیں یہیں سے تو کہ ہدایت کا جو خدائی ذریعہ تھا یعنی قرآن اسکو تو چھوڑ دیا ہے اور غیر اللہ کے کلام کو اسکی جگہ دے دی ہے۔

یوں مضامین قرآن و حدیث سے بیان کئے جائیں اور تائید کے طور پر کسی بزرگ کا کلام یا کسی شاعر کا شعر پڑھ دیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے لیکن آدمی اپنی اصلاح کا محور ہی مخلوق کے کلام کو بنالے تو یہ تو کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے اصلاح کا محور کتاب و سنت ہی کو بنانا چاہیئے کسی عالم کا کمال یہ ہے کہ اسکی تعلیمات کا محور کتاب و سنت ہو۔ اور ایسے لوگ اس زمانے میں کبھی موجود ہیں جو یہ خواہش رکھتے ہیں کہ باتیں وہی بیان کی جائیں جو کتاب و سنت کی ہوں یہ نہایت پاکیزہ خیال اور عمدہ حال ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ کے کلام کے ساتھ تعلق رکھے تو اللہ تک پہونچ سکے گا۔ رسولؐ کے کلام سے تعلق رکھے تو رسولؐ تک پہونچ جائیے گا اور دونوں سے تعلق رکھے گا تو دونوں تک پہونچ جائیے گا۔

نصیحت کے موثر ہونے کیلئے عمل اور اخلاص شرط ہے

آیتیں جو میں بیان کی ہیں ا

مطلب ابھی بیان کرتا ہوں اس سے پہلے ایک بات اور سن لیجئے وہ یہ کہ ایک بڑھیا اپنے لڑکے کو لیکر ایک بزرگ کے پاس آئی اور آکر شکایت کی کہ حضرت یہ گڑ بہت کھاتا ہے اسے نصیحت فرما دیجئے۔ انھوں نے فرمایا کہ اچھا کل لانا۔ چنانچہ وہ دوسرے دن پھر اسکو لیکر آئی آپ نے اس لڑکے سے کہا میاں صاحبزادے گڑ زیادہ نہ کھایا کرو۔ عورت تو چلی گئی لیکن حاضرین کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جب اتنی ہی بات کہنی تھی تو کل ہی کہہ دیے ہوتے پس ان بزرگ ہی سے اسکی وجہ دریافت کی، انھوں نے کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ میں خود ہی گڑ بہت کھاتا تھا رات اس سے توبہ کی ہے تب آج اسکو نصیحت کی کیونکہ بدون توبہ کے نصیحت کرتا تو موثر نہ ہوتی۔

اسی طرح سے رسالہ قشیریہ میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ اپنے مریدین سے صبر کی فضیلت بیان کر رہے تھے اسکے کپڑے میں کوئی بچھو گھس گیا اور ڈنک مارنے لگا۔ ان بزرگ نے اس خیال سے کہ دوسروں کو تو صبر کی تلقین کر رہا ہوں اور بے صبری کا ثبوت دوں ڈنک کی اذیت سہتے رہے اور اف نہ کیا۔

اسی طرح ایک اور بزرگ کا واقعہ ہے کہ وعظ کہنے کیلئے ممبر پہ بیٹھے ہی تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، سمجھ گئے فرمایا کہ ذرا ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں یہ کہکر سیدھے مکان تشریف لے گئے اور اپنی بڑی بیوہ بہن کے قدموں پر اپنا عمامہ رکھکر ان سے فرمایا کہ بہن آپ چاہیں تو میں وعظ کہوں ورنہ آج سے وعظ کہنا ہی چھوڑ دوں انھوں نے کہا کہ کیا بات ہے فرمایا کہ آپ عقد ثانی کر لیجئے۔ میں مسلمانوں کو اسی کا وعظ کہتا ہوں لوگ مجھ ہی پر اعتراض کرتے ہیں کہ اپنے گھر میں یہ وعظ نہیں کہتے۔ بہن نے کہا کہ میں تو بالکل بوڑھی ہو گئی فرمایا کہ کیا حرج ہے۔ غرض انکو راضی کر کے نکاح کر دیا پھر آکر وعظ کہا۔

دیکھئے ان تمام واقعات سے معلوم ہوا کہ بدون عمل کے نصیحت مؤثر نہیں ہوتی۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وعظ کہنا آسان ہے تبلیغ کرنا بھی آسان ہے لیکن عمل کرنا مشکل ہے، یہی منزل کٹھن ہے ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

سنئے! اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّبَاِئ الْمُرْسَلِيْنَ لیعنی یہ لوگ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات آپ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں انکی بھی تکذیب کیجا چکی ہے سو

انھوں نے بھی اس پر صبر ہی کیا کہ انکی تکذیب کی گئی اور انکو ایذائیں پہونچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہونچی، اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض قصص پہنچ چکے ہیں ۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو احکام الٰہیہ کی تبلیغ کے سلسلے میں روحانی اذیت بھی پہونچائی گئی یعنی تکذیب، اور جسمانی تکالیف بھی ۔ روحانی اذیت جسمانی سے کہیں بڑھکر ہوتی ہے لیکن یہ حضرات چونکہ مخلص ہوتے ہیں اور مامور من اللہ ہوتے ہیں اسلئے سب کچھ جھیلتے ہیں ۔ یہ اسلئے کہہ رہا ہوں کہ وعظ کے نافع ہونے کے لئے خلوص شرط ہے واعظ کے لئے بھی اور سامعین کے لئے بھی سب کیلئے اخلاص ضروری ہے

آیت کی تشریح اب سنئے میں نے شروع میں جو آیات تلاوت کی ہیں اس میں اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں ۔ جس وقت یہ لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں اور جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، جبکہ یہ ظالم لوگ یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہو جس پر جادو کا اثر ہو گیا ہے، آپ دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو رستہ نہیں پاتے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں ۔

تو کیا ہم از سرنو پیدا اور زندہ کئے جائیں گے ۔ آپ فرما دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا یا اور کوئی مخلوق ہوکر دیکھ لو جو تمہارے ذہن میں بہت ہی بعید ہو ، اس پر پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو ہمکو دوبارہ زندہ کریگا ۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ وہی ہے جس نے تمکو اول بار میں پیدا کیا تھا ۔ اس پر آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ یہ کب ہوگا ؟ آپ فرما دیجئے کہ عجب نہیں یہ قریب ہی آپہونچا ہو ۔ یہ اس روز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم کو پکارے گا اور تم اسکی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کروگے اور تم یہ خیال کروگے کہ (قبر و دنیا میں) تم بہت ہی کم مدت رہے تھے ۔

دیکھئے ! ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا تنہا ذکر ہوتا ہے یعنی ان مشرکین کے آلہہ کا ذکر نہیں ہوتا تو وہ لوگ اس ذکر ہی سے نفرت کرتے ہیں اور پشت پھیر لیتے ہیں ۔ آگے فرماتے ہیں کہ آپ سے قرآن سننے کے وقت یہ لوگ جن صفات کے ساتھ متلبس ہوتے ہیں اسکو بھی ہم خوب جانتے ہیں یعنی آپ کا اور قرآن کا استخفاف کرتے ہیں اور استہزار کرتے ہیں اسلئے کہ تنہا ہمارا ذکر انھیں ناگوار گذرتا ہے ۔

روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب اور بائیں جانب قبیلہ عبد الدار کے دو دو آدمی کھڑے ہوتے تھے اور شور و شغب کرتے تھے اور تالی سیٹی بجاتے تھے اور اشعار پڑھ پڑھکر آپ پر قرآن پڑھنے کو خلط کر دیتے تھے چنانچہ ایک دوسرے مقام

پر اللہ تعالیٰ نے انکی اس خصلت بد کا ان لفظوں میں ذکر فرمایا ہے کہ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ یعنی کفار یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو بلکہ اسکے بیچ میں خوب شور و شغب مچاؤ شاید کہ تمھیں لوگ غالب آ جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ کفار نے یہی کیا ہے اور اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں پس یہ لوگ بھی انھیں کے نقش قدم پر ہیں۔ آگے فرماتے ہیں وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ یہ نجویٰ کا بیان ہے یعنی آپس میں سرگوشی کرتے تھے کہ تم اتباع نہیں کرتے ہو مگر ایک رجل مسحور کی" یعنی ایک ایسے شخص کی اتباع کر رہے ہو جس پر جادو کا اثر ہو چکا ہے۔ پھر اسکے بعد فرماتے ہیں کہ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ بس یہی مضمون اس وقت مقصود بالبیان ہے اس میں اللہ تعالیٰ کسقدر محبت کے عنوان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلداری فرما رہے ہیں کہ دیکھئے تو سہی یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی مثالیں بیان کر رہے ہیں اور کیسے کیسے القاب تجویز کر رہے ہیں کبھی تو آپ کو ساحر کہتے ہیں، کبھی کاہن کہتے ہیں کبھی مجنون اور کبھی مسحور کہتے ہیں، حالانکہ ان ظالموں کو اسکا خوب علم ہے کہ آپ ایسے نہیں ہیں لیکن محض عناداً (یعنی دیدہ و دانستہ حق کی مخالفت اور عداوت میں) ایسا کر رہے ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں اسکی وجہ سے انکو مثال بیان کرنا بھی نہ آیا کیونکہ جو طعن یہ کرتے ہیں عقل سلیم

آپ سے ان صفات کی نفی کرتی ہے بلکہ خود وہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ یہ واقع کے خلاف بات ہے چنانچہ یہ گمراہی کی ہی بات ہے کہ ایسی بات زبان سے نکالتے ہیں کہ کوئی اسکو باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہے پھر یہ لوگ گمراہ نہ ہونگے تو اور کیا ہوگا کیونکہ جب کوئی اپنے رہبر ہی کو ساحر اور مجنون کہے تو پھر اس سے اسکو راستہ کیونکر مل سکتا ہے۔ اور جب کسی نے ہادی (اور رہنما) ہی سے فائدہ نہ اٹھایا تو پھر اسکے مہتدی (اور ہدایت یافتہ) ہونے کی آخر سبیل ہی کیا ہے؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور خود قرآن کو ہادی فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں)۔

راستہ تو رہبر ہی سے ملتا ہے

میں یہ جو یہ سب بیان کر رہا ہوں شاید آپ لوگوں کو اہمیں لطف نہ آتا ہو لیکن مجھکو تو لطف آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں صراط مستقیم کا بھی بیان فرمایا ہے اور جس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ مربی اور ہادی ہیں اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہادی ہیں اور راستہ آپ ہی کا راستہ ہے چنانچہ فلاح آپ ہی کے طریقہ میں منحصر ہے۔ یہ جو میں نے کہا کہ راستہ آپ ہی کا راستہ ہے اسکی ایک مثال سنئے۔

پانی پت میں ایک بزرگ تھے کوئی صاحب جاکر ان سے بیعت ہوئے انھوں نے دستور کے مطابق بیعت کرکے طاقیہ (کلاہ، ٹوپی) مرحمت فرمائی کسی معاملہ سے انکو شبہ ہوا کہ یہ بزرگ متبع سنت نہیں ہیں اسلئے انکا عطا کیا ہوا طاقیہ

واپس کرکے وہاں سے چلے آئے واپسی میں راستہ بھول گئے جب چلتے چلتے تھک گئے تو سوچا کہ درخت پر چڑھکر کسی آنے والے سے راستہ دریافت کریں استنے میں دیکھا کہ دور دو آدمی سید ھے انھیں کی طرف آرہے تھے جب وہ قریب آئے تو انھوں نے پوچھا کہ راستہ کدہر ہے ان لوگوں نے جواب دیا کہ راستہ تو تم شیخ کے مکان ہی پر چھوڑ آئے انھوں نے کہا ایسا ہے؟ کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ یہ سنکر انکو اپنی غلطی کا احساس ہوا پھر ان بزرگ کے پاس گئے، دیکھا کہ اسی طرح سے دہلیز پر طاقیہ لئے کھڑے ہیں جاکر معافی چاہی اور عرض کیا کہ حضرت طاقیہ دے دیجئے انھوں نے فرمایا کہ یہ لو۔ دیکھا آپ نے راستہ جوملتا ہے تو کسی رہبر سے ملتا ہے اب اگر اسی کا انکار کر دیا جائے تو پھر راستہ کیسے مل سکتا ہے

خیر یہ تو ایک بزرگ کا واقعہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہادی اور راہنما بناکر بھیجے ہی گئے ہیں اسلئے آپ کا راستہ تو ہدایت کے لئے متعین ہے۔

حضرت جنیدؒ اور شیخ سعدیؒ کے حکیمانہ ارشادات

چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اَلطُّرُقُ مَسْدُوْدَةٌ كُلُّهَا اِلَّا عَلَى الْمُقْتَفِيْنَ آثَارَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی تمام راستے مخلوق پر بند ہیں مگر ان لوگوں پر بند نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "آثار" اور "نقش قدم" کا اتباع کرتے ہیں۔ یہی وہ مضمون ہے جسے حضرت سعدیؒ نے

بیان فرمایا ہے جسکو مولوی ارشاد صاحب نے کل آپ کے سامنے پڑھا تھا اور ہمارے پڑھنے سے مولوی صاحب بہت خوش ہوتے ہیں اسلئے انکو خوش کرنے کے لئے اسکو پھر پڑھتا ہوں کہ ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا تواں رفت جز برپئے مصطفیٰ

(اے سعدی یہ مت سمجھنا کہ سلوک یعنی باطن کے تزکیہ وتصفیہ کے راستہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر گامزن ہو سکتے ہو)

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جس کسی نے کبھی کوئی راستہ اختیار کیا وہ کبھی بھی (قرب خداوندی اور رضائے الٰہی کی) منزل مقصود کو نہیں پہونچ سکا)

کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند برفتند وبسیار سرگشتہ اند

(جولوگ اس (پیروی سنت کے) راستہ سے بھٹک گئے ہیں وہ بہت چلے ہیں اور بڑی ریاضتیں کی ہیں، بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں لیکن بہت حیران و پریشان ہوئے ہیں)

دریں بحر جز مرد داعی نہ رفت گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت

(معرفت خداوندی کے اس بحر ناپیداکنار میں "مرد داعی" یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی داخل نہیں ہوا ہے لہٰذا جو بھی راعی کے پیچھے پیچھے اور ان کے نقش قدم پر نہ چلا وہ کھوگیا اور گمراہ ہوگیا)

سبحان اللہ! کیا عمدہ بات بیان فرمائی ہے، ان کو تو انیئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت خوش تھے کسی نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور یہی حضرت سعدیؒ سرھانے کھڑے ہوئے موزجھل جھل رہے ہیں آپ فرما رہے ہیں کہ

وہ تم نے ہماری تعریف میں کیا اشعار کہے تھے سناؤ تو چنانچہ حضرت سعدیؒ مترنم ہوئے کہ ؎

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

(آپ اپنے کمالِ بے مثال کے سبب بلند مرتبہ کو پہونچ گئے، اور اپنے جمال عالمتاب سے آپ نے (کفر و ضلالت کی) ساری تاریکیاں دور فرما دیں آپ کی تمام ہی عادات خوب تر اور قابل ستائش ہیں، لوگو! ان پر اور ان کے اہل و عیال اور تمام پیروکاروں پر صلوٰۃ و سلام بھیجو) اللّٰھم صلِّ علیٰ سیّدنا محمد وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وبارِکْ وسلِّم۔

دیکھا آپ نے حضرت سعدیؒ کے یہ اشعار بارگاہِ رسالت میں مقبول ہو چکے ہیں اور انکی وجہ سے یہ خود بھی مقبولانِ الٰہی میں سے ہیں اسلئے آپ انکا تو انکار کسی طرح بھی نہیں کر سکتے یہی بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

شریعت عقل اور کشف دونوں پر مقدم ہے

اسی طرح سے حضرت جنیدؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "ہمارا یہ علم کتاب و سنت سے مشیّد ہے یعنی موید بالکتاب والسنۃ ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ہوا میں چار زانو بیٹھا ہوا ہے تو اسکی جانب التفات مت کرو جب تک کہ اسکو کتاب و سنت کا پابند نہ دیکھ لو"۔

شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ "جو شخص خواہ شریعت کے سمجھنے اور مشکلات علوم توحید کی طرف آنا چاہے

اسکو چاہیئے کہ اپنی رائے اور عقل چھوڑ دے اور شرع ربانی کو اپنا پیشوا بنائے اس میں امر صریح ہے کہ شریعت کو رائے پر مقدم کرنا چاہیئے اور جس طرح یہ حضرات شرع پر عقل ورائے کی تقدیم کو منع کرتے ہیں اسی طرح سے کشف کی تقدیم سے بھی منع فرماتے ہیں چنانچہ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ

"جاننا چاہیئے کہ تقدیم کشف کی نص پر ہمارے نزدیک محض باطل ہے کیونکہ کشف میں اکثر اشتباہ ہو جاتا ہے باقی کشف صحیح تو وہ ہمیشہ ظاہر شرع کے موافق ہی ہوتا ہے"

اسمیں تصریح ہے کہ شریعت کشف پر بھی مقدم ہے جس طرح سے عقل پر مقدم تھی اسلئے کہ عقل آپ کی ہے اور شرع خدا تعالیٰ کی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر یہی شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"جاننا چاہیئے کہ میزان شرع جو دنیا میں موجود ہے وہی شریعت ہے جو علماء کے ہاتھ میں ہے۔ پس جب بھی کوئی ولی شرع کی میزان سے عقل تکلیف کے ہوتے ہوئے خارج ہوگا تو اس پر انکار و اعتراض واجب ہوگا، پھر اگر اس پر اسکا کوئی حال غالب ہوگا (یعنی وہ مغلوب الحال ہوگا) تو ہم اسکے حال کو اسکے لیۓ مسلم رکھیں گے اور اس پر اعتراض نہ کریں گے کیونکہ کوئی اہل عقل اسکا اتباع نہ کرے گا۔ اور اعتراض اسی لیۓ تھا کہ کوئی اتباع نہ کرے"

دیکھیئے یہ حضرات کس قدر منصف ہیں کہ کشف کو جوکہ انکی خاص چیز سمجھی جاتی ہے اور خدا تعالےٰ کی جانب سے بطور انعام کے انکو ملا کرتی ہے اسکے متعلق کبھی یہ فرماتے

ہیں کہ ہر کشف صحیح ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسکا خلاف شرع ہونا معلوم ہو جائے تو ترک واجب ہے۔

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"صاحب کشف پر کوئی ایسا واردِ الٰہی وارد ہو جو اسکے لئے ایسے امر کو حلال کرے جسکی حرمت شرع محمدی میں ثابت ہو چکی ہو تو اس شخص پر ایسے وارد کا ترک کر دینا اور اس پر عمل نکرنا جزماً واجب ہے کیونکہ وہ تلبیس ہے۔ اور اسپر حکم شرعی جو ثابت ہے اسکی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ اس پر سب اہل کشف کا اتفاق ہے کہ رسالت و نبوت کے ختم ہونے کے بعد تحلیل و تحریم کا کسی کو حق نہیں"۔ اس کو مفصل بیان کر کے آخر میں فرمایا کہ:۔

"اے ہمارے بھائیو! خوب ہوشیاری سے کام لو اور کشف کے غوائل یعنی اسکی خرابیوں سے اپنی بہت حفاظت کرو۔ پس میں تمھاری خیر خواہی کر چکا اور اسکا حق واجب ادا کر چکا"۔

میں کہتا ہوں کہ جب بزرگوں

کبھی عقل بھی راہزن بن جاتی ہے

کا کشف کے متعلق یہ خیال ہے تو اگر یہ لوگ یہ فرمادیں کہ عقل میں بھی غوائل ہوتے ہیں تو آپ کو ناگوار نہونا چاہیئے جس طرح کشف غلط ہو سکتا ہے عقل بھی غلطی کر سکتی ہے۔ اس چیز کو سمجھ لیجئے تو کامیاب ہو جایئے ان بزرگوں نے اس راستہ کو طے کیا ہے اسکے نقائص سے خوب واقف ہیں اسلئے انکو حق ہے کہ سالکین راہ کو اسکے غوائل سے آگاہ کریں اس پر گفتگو کرونگا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے جس طرح سے روکنے والی اور چیزیں ہوتی ہیں اسی طرح سے

کبھی یہ عقل بھی رہزن بن جاتی ہے اسی کو ترک کرنے کو یہ حضرات فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

یعنی یہ حضرات فرماتے ہیں کہ میں نے پہلے عقل دور اندیش کو آزمایا لیکن راہ خدا میں اسکو ناکارہ پاکر اسکو ترک کرکے خود کو دیوانہ بنا لیا ہے اور اس راہ کو بجائے عقل کے عشق و محبت کے ذریعہ قطع کیا۔ آپ گھبرائیے نہیں کہ عقل ہی کو ختم کرنے کو کہتے ہیں جب عقل ہی نہ رہے گی تو کام کسطرح سے چلے گا اسلئے کہ آپ عقل کو چھوڑ کر گھاٹے میں نہیں رہئیگا کیونکہ اس وقت اُدھر سے عقل عطا ہوگی اور آپ کو بہت کچھ ملے گا کیونکہ انکا قاعدہ ہے کہ ؎

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

(آدھی جان لیتے ہیں اور سو جان عطا فرما دیتے ہیں اور ایسی ایسی چیزیں عطا فرما دیتے ہیں جو تمھارے وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتیں)

غرض ان حضرات نے اس عقل کو چھوڑا ہے جو خدا کی راہ میں رہزن ہوتی ہے اور سمجھ کر چھوڑا ہے طبیعت پر عقل کو اور عقل پر شرع کو غالب کیا ہے اور اسکو سمجھانے میں بڑی محنت کی ہے اور بڑے بڑے عقلاء کو شریعت اور صاحب شریعت کی معرفت کرادی ہے۔

ایک بزرگ نماز میں شریک نہیں ہوتے تھے ایک دوسرے بزرگ نے اعتراض کیا اس پر انھوں نے تصرف کے ذریعہ نماز میں اپنے جیسے بہت سے لوگوں کو نماز میں کھڑے ہوئے دکھلایا۔ وہ بزرگ تھے کامل فرمایا کہ یہ سب

جسم مثالی ہیں اور نماز آپ کے اس جسم اصلی اور وا قعی پر فرض ہے انکے نماز میں ہونے سے آپ کے ذمہ سے فرض ساقط نہیں ہو جائے گا۔ اسی لئے مشائخ محققین نے فرمایا ہے کہ علم شریعت حاصل کرنا لازم ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

"علم شریعت کو لازم پکڑو کیونکہ شریعت ہی تمہاری وہ کشتی ہے کہ جب اسمیں رخنہ پڑ جاوے تو تم بھی ہلاک ہوگے اور جتنے بھی اس میں سوار ہیں وہ سب ہلاک ہوں گے۔ اور تم سے اپنی رعیت میں حدود الٰہیہ کے قائم کرنے کے متعلق باز پرس ہونے والی ہے"

اتباع شریعت چھوڑنے کی نحوست

اب دیکھتا ہوں کہ کہ اسی شریعت کے چھوڑنے کی وجہ سے تمام گھر تباہ ہیں۔ اگر یہ بزرگان دین شریعت کے تحفظ میں اسقدر زور دار کلام نہ فرماتے تو لوگ راستہ ہی چھوڑ دیتے کیونکہ جب کسی بات کو کہا ہی نہ جائے گا تو عمل کے ساتھ ساتھ لوگوں سے اسکا علم بھی رخصت ہو جائیگا بزرگان دین نے اس سلسلہ میں بڑی محنت اور بڑا تعب اٹھایا ہے اور آپ کو رستہ سے ہٹنے نہیں دیا ہے۔ دین کے تحفظ اور بقا کا ذریعہ اتباع شریعت ہے۔ اگر شریعت کی اتباع نہ کیجا ئیگی تو دین ہی بدل جائے گا جو شخص جس چیز کو چاہے گا دین میں داخل کرلے گا۔

میں نے ایک مصری عالم کو حرم شریف میں وعظ کہتے ہوئے سنا انکا وعظ مجھکو پسند ہوا چنانچہ میں نے اسکو یاد کرلیا۔

انھوں نے کہا کہ سنو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسلئے تشریف لائے تھے کہ تمھارے دین اور دنیا کو درست فرمائیں چنانچہ آپ نے دونوں زندگیوں کی صلاح و فلاح کے لئے اصول تعلیم فرمائے۔ پس جس نے دونوں جہان سے متعلق آپ کے ارشادات کی تصدیق کی وہ دونوں جہان میں کامیاب ہوا اور جس نے صرف آخرت کے متعلق یا صرف دنیا کے متعلق آپ کی تصدیق کی وہ اسی قدر کامیاب رہا۔ تم نے بھی آخرت سے متعلق امور میں تو آپ کی تصدیق کی لہذا آخرت میں اسکا فائدہ بھی دیکھ لوگے لیکن دنیاوی زندگی کے متعلق تم نے آپکی تصدیق نہیں کی جسکا نتیجہ بھی تم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو ہر ایک دوسرے کی طرف سے گال پھلائے ہوئے ہے۔ باپ کو بیٹے سے شکایت ہے، ماں بیٹی میں جنگ ہے، دوست میں اختلاف ہے۔ غرض کوئی کسی سے خوش نہیں دنیا کی زندگی دوزخ کا نمونہ ہوگئی ہے۔ اسکے بعد انھوں نے کہا کہ اور یہ تو وہ عذاب ہے جو تم یہاں دیکھ رہے ہو باقی اس سے قیاس کرلو کہ آخرت میں کیسا عذاب بھگتنا پڑے گا اسکے لئے تیار رہو

صوفی کی حقیقت

صوفیاء کا طریقہ کتاب و سنت ہی کا ہے

علامہ شعرانی رح فرماتے ہیں کہ صوفی کی حقیقت صرف یہ ہے کہ وہ ایک فقیہ ہے جس نے اپنے علم پر عمل کیا بس اور کچھ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسکی بدولت اسکو دقائق اور اسرارِ شریعت پر اطلاع عطا فرمادی۔ پھر کچھ دور کے بعد فرماتے ہیں کہ منجملہ ان امور کے جس میں صوفیہ اپنے غیروں سے مختص و ممتاز ہیں انکا علم ہے ایسے طریقے کے ساتھ جو انکو کتاب و سنت پر عمل کرنے کی طرف رہبری کرے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں حق یہ ہے کہ فقہ میں مشغول ہونا فضول نہیں ہے بلکہ وہ تو طریق کی اساس و بنیاد ہے۔ اسلئے کہ اہل طریق کی شان یہ ہے کہ انکی جمیع حرکات و سکنات کتاب و سنت پر ہموار ہوں اور یہ بدون تبحر علم حدیث و فقہ و علم تفسیر کے ہو نہیں سکتا۔

دیکھئے علماء باطن کی ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ صوفی کا اصل وظیفہ ہی کتاب و سنت پر عمل کرنا ہے اور یہ حضرات ایک ایسے طریق کے ساتھ خاص ہیں جو کتاب و سنت کے عمل پر ابھارتا اور آمادہ کرتا ہے جانتے ہیں وہ طریق کیا ہے؟ وہ طریق ہے محبت، محبت ہی وہ چیز ہے جس پر دین و دنیا سب کا نظام قائم اور موقوف ہے۔ حضرتؒ اسی کو کو فرماتے تھے کہ آدمی جس کی اطاعت کرنا چاہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے محبت پیدا کرلے اطاعت آسان ہو جائیگی محب محبوب کا کہا ٹال نہیں سکتا اسکی وجہ سے اسکی تلخیاں بھی لذیذ ہو جاتی ہیں ضَرْبُ الحَبِیب زَبِیبٌ "دوست کی مار یعنی اسکی طرف سے پیش آنے والی تکلیف وہ چیز بھی مثل کشمش لذیذ و شیریں ہوتی ہے" کا یہی مطلب ہے۔ تلخ کو شیریں بنا دینا اسکا ادنیٰ کارنامہ ہے۔ احکام ابتدا میں سخت معلوم ہوتے ہیں لیکن جب ان سے ایک تعلق اور محبت ہو جاتی ہے تو وہ آسان اور سہل ہو جاتے ہیں۔ حضرتؒ سے ایک قصہ سنا فرماتے تھے کہ ایک شخص اپنے غلام کو ککڑیاں تراش تراش کر اپنے ہاتھ سے کھلا رہا تھا غلام مزے سے لیکر کھا رہا تھا آخر میں ایک قاش خود مولیٰ نے کھائی تو وہ

نہایت ہی کڑوی تھی اس نے تعجب سے غلام سے پوچھا کہ تم نے کہا بھی نہیں یہ تو نہایت کڑوی ہے تم نے یہ کھائی کیسے؟ غلام نے جواب دیا کہ کڑواہٹ تو مجھے بھی محسوس ہوئی تھی لیکن میں نے یہ خیال کیا کہ جن ہاتھوں سے ہمیشہ میٹھی چیزیں کھائی ہوں ان سے ایک بار کڑوی پاکر نہ کھانا یا منہ بنانا یہ آئین محبت کے خلاف ہے۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے جو دیا تھا اسکی شیرینی نے اسکی تلخی کو مغلوب کردیا۔ آقا اس جواب سے بہت خوش ہوا دیکھا آپنے یہ ہے محبت کا کرشمہ اس نے کڑوی چیز کو بھی چھوڑنے نہیں دیا۔ اسپر ایک واقعہ یاد آیا، سنئے

احکام شرعیہ کبھی اور کسی سے ساقط نہیں ہوتے

حضرت جنیدؒ سے ایسی قوم کے متعلق سوال کیا گیا جو تکالیف یعنی احکام شرعیہ کے اسقاط کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ تکالیف شرعیہ تو وصول کے وسائل تھے اور ہم واصل ہو گئے اسلئے اب ہمکو ان کی ضرورت کیا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ واصل ہونے کے دعویٰ میں تو وہ سچے ہیں مگر جہنم واصل ہیں اور جو شخص کہ چوری اور زنا کرتا ہو وہ ایسے شخص سے اچھا ہے (اسلئے کہ وہ عملی خرابی ہے اور اس خرابی کا منشاء بد اعتقادی ہے شریعت سے) اور فرمایا کہ اگر میں ہزار برس تک زندہ رہوں تو بدون عذر شرعی کے (احکام تو بڑی چیز ہیں) اپنے اوراد میں بھی ذرہ برابر کمی نہ کروں۔

(علامہ شعرانیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بعض عارفین کا جو یہ قول ہے کہ سالک ایسے مقام پر پہونچ جاتا ہے کہ اس سے

تکلیف مرتفع ہو جاتی ہے تو مراد انکی اس تکلیف سے عبادت کی کلفت اور مشقت کا مرتفع ہو جانا ہے تکلیف شرعی مراد نہیں ہے)

چنانچہ انھیں حضرت جنیدؒ کا واقعہ ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ آپ تو واصل ہو گئے ہیں اب آپ تسبیح کیوں پڑھتے ہیں فرمایا کہ واہ اسی کی بدولت تو واصل ہوئے ہیں اب اپنے اسی محبوب کو چھوڑ دیں سبحان اللہ ان حضرات کو تسبیح سے بھی محبت ہو جاتی ہے کیونکہ وہی وصل کا ذریعہ بنی تھی۔

اسی طرح سے ایک واقعہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لیجا رہے تھے راستہ میں ایک پتھر کو دیکھا کہ زار و قطار رو رہا ہے (اس میں سے پانی نکلتا ہوگا حضرت پر مکشوف ہوا کہ یہ رو رہا ہے یہ سب باطنی باتیں ہیں آپ لوگوں کی سمجھ میں نہ آتی ہونگی نہ آئیں کتاب میں یہ واقعہ لکھا ہے اسلئے ہم بھی بیان کرتے ہیں) آپ نے اس سے رونے کا سبب دریافت کیا اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے متعلق فرمایا ہے کہ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اسی وقت سے اس خوف سے رو رہا ہوں کہ کہیں میں بھی نہ اسکا ایندھن بنوں آپ مناجات رب العالمین کے لئے جا رہے ہیں ذرا میرے لئے بھی سفارش فرما دیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھکو اس سے محفوظ رکھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر پہونچے تو لذت مناجات آگے سب بھول گئے، اللہ تعالیٰ ہی نے یاد دلایا کہ کسی

کچھ پیغام لائے ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ جی ہاں! ایک پتھر نے ایسا ایسا کہا ہے۔ فرمایا اس سے جاکر کہدینا کہ تمھاری اس خشیت کی بدولت میں نے تمکو اس سے مستثنیٰ کردیا تم دوزخ میں نہیں ڈالے جاؤگے۔ حضرت نے واپس آکر یہ بشارت اسکو سنادی کچھ مدت کے بعد ایک مرتبہ پھر ادھر سے گذر ہوا دیکھا کہ بدستور وہ رورہا ہے فرمایا اب تیرے رونے کا کیا سبب ہے تیری تو دوزخ سے رہائی ہوگئی ہے، عرض کیا کہ جس رونے کے سبب سے اس عذاب سے بچا ہوں اسی کو چھوڑ دوں۔

صوفیہ نے اس قصہ کو بہت لذت کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان لوگوں کو ناقص کہا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ طاعات وصال سے پہلے پہلے ہیں وصال کے بعد تکلیف ساقط ہوجاتی ہے۔ یہ لوگ محبت کے کوچہ سے نہیں گذرے ہیں اگر انکے اندر محبت ہوتی تو آلۂ وصال ہونے کی وجہ سے طاعت سے انکو محبت ہوتی اسکے ترک کرنے کا کیا سوال؟ محبت کی شان ہی جدا ہوتی ہے جب تک بدن کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی طاعت میں نہیں لگتے بلکہ راہ کا روڑا ہوتے ہیں یہ حضرات اپنے بدن کے کھلی دشمن ہوتے ہیں۔ اپنی آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور بدن کو تمام لذات سے محروم کردیتے ہیں اور اپنے نفس کے پورے دشمن ہوتے ہیں اسی کا نام مجاہدہ ہے اسکی کسی خواہش کو پوری نہیں ہونے دیتے۔ ایک وقت تو ان حضرات کا ایسا گذرتا ہے لیکن دوسرے وقت میں جب نفس مطیع ہوجاتا ہے اور اعضاء اللہ تعالیٰ کے احکام کے منقاد ہوجاتے ہیں محض محبوب کے مطیع ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو اپنا نفس

اور اپنے سارے اعضاء محبوب ہو جاتے ہیں اسی مرتبہ پر پہونچکر اہل اللہ کبھی اس کلام کے ساتھ مترنم ہوتے ہیں ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

یعنی میں اپنی اس آنکھ پر ناز کرتا ہوں کہ اس نے تیرا جمال دیکھا ہے اور اپنے اس پاؤں پر سر رکھتا ہوں کہ وہ تیرے کوچہ تک پہونچا ہے۔

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ہر دم اپنے ہاتھ کو ہزاروں بار بوسہ دیتا اور چومتا ہوں کہ اس نے تیرا دامن پکڑ کر میری جانب کھینچا ہے۔

سبحان اللہ! جب یہ اعضاء محبوب کے نافرمان اور مخالف تھے تو مبغوض تھے اور مجاہدہ کے بعد جب وصول ہوگیا تو طاعات وعبادات تو بجائے خود رہے ان اعضاء ہی سے محبت ہوگئی اور یہ اس لائق ہو گئے کہ ان پر سالک جسقدر بھی ناز کرے کم ہی ہے، یہ محبت ہی کا اثر ہے۔ جب اصل سے محبت ہو جاتی ہے تو فرع اور ذریعہ سب سے محبت ہو جاتی ہے۔ خوب سمجھ لیجئے احکام والے سے محبت ہوگی تو احکام سے بھی ہوگی اور اگر اعمال سے محبت نہیں ہے تو سمجھ لیجئے اصل ہی سے پتا کٹا ہوا ہے۔

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

تفصیل الدین

(۲)

اسی جہل کا ایک اثر یہ ہے کہ حدیث و قرآن کی دعاؤں
لوگوں کے ذہنوں میں وہ درجہ نہیں جو پیرزادوں کی گڑھی
ہوئی دعاؤں کا درجہ ہے۔ چنانچہ جب میں حج کو گیا تھا تو
سوقت میرے ابتدائی کتابوں کے استاد کانپور میں میری جگہ
رسیں کیلئے تشریف لے آئے تھے وہاں ان سے ایک شخص نے اپنے
رض کے لیئے وظیفہ پوچھا انھوں نے ایک دعا بتلادی اس
نے بڑی رغبت سے یاد کی اور انھوں نے زیادہ رغبت دلانے
کے لیئے یہ بھی فرمادیا کہ یہ دعا حدیث میں آئی ہے اور اسکی
فضیلت ہے۔ بس یہ سنکر اس شخص کا منہ پھیکا سا ہوگیا اور
کہنے لگا کہ حضرت میں تو کوئی ایسا وظیفہ چاہتا ہوں جو آپ کے پاس
سینہ بسینہ چلا آرہا ہو حدیث کی دعا تو عام ہے سبھی پڑھ لیتے ہیں،
و لوگ آجکل ایسی ہی بے قدری کرتے ہیں۔

ایک شخص مجھ سے خود کہتے تھے کہ میری نماز تو قضا ہوجاتی
ہے مگر پیر نے جو وظیفہ بتایا ہے وہ کبھی قضا نہیں ہوتا۔ عجیب
حالت ہے کہ اول تو دین کی طرف توجہ ہی نہیں اور توجہ بھی ہے
تو اس خوبصورتی کے ساتھ۔

اسی طرح ان عہدہ دار صاحب کو پیر نے منع کر دیا تھا کہ وظیفہ میں بولنا نہیں اسلئے انکو بولنا تو ناجائز تھا مگر رشوت لینا جائز تھا بلکہ شاید وظیفہ بھی اسی واسطے پڑھتے ہوں کہ رشوت خوب ملے۔ اور رشوت کے لئے بھی نہ سہی تو اس میں تو شک نہیں کہ آجکل وظائف زیادہ تر دنیا کے لئے پڑھے جاتے ہیں کہ مال میں برکت ہو نوکری مل جائے، قرض اتر جائے۔ رضائے حق کے واسطے بہت ہی کم پڑھے جاتے ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ دنیا کے کاموں کے لئے وظیفہ پڑھنا ناجائز ہے مگر یہ ضرور کہونگا کہ دنیا کے لئے اگر چالیس بار پڑھتے ہو تو آخرت کے لئے کم سے کم چار بار تو کوئی وظیفہ پڑھو مگر اسکی ذرا بھی فکر نہیں۔

دعاء اور وظیفہ کا فرق جب آپ کو دین کی فہم کامل حاصل ہوگی اسوقت میں یہ کہوں گا کہ ؎

از خدا غیر خدا را خواستن
ظن افزونی ست کلی کاستن

(خدا سے خدا کے سوا کچھ اور مانگنے میں خیال تو بڑھانے کا ہوتا ہے مگر ہے سراسر گھاٹا اور خسران)

خدا تعالیٰ سے غیر خدا کو چاہنا حقیقت میں پستی ہے یہ بلند ہمتی نہیں ہے کہ خدا سے دنیا مانگو بلکہ یہ پست ہمتی اور دناءت ہے۔ مگر اس کے دو طریقے ہیں ایک تو دنیا کے واسطے خدا تعالیٰ سے دعاء کرنا اور دعاء کے ذریعہ مانگنا یہ مذموم نہیں ہے بلکہ یہ تو شان عبدیت ہے اور ایک وظیفہ پڑھکر مانگنا یہ مذموم ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے وہ یہ کہ دعاء کرکے مانگنے میں ایک ذلت کی شان ہے اور یہ اس غرض کے موافق ہے جو

بندوں کے پیدا کرنے سے اصل مقصود ہے جس کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۝

(اور میں نے جن اور انسان کو (دراصل) اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں)

اسی لئے حدیث میں ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ اور میں نے عبادت کو جو اصل مقصود کہا ہے اس میں اصل کی قید اسواسطے لگائی کہ کوئی یوں نہ سمجھے کہ کھانا کمانا اور دنیا کے کاروبار کرنا ناجائز ہے۔ سو خوب سمجھ لو کہ یہ ناجائز نہیں بالکل جائز ہے بلکہ ایک درجہ میں مطلوب بھی ہے مگر اصل مقصود نہیں بلکہ تابع مقصود ہے۔

اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص کھانا پکوائے جس میں پانچ روپیہ صرف ہوں تو گو اصل مقصود کی لاگت اس سے کم ہے مگر جب کوئی پوچھتا ہے کہ اس کھانے کی تیاری میں کیا خرچ ہوا تو جواب یہی دیا جاتا ہے کہ پانچ روپیہ صرف ہوئے ہیں اور جب وہ تفصیل پوچھے تو آپ کہتے ہیں کہ ایک روپیہ کا گھی ایک روپیہ کا آٹا اور ایک روپیہ کا گوشت اور آٹھ آنہ کا مسالہ وغیرہ اور آٹھ آنہ کی لکڑیاں کوئلے اور چار آنے پکانے والے کی مزدوری علیٰ ہذا۔ اس جواب کو سنکر وہ سائل کہنے لگے کہ کیا آپ لکڑیاں اور کوئلے بھی کھایا کرتے ہیں جو اسکو کھانے کے حساب میں شمار کیا۔ بتلائیے کہ آپ کیا جواب دیں گے؟ یقیناً یہی کہیں گے کہ لکڑیاں گو مقصود نہیں مگر مقصود کے تابع ضرور ہیں اسلئے انکو بھی مقصود کے ساتھ شمار کیا جائے گا تو بعینہ یہی تعلق دنیا کو

کو آخرت سے ہے کہ گو وہ بھی کسی درجہ میں مطلوب ہے مگر اصل مقصود نہیں بلکہ تابع مقصود ہے

اب اگر کوئی شخص صرف دنیا ہی کے جمع کرنے میں لگا رہے اسکو ایسا سمجھا جائے گا کہ جیسے کوئی کھانا تو تیار کرے نہیں نہ کھانے کی چیزیں خریدے صرف لکڑیاں گھر میں بھرلے تو بتلایے اگر کوئی اپنے گھر میں لکڑیاں ہی بھرلے تو اسکو کوئی شخص عاقل کہیگا؟ ہرگز نہیں۔ اسیطرح محض دنیا طلبی میں رہنا بھی عاقل کا کام نہیں اور اگر کوئی کھانے کا سارا سامان کرلے مگر ایندھن نہ خریدے تو اسکو کبھی کھانا میسر نہیں ہو سکتا۔ اسیطرح محض دین میں لگے رہنا اور باوجود حاجت دنیا کی مطلق فکر نہ کرنا بھی غیر مطلوب ہے بلکہ اصل مقصود دین کو سمجھے اور اس میں زیادہ مشغول ہو اور کچھ فکر دنیا کی بھی رکھے مگر اسمیں منہمک نہو بلکہ اتنا سامان کرلینا چاہیئے کہ مثلاً ایک سال کے لیے علی اختلاف الاحوال (لوگوں کے مختلف حالات کے لحاظ سے) کافی ہوجاسے کیونکہ اَلضَّرُوْرَۃُ تُقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَۃِ (ضرورت کی چیز بقدر ضرورت حاصل کرنی چاہیئے) اور رفع ضرورت کے لئے اتنا سامان کافی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ مولوی دنیا چھڑاتے ہیں یہ غلط ہے چھڑاتے کہاں ہیں بلکہ وہ تو دنیا کو دین کا ذریعہ بتاتے ہیں اتنا فرق ہے کہ آپ اسی کو مقصود سمجھتے ہیں اور میں اسکو بقدر ضرورت ضروری کہتا ہوں پس دنیا تابع ہے اور اصل مقصود آخرت ہے اسلئے میں نے اصل کا لفظ بڑھا دیا ہے کہ خلقت عالم سے اصل مقصود عبادت ہے۔

اب سمجھئے کہ دعا میں ایک خاصہ ہے جسکی وجہ سے

دعا کرکے دنیا مانگنا جائز ہے اور وظیفہ میں وہ بات نہیں اسلئے مذموم ہے دعا کی حقیقت وہ ہے جو عبادت کی روح ہے یعنی تذلل و اظہار احتیاج اور یہ وہ چیز ہے کہ اگر کوئی سادہ طبیعت آدمی کسی بادشاہ یا امیر کو دعا کرتے دیکھے اور دعا کے وقت جو عاجزی کے الفاظ وہ کہہ رہا ہے وہ سنے تو اسکو حیرت ہو جائیگی کہ یا اللہ یہ شخص بھی اتنا محتاج ہے جو اس عاجزی سے اپنی احتیاج کو ظاہر کر رہا ہے۔

چنانچہ اکبر بادشاہ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ شکار میں وہ کسی طرف رستہ بھول کر جا نکلا وہاں ایک دیہاتی زمیندار تھا اس نے بادشاہ کو پہچانا تو نہیں مگر اپنی کریم النفسی سے اس کی خوب خاطر مدارات کی اکبر بہت خوش ہوا تھوڑی دیر بعد میں لشکر بھی آملا تب دیہاتی کو معلوم ہوا کہ یہ تو بادشاہ تھا۔ اکبر نے چلتے وقت کچھ دیا بھی اور کہہ دیا کہ جب یہ ختم ہو جائے ہمارے پاس پھر آجانا اور دربانوں سے کہہ دیا کہ یہ جب آئے تو روکنا نہیں چنانچہ ایک بار وہ آپہونچا اور اسکو محل میں پہنچا دیا گیا اتفاق سے اکبر اسوقت نماز پڑھ رہے تھے اس دیہاتی کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ بادشاہ ہو کر کس کے سامنے جھک رہا ہے جب اکبر نماز سے فارغ ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے تو دیہاتی کو اور بھی حیرت ہوئی کہ یہ کس سے مانگ رہا ہے آخر جب وہ دعا سے فارغ ہو کر اسکی طرف متوجہ ہوئے تو دیہاتی نے پوچھا تم کس کے سامنے جھکتے اور کس سے ہاتھ پسار کر مانگ رہے تھے اکبر نے کہا کہ میں خدا تعالیٰ کی عبادت کر رہا تھا اور اس سے اپنی حاجتیں مانگ رہا تھا یہ سنکر دیہاتی پر ایک حالت طاری ہوئی اور کہنے لگا کہ جب خدا تمہاری حاجت پوری کر سکتا ہے تو کیا میری حاجت پوری نہ کریگا بس اب میں تم سے کچھ نہیں مانگتا۔

بھی خدا سے مانگوں گا۔

تو صاحبو! دعار کا یہ رنگ ہے جس سے سراسر احتیاج
عاجزی ٹپکتی ہے اور وظیفہ میں یہ بات نہیں (بلکہ اکثر تو یہ۔۔
کہ وظیفہ پڑھکر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وظیفہ کے زور سے ہمارا
مقصود ضرور حاصل ہوگا تو اس حالت میں عجز و احتیاج کہاں؟
دنیا کے واسطے وظیفہ پڑھنا اور دنیا کے لئے دعار کرنا برابر
ہیں۔

دعار کا طریق

اسلئے کہ اگر کوئی دنیا کے واسطے دعار مانگے اور یوں کہے کہ اے خدا مجھے سو روپئے
دے دیجئے تو یہ جائز ہے بلکہ اسمیں بھی وہی ثواب ہے جو آخرت
کے لئے دعار کرنے میں ہے بشرطیکہ دعار ناجائز کام کے لئے نہو
کیونکہ دنیا کے لئے ہر دعار جائز نہیں بلکہ جو شریعت کے موافق ہو
وہی جائز ہے مثلاً کوئی شخص ناجائز ملازمت کے لئے دعار مانگے
یہ جائز نہیں۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے حاکم کے یہاں ایک تو تحصیلداری
کی درخواست دینا اور ایک ڈکیتی کی درخواست دینا، ظاہر ہے
کہ جس کام کو حاکم نے ممنوع قرار دیا ہے اسکی درخواست
حاکم سے کرنا اور حاکم کو اسکے حصول کا ذریعہ بنانا بھی ممنوع ہوگا
تو جو دعار حدود شرعیہ سے باہر ہو وہ تو پسندیدہ ہے ہی نہیں
پھر اسکو پیش کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے آجکل لوگ اسکی بھی رعایت
نہیں کرتے کہ دعار شریعت کے موافق ہو۔

واقعی بات یہ ہے کہ ہم لوگ بڑی غفلت میں ہیں جسکی
وجہ زیادہ تر بے علمی ہے لوگ بعض دفعہ خدا تعالےٰ سے ایسی
چیزیں مانگتے ہیں جو خدا تعالیٰ کو ناپسند ہیں چنانچہ اسوقت بہت

سی ایسی نوکریاں ہیں جو ناجائز ہیں اور انکے لئے دعا ر کرائی جاتی ہے اور اگر وہ مل جائے تو مبارکباد دی جاتی ہے ۔ افسوس کس کس بات کی اصلاح کی جائے ۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

(بدن تو سارا ہی زخموں سے بھر چکا ہے اب روئی کا پھایا آخر کہاں کہاں رکھوں)

اور غضب یہ ہے کہ ایسی ناجائز ملازمتوں کے لئے اہل اللہ سے جاکر دعا ر کرائی جاتی ہے اور اس سے بڑھکر یہ کہ مُردوں کے پاس جاکر کہتے ہیں کہ آپ ہمارا یہ کام کر دیجئے گویا سارا اختیار ان کے ہاتھوں میں ہے ۔

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضرت میرا یہ کام کر دیجئے شاہ صاحب نے فوراً حکم دیا کہ نکالو اس مشرک کو یہ مجھ سے کہتا ہے کہ میرا کام کر دیجئے ارے کیا تیرا کام کر دینا میرے اختیار میں ہے ۔ بس آجکل لوگ یوں سمجھ لیتے ہیں کہ یہ تسبیح چلانے والے خدا کے رشتہ دار ہو گئے جو کہہ دیں گے ضرور ہو جائے گا ۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں

یَآ اَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ

(اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق کا غلو ور افراط مت کرو)

اس میں غلو فی الدین سے منع فرمایا گیا ہے ۔ پس گو حضرات اولیاء کی تعظیم ضروری ہے اور دین میں داخل ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ انکی ایسی تعظیم کیجائے کہ خدا تعالیٰ کی توہین ہونے لگے اور شرک لازم آجائے ۔

دیکھو! اگر کوئی حاکم کے پاس جا کر سررشتہ دار کو کلبی سلام کرلے تو اسکا مضائقہ نہیں لیکن اگر اس سے وہ باتیں کہنے لگے جو حاکم سے کہنا چاہئیں مثلاً یوں کہے کہ سررشتہ دار صاحب بس سارا معاملہ آپ ہی کے ہاتھ میں ہے آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں اور اسکی ویسی ہی تعظیم کرنے لگے جیسے حاکم کی کی جاتی ہے تو کیا حاکم اس سے خوش ہوگا یقیناً حاکم اس شخص کو دربار سے نکال دیگا اور یقیناً سررشتہ دار (ہیڈ کلرک) ایسی تعظیم گوارا نہیں کر سکتا اور جو گوارا کرے گا تو وہ بھی دربار سے نکالا جائے گا

اب بتلاؤ کہ جو معاملہ خدا تعالیٰ سے کیا جاتا ہے وہ غیر خدا کے ساتھ کیونکر پسند ہو سکتا ہے۔ یقیناً اس سے حق تعالیٰ ناخوش ہوتے ہی ہیں وہ بزرگ بھی ناخوش و ناراض ہوتے ہیں جنکی ایسی تعظیم کی جاتی ہے۔ پھر حیرت ہے لوگ بزرگوں کے مزارات پر جا کر ایسے بیہودہ کلمات سے ان کا دل دکھاتے ہیں۔

غرض ناجائز ملازمتوں کے لئے زندوں اور مُردوں کو جا کر دق کرتے ہیں، پھر زندوں میں بعض تو صاف ہوتے ہیں جو انکے منہ پر کہہ دیتے ہیں کہ ہم ناجائز کام کے لئے دعا نہیں کریں گے انکو تو بد مزاج اور سخت کہکر بدنام کیا جاتا ہے اور اکثر اپنے اخلاق سے کہہ دیتے ہیں کہ ہاں دعا کریں گے یہ بہت خوش اخلاق شمار ہوتے ہیں اور اس وقت اہل الرائے کی رائے یہی ہے کہ علماء کو ایسے ہی اخلاق چاہئیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حق بات کو ظاہر نہ کیا کریں۔ (جاری)

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ

غیبت

زبان کا ایک عظیم گناہ

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا و نبینا و مولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ و بارک و سلم و تسلیما کثیراً کثیراًo

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ۔

(سورۃ الحجرات ۱۲)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

"غیبت" ایک سنگین گناہ

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ان گناہوں کا بیان فرمارہے ہے جو اس زبان سے سرزد ہوتے ہیں اور سب سے پہلے اس گناہ کا ذکر فرمایا جس کا رواج بہت زیادہ ہو چکا ہے وہ ہے غیبت کا گناہ، یہ ایسی مصیبت ہے جو ہماری مجلسوں پر اور ہمارے معاشرے پر چھا گئی ہے کوئی مجلس اس سے خالی نہیں، کوئی گفتگو اس سے خالی نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں اور قرآن کریم نے غیبت کے لئے ایسے سنگین الفاظ استعمال کیئے ہیں کہ شاید کسی اور گناہ کے لئے اتنے سنگین الفاظ استعمال نہیں کئے چنانچہ فرمایا

وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ

یعنی ایک دوسرے کی غیبت مت کرو (کیونکہ یہ ایسا برا عمل ہے جیسے اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا) کیا تم میں سے کوئی اسکو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے؟ تم اس کو بہت برا سمجھتے ہو" لہذا جب تم اس عمل کو برا سمجھتے ہو تو غیبت کو بھی برا سمجھو۔

اس میں ذرا غور کریں کہ اس میں غیبت کی کتنی شناعت بیان فرمائی ہے۔ ایک تو انسان کا گوشت کھانا اور آدم خور بن جانا ہی کتنی شناعت کی بات ہے اور انسان بھی کون سا اپنا بھائی اور بھائی بھی زندہ نہیں بلکہ مردہ، اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا جتنا سنگین ہے، اتنا ہی دوسرے کی غیبت کرنا سنگین اور خطرناک ہے۔

غیبت کی تعریف

غیبت کے کیا معنی ہیں؟ غیبت کے معنی ہیں دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی بیان کرنا چاہے وہ برائی صحیح ہو، وہ اسکے اندر پائی جارہی ہو، غلط نہو پھر بھی اگر بیان کروگے تو وہ غیبت میں شمار ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! غیبت کیا ہوتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا

ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ

یعنی اپنے بھائی کا اسکے پیٹھ پیچھے ایسے انداز میں ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو یعنی اگر اسکو پتہ چلے کہ میرا ذکر اس طرح اس مجلس میں کیا گیا تھا تو اسکو تکلیف ہو اور وہ اسکو برا سمجھے، تو یہ غیبت ہے۔ ان صحابی نے پھر سوال کیا کہ

إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ

اگر میرے بھائی کے اندر وہ خرابی واقعۃً موجود ہے جو میں بیان کررہا ہوں تو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ خرابی واقعۃً موجود ہے تب تو یہ غیبت ہے۔ اور اگر وہ خرابی اسکے اندر موجود نہیں ہے اور تم اسکی طرف جھوٹی نسبت کررہے ہو تو پھر یہ غیبت نہیں پھر تو یہ بہتان بن جائے گا اور دُہرا گناہ ہو جائے گا۔

(ابوداؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ حدیث نمبر ۴۸۷۴)

اب ذرا ہماری مجلسوں اور محفلوں کی طرف نظر ڈال کر دیکھئے کہ کس قدر اسکا رواج ہو چکا ہے اور دن رات اس گناہ کے اندر مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

بعض لوگ اسکو درست بنانے کیلئے یہ کہتے ہیں کہ میں غیبت نہیں کر رہا ہوں میں تو اسکے منہ پر یہ بات کہہ سکتا ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ جب یہ بات میں اسکے منہ پر کہہ سکتا ہوں تو میرے لئے یہ غیبت کرنا جائز ہے۔ یاد رکھو چاہے تم وہ بات اسکے منہ پر کہہ سکتے ہو یا نہ کہہ سکتے ہو وہ ہر حالت میں غیبت ہے۔ بس اگر تم کسی کا برائی سے ذکر کر رہے ہو تو یہ غیبت کے اندر داخل ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

غیبت گناہ کبیرہ ہے

اور یہ ایسا ہی گناہِ کبیرہ ہے جیسے شراب پینا، ڈاکہ ڈالنا، بدکاری کرنا کبیرہ گناہوں میں داخل ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں وہ بھی حرام قطعی ہیں یہ بھی حرام قطعی ہے۔ بلکہ غیبت کا گناہ اس لحاظ سے ان گناہوں سے زیادہ سنگین ہے کہ غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک بندہ اسکو معاف نہ کردے اسوقت تک وہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔ دوسرے گناہ صرف توبہ سے معاف ہوسکتے ہیں لیکن یہ گناہ صرف توبہ سے بھی معاف نہیں ہوگا۔

اس سے اس گناہ کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ خدا کے لئے اسکا اہتمام کریں کہ نہ غیبت کریں اور نہ غیبت سنیں اور جس مجلس میں غیبت ہو رہی ہو اس میں گفتگو کا رخ بدلنے کی کوشش کریں کوئی دوسرا موضوع چھیڑ دیں اگر اگر گفتگو کا رخ نہیں بدل سکتے تو پھر اس مجلس سے اٹھکر چلے آئیں اسلیئے کہ غیبت کرنا بھی حرام ہے اور غیبت سننا بھی حرام ہے۔

یہ لوگ اپنے چہرے نوچیں گے

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما عرج بی مررت بقوم لھم اظفار من نحاس یخمشون بھا وجوھھم وصدورھم فقلت: من ھؤلاء یا جبریل؟ قال ھؤلاء الذین یاکلون لحوم الناس و یقعون فی اعراضھم۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ حدیث نمبر ۴۸۰۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات معراج میں مجھے اوپر لے جایا گیا تو وہاں میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جو اپنے ناخنوں سے اپنے چہرے نوچ رہے تھے۔ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں انھوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور لوگوں کی آبروؤں پر حملے کیا کرتے تھے۔

غیبت زنا سے بدتر ہے

چونکہ اس گناہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے صحابہ کرام کے سامنے پیش فرمایا، ان سب کو پیش نظر رکھنا چاہیئے تاکہ ہمارے دلوں میں اسکی شناعت اور قباحت بیٹھ جائے۔ اللہ تعالے اپنے فضل سے اسکی شناعت ہمارے دلوں میں بٹھا دے

اور اس شناعت وقباحت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین
اس حدیث کے اندر آپ نے دیکھا کہ آخرت میں انکا یہ انجام
ہوگا کہ اپنے چہرے نوچ رہے ہوں گے۔ اور ایک روایت
میں جو سند کے اعتبار سے بہت مضبوط نہیں ہے مگر معنی
کے اعتبار سے صحیح ہے وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ غیبت کا گناہ زنا کے گناہ سے بھی بدتر ہے اور وجہ
اسکی یہ بیان فرمائی کہ خدا نہ کرے اگر کوئی زنا میں مبتلا ہو جائے
تو جب کبھی ندامت اور شرمندگی ہوگی اور توبہ کرلے گا تو
انشاء اللہ معاف ہو جائے گا لیکن غیبت کا گناہ اس وقت تک
معاف نہیں ہوگا جب تک وہ شخص معاف نہیں کر دیگا جسکی غیبت اور
جسکی آبرو ریزی کی گئی ہے۔ اتنا خطرناک گناہ ہے۔
(مجمع الزوائد باب ما جاء فی الغیبۃ والنمیمۃ ج ۸ ص ۹۱)

غیبت کرنے والے کو جنت سے روک دیا جائیگا

ایک حدیث میں حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ غیبت کرنے والے ہونگے
انہوں نے دنیا میں بظاہر بڑے اچھے اعمال کئے ہوں گے
نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، عبادتیں کیں لیکن جس وقت
وہ لوگ پل صراط پر سے گذریں گے۔ آپ حضرات جانتے
ہیں کہ پل صراط ایک پل ہے جو جہنم کے اوپر سے گزرتا ہے
اور ہر انسان کو اسکے اوپر سے گزرنا ہے۔ اب جو شخص جنتی
ہے وہ اس پل کو پار کرکے جنت میں پہونچ جائے گا اور اللہ بچائے
جس کو جہنم میں جانا ہے اسکو اسی پل کے اوپر سے نیچے کھینچ لیا
جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ لیکن غیبت کرنیوالوں

کو پل کے اوپر جانے سے روک دیا جائیگا اور ان سے کہا جائیگا کہ تم آگے نہیں بڑھ سکتے جب تک اس غیبت کا کفارہ ادا نہ کرو گے یعنی جسکی غیبت کی ہے اس سے معافی نہ مانگ لو اور وہ تمہیں معاف نہ کردے اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے

بدترین سود غیبت ہے

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ سود اتنا زبردست گناہ ہے کہ اسکے اندر بے شمار خرابیاں ہیں اور بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے اور اسکا ادنی گناہ ایسا ہے۔ العیاذ باللہ۔ جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے۔ دیکھئے سود پر اتنی سخت وعید آئی ہے کہ ایسی وعید اور کسی گناہ پر نہیں آئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بدترین سود یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی آبرو پر حملہ کرے۔ کتنی سخت وعید بیان فرمائی۔

(ابوداؤد۔ کتاب الادب باب فی الغیبۃ حدیث نمبر ۴۸۷۶)

غیبت مردار بھائی کا گوشت کھانا ہے

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو خواتین تھیں، انھوں نے روزہ رکھا اور روزہ کی حالت میں دونوں خواتین آپس میں بات چیت کرنے میں مشغول ہو گئیں جس کے نتیجہ میں غیبت تک پہونچ گئیں کسی کا ذکر شروع ہوا تو اسکی غیبت بھی شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور بتایا کہ یا رسول اللہ ان دو خواتین نے روزہ رکھا تھا مگر اب انکی حالت بہت خراب ہو رہی ہے اور پیاس کی وجہ سے انکی جان لبوں پر آرہی ہے اور دو خواتین

مرنے کے قریب ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بظاہر بذریعہ وحی معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان خواتین نے غیبت کی ہے چنانچہ آپ نے حکم فرمایا کہ ان خواتین کو میرے پاس لے آؤ۔ جب ان خواتین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے دیکھا کہ واقعۃً وہ لب دم آئی ہوئی ہیں، پھر آپ نے حکم دیا کہ ایک بڑا پیالہ لاؤ، چنانچہ پیالہ آیا تو آپ نے ان میں سے ایک خاتون کو حکم فرمایا کہ تم اس پیالے میں قے کرو جب اس نے قے کرنی شروع کی تو قے کے ذریعہ اندر سے پیپ خون اور گوشت کے ٹکڑے خارج ہوئے۔ پھر دوسری خاتون سے فرمایا کہ تم قے کرو، جب اس نے قے کی تو اس میں بھی خون اور پیپ اور گوشت کے ٹکڑے خارج ہوئے یہاں تک کہ وہ پیالہ بھر گیا۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمھارے ان بہنوں، بھائیوں کا خون اور پیپ اور گوشت ہے جو تم دونوں نے روزے کی حالت میں کھایا تھا

تم دونوں نے روزے کی حالت میں جائز کھانے سے تو اجتناب کرلیا لیکن جو حرام کھانا تھا یعنی دوسرے مسلمان بھائی کا خون اور گوشت کھانا اسکو تم نے نہیں چھوڑا جس کے نتیجے میں تم دونوں کے پیٹوں میں یہ چیزیں بھر گئی تھیں اسکی وجہ سے تم دونوں کی یہ حالت ہوئی۔ اسکے بعد فرمایا کہ آئندہ کبھی غیبت کا ارتکاب مت کرنا۔ گویا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے غیبت کی صورت مثالی دکھادی کہ غیبت کا یہ انجام ہوتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگوں کا ذوق خراب ہوگیا ہے ہماری حس مٹ چکی ہے۔ جسکی وجہ سے گناہ کی شناعت اور قباحت دل سے جاتی رہی ہے لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ حس سلیم عطا فرماتے ہیں اور ذوق سلیم عطا فرماتے ہیں انکو اسکا مشاہدہ بھی کرادیتے ہیں۔ (جاری)

مولانا محمد اسحٰق صاحب میرٹھیؒ

کتابُ الجمعہ

از تادیب و تہذیب

ترجمہ

ترغیب و ترہیب

امام حافظ زکی الدین عبد العظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ الذی ھدانا سبل السلام و فضّل علینا بیوم الجمعۃ الذی ھو سید الایام والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ المبعوث الی کافۃ الانام وعلی الہ و اصحابہ الّذین ھم ھداۃ الحق و دعاۃ الاسلام - اما بعد

جمعہ اور اسکے آداب کی رعایت و پابندی اسلامی شعائر میں سے ہے موجودہ زمانے میں جس طرح اور مذہبی اصولی کاموں میں تساہل اختیار کیا جاتا ہے اسی طرح جمعہ اور اسکے آداب کی پابندی کلی اب مفقود ہوتی جاتی ہے لہذا اس مذہبی کام کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتے ہوئے جمعہ کے متعلق احادیث کا ترجمہ کتاب کا ایک مستقل جزو بنا کر "کتاب الجمعۃ" کے نام سے موسوم کیا گیا - واللہ تعالیٰ المستعان -

نماز جمعہ اور اسکے لئے جانے کی ترغیب
جمعہ کے دن اور وقت کے فضائل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خوب اچھی طرح وضو کر کے جمعہ کے لئے آئے اور پھر خاموش بیٹھکر (خطبہ) سنتا رہے اور اسکے بعد نماز پڑھے تو اس شخص کے اس جمعہ سے لیکر دوسرے جمعہ تک (سات یوم) اور تین یوم اسکے علاوہ (کل دس یوم) کے تمام گناہ (صغیرہ) معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور جو شخص (اثنائے خطبہ یا سجدے کے وقت) کنکریاں ہی برابر کرتا رہا (یا اور کوئی اس قسم کا بیہودہ کام کرتا رہا) تو اس نے بیکار وقت ضائع کیا۔

ف : اللہ میاں کے یہاں قانون یہ ہے کہ ایک نیکی کا کم ازکم دس گنا ثواب دیا جاتا ہے لہٰذا ایک روز جمعہ کی نماز پڑھنے سے دس دن کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ قدرت کی کریمی ملاحظہ ہو کہ کس طرح گناہوں کی بخشش کا سامان مقرر فرمایا ہے۔ اسکو مسلم ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ نے روایت کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچوں (وقت کی) نمازیں (ایک نماز دوسری نماز تک) اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک کے تمام درمیانی زمانہ کے صغیرہ گناہوں کے لئے مکفر (کفارہ) ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے

اجتناب کیا جائے۔ اسکو مسلم وغیرہ نے روایت کیا۔

طبرانی نے کبیر میں ابو مالک اشعری کی روایت سے نقل کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر جمعہ آنیوالے جمعہ تک کے درمیانی سات یوم اور تین دن اسکے علاوہ (کل دس یوم کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اسکو (کم از کم) دس گنا ثواب ملتا ہے (یہ تو مقررہ قانون ہے باقی وَاللہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں اس سے کہیں زیادہ دیدیں جس کے لئے کوئی مقدار مقرر نہیں)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص (اپنی تمام عمر میں) ایک دن ان پانچوں ہوں کو کرلے تو اللہ پاک ضرور اسکا نام جنتیوں میں لکھدیں گے۔ کسی مریض کی عیادت کرے اور کسی[۲] جنازہ میں شریک ہو جائے۔ اور ایک[۳] روزہ رکھ لے اور جمعہ[۴] کے لئے چلا جائے۔ اور ایک[۵] غلام آزاد کردے۔

ف: غلام کا آزاد کرنا آجکل یہ چیز میسر نہیں آسکتی باقی سب کام سہل ہیں۔ سو اللہ پاک نے تسبیح و اذکار ایسے مقرر فرمادیئے ہیں جو غلام آزاد کرنے کی برابر وزن رکھتے ہیں، چنانچہ ادعیہ واذکار کے بیان میں گذر چکا لہٰذا اب جنتیوں میں نام لکھانا کچھ دشوار نہیں۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا۔

حضرت یزید بن ابی مریم فرماتے ہیں کہ ایک روز مجھے جمعہ کی نماز کو جاتے ہوئے (راستے میں) عبایہ ابن رفاعۃ بن رافع صحابی رضی اللہ عنہ ملے اور کہنے لگے کہ خوش ہو تمھارے یہ قدم

اللہ کے راستے میں اٹھ رہے ہیں ۔ میں نے ابو عبسؓ سے سنا ہے کہتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہو گئے وہ نار جہنم پر حرام ہیں ۔ اسکو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے ۔ امام بخاری نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے انکے ہاں ہے کہ عبایہؒ فرماتے ہیں کہ مجھے (ایک روز) ابو عبسؓ جمعہ کی نماز کو جاتے ہوئے ملے اور کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہو گئے اسکو اللہ پاک نے جہنم پر حرام فرما دیا اور ایک روایت میں ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص کے قدم اللہ پاک کے راستے میں غبار آلود ہوں اور پھر انکو جہنم کی آگ چھو سکے۔ باقی امام بخاریؒ کے یہاں عبایہ کی یزید سے گفتگو کا ذکر نہیں ہے

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص جمعہ کے روز (اچھی طرح) غسل کرے اور اگر میسر ہو تو خوشبو بھی لگائے اور عمدہ کپڑے پہنکر جمعہ کی نماز کو جائے اور (مسجد میں پہونچکر) جس قدر ممکن ہو نوافل اور سنن پڑھے مگر صف اول کی ہوس میں کسی کو تکلیف بھی نہ دے اور پھر (اثنائے خطبہ میں) خاموش بیٹھا رہے حتیٰ کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو جائے تو اسکے لئے اس جمعہ سے لیکر دوسرے جمعہ تک کے تمام گناہوں کے لئے کفارہ ہو جائے گا۔ امام احمدؒ طبرانیؒ نے اور ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ امام احمدؒ کے رُواۃ ثِقات ہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے روز غسل کرکے جو اسکے پاس اچھے عمدہ کپڑے ہوں وہ پہنے اور اگر میسر ہو تو خوشبو بھی لگائے پھر وقار کے ساتھ (میانہ روی سے) جامع مسجد جائے۔ اور (صف اول کی طلب میں) لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور کسی کو تکلیف نہ دے۔ پھر (خطبہ سے قبل) جو مقدور ہو نوافل اور سنن پڑھے پھر (خطبہ کے درمیان سکون اور خاموشی کے ساتھ) انتظار کرے حتیٰ کہ امام ممبر سے اتر آئے (پھر نماز جمعہ ادا کرے) تو دو جمعوں کے درمیان جسقدر گناہ ہیں سب معاف ہو جائیں گے۔ اسکو امام احمد نے اور طبرانی نے بروایت حرب عن ابی الدرداء نقل کیا ہے۔ لیکن حرب کو ابو درداء سے سماع نہیں۔

حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ نُبَیْشَہ ہُذَلی رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان آدمی جمعہ کے روز غسل کرکے جامع مسجد آئے اور (صفوں) میں کسی نمازی کو تکلیف نہ دے اگر امام خطبہ کے لئے ممبر پہ آیا ہو تو اتنی دیر جس قدر ممکن ہو سنن و نوافل پڑھے اور اگر امام (ممبر پہ) آگیا ہو تو خاموش بیٹھکر خطبہ سنے حتیٰ کہ امام خطبہ وغیرہ سے فارغ ہو جائے (اور پھر نماز ادا کرے) تو اسکے عوض اگر اس گذشتہ جمعہ کے گناہ معاف نہ ہونگے تو (انشاء اللہ) آنے والے جمعہ تک کے گناہوں کے لئے کفارہ ضرور ہو جائے گا۔ اسکو امام احمد نے روایت کیا۔ میرے علم میں عطاء نے نبیشہؓ سے نہیں سنا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی جمعہ کے روز خوب اچھی طرح نہا دھو کر حسب حیثیت تیل خوشبو وغیرہ لگائے اور پھر نماز کے لئے جامع مسجد جائے (اور مسجد میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے نمازیوں (کی صفوں) کو نہ چیرے اور (خطبہ سے پہلے) جو کچھ مقدور ہو سنن و نوافل پڑھے، اور جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش (بیٹھا سنتا) رہے (اور پھر سب کے ساتھ نماز پڑھے) تو اللہ پاک اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تمام گناہ معاف فرما دیں گے۔ اس کو امام بخاریؒ نے روایت کیا اور نسائیؒ نے۔

اور نسائی کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جو کوئی آدمی جمعہ کے روز قاعدہ کے موافق غسل وغیرہ کرکے اپنے گھر سے جامع مسجد (نماز کے لئے) آئے اور (اثنا رخطبہ میں) خاموش رہے حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جائے تو یہ اسکے گذشتہ جمعہ تک کے لئے کفارہ ہو جائے گا۔

نیز اسکو طبرانی نے کبیر میں باسناد حسن مثل نسائی روایت کیا ہے اور اسکے آخر کے الفاظ یہ ہیں کہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے لئے ہمیشہ کفارہ ہوتا رہیگا جبتک کہ گناہ قاتل (کبیرہ سے) پرہیز رکھا جائے۔

(جاری)

بریں

(لدھیانہ میں ۸ افراد کا قبول اسلام۔ گذشتہ دو برسوں میں ۱۷۵ افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے)

۶ جنوری کو جامع مسجد لدھیانہ میں ۸ افراد نے مولانا حبیب الرحمن ثانی لدھیانوی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جنکے نام مندرجہ ذیل ہیں :-

پرانا نام	اسلامی نام	عمر
۱۔ کلونت	عبد اللہ	۲۴ سال
۲۔ بلدیو راج	محمد دلشاد	۳۰ "
۳۔ داد کور	بشیراں	۲۹ "
۴۔ راج	عبدالرحمن	۲۵ "
۵۔ کرشنا	بانو	۲۸ "
۶۔ ڈکی	محمد حسن	۱۰ "
۷۔ رشی	محمد حسین	۹ "
۸۔ راجکمار	محمد مشتاق	۱۰ "

ان لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کے بعد مجلس میں موجود تمام مسلمانوں نے اللہ کے حضور میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انکو اسلام کا مجاہد بنا دے۔ (آمین)

جامع مسجد لدھیانہ کے نائب امام مولوی فہیم الدین نے اخبار نو کے نمائندہ کو بتلایا کہ گذشتہ دو سالوں میں ایک سو پچھتر ۱۷۵ افراد نے مولانا کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ یہ سلسلہ ایک شخص کے مسلمان ہونے سے شروع ہوا تھا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ دنیش کمار نامی ایک شخص ۲ سال قبل جامع مسجد لدھیانہ میں آیا اور اس نے مولانا حبیب الرحمن ثانی کو بتلایا کہ میرا لڑکا گم ہوگیا ہے تعویذ دیجئے تاکہ مل جائے مولانا نے اس شخص سے کہا کہ بھائی ہم

تعویذ تو دیتا نہیں البتہ چل اللہ کے حضور میں دعا ر مانگتے ہیں' اور ا
ہاتھ منھ دھلا کر مسجد لے گئے مولانا نے اس شخص سے کہا کہ دعا ر میں کہنا
یا اللہ تو میرے لڑکے کو واپس بھیج سکتا ہے' تیرے علاوہ کوئی ایسی ذا
نہیں جو میرے لڑکے کا پتہ بتلادے۔ اس شخص نے مولانا کے بتلائے ہ
طریقہ پر اللہ کے حضور میں مولانا کے ساتھ مل کر دعا ر مانگی اور پھر اللہ
فضل و کرم سے اسکا لڑکا مل گیا۔

پھر اس شخص کے دل میں خدائے وحدہ کی وحدانیت گھر کر
اور وہ شخص مع بیوی بچوں کے مسلمان ہوگیا۔ اس شخص (دنیش) کا اسلام
محمد ابراہیم رکھا گیا۔ محمد ابراہیم صاحب کی لڑکی کا رشتہ ضلع نواں
میں ہونا طے پایا تھا' محمد ابراہیم نے لڑکے والوں کو پیغام بھیجا کہ میر
میرا خاندان اسلام قبول کر چکا ہے لہٰذا آپ کے لڑکے سے میری بچی
شادی نہیں ہوسکتی ہے۔ لڑکے والوں نے اس پیغام کے جواب میں
اگر ہمارا خاندان بھی اسلام قبول کرلے پھر تو آپ کی بچی سے میرے لڑ
کا نکاح ہو سکتا ہے' اس لڑکے اور اسکے والد نے بھی اسلام قبو
کرلیا۔ محمد ابراہیم صاحب کے والد نے اپنی پوتی کے نکاح کے
عرصہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ ان بزرگ کے مسلمان ہونے سے ا
خاندان کے امرتسر میں رہ رہے رشتہ داروں نے لدھیانہ آکر مو
کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اس طرح ان دو سالوں میں اس خان
دو سو افراد اسلام کی روشنی سے منور ہو چکے ہیں۔

مولوی نعیم الدین نے کہا کہ اگر مولانا پانچ روپیہ لیکر تعویذ دے
تو آج شاید یہ لوگ اسلام کی روشنی سے دور ہوتے۔

(محمد عثمان لدھیانوی ۱۴۰ شاہ روڈ لدھیانہ پنجا
(بشکریہ ندائے ملت۔ لکھنؤ)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر:۔ احمد مکین

شمارہ ۷ : ربیع الاول سنہ ۱۴۲۰ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۹۹ء جلد: ۲۲

قیمت فی پرچہ آٹھ روپیہ سالانہ زرِ تعاون اسّی روپیہ ششماہی پینتالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن اسرار کریمی پریس جانسٹن گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اعلان

رسالہ کا زرِ تعاون جنوری ۹۹ء سے مبلغ اسّی روپیہ سالانہ کر دیا گیا ہے۔

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہ

مجلس پنجم
(باہمی تفاخر و تکاثر)

بعد الدعاء و الخطبۃ فرمایا کہ :-

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝ ترجمہ: (دنیوی سامان پر فخر کرنا تم کو غافل کئے رہتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہونچ جاتے ہو، ہرگز یہ چیزیں قابل فخر نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جائیگا، پھر تمکو دوبارہ متنبہ کیا جاتا ہے کہ ہرگز یہ چیزیں قابل فخر نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جائیگا، پھر تمکو سہ بارہ متنبہ کیا جاتا ہے کہ ہرگز یہ چیزیں قابل فخر نہیں اگر تم یقینی طور پر اس بات کو جان لیتے تو کبھی فخر و غفلت میں نہ پڑتے واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر کہا جاتا ہے واللہ تم لوگ اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو خود یقین ہے، پھر اس روز تم سے نعمتوں کی پوچھ ہوگی

سنیئے! حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ہم عذاب قبر کے متعلق شک ہی میں رہے یہاں تک أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ نازل ہوئی۔ اسکے شان نزول کے متعلق اور بھی روایتیں ہیں کہا گیا ہے کہ انصار کے دو قبیلوں بنی حارثہ اور بنی الحارث نے باہم

تفاخر اور تکاثر کیا ایک نے کہا کہ تم میں فلاں فلاں جیسا کون ہے اور دوسرے نے کہا کہ فلاں جیسا تم کسی کو بتلاؤ۔ غرض زندہ لوگوں میں باہم فخر کیا۔ پھر اس کے بعد کہا کہ اچھا چلو قبرستان چلیں پس ایک گروہ نے اپنے خاندان کے کسی شخص کی قبر کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ ہے تم میں کوئی شخص اس جیسا؟ دوسری جماعت نے بھی ایسا ہی کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی دیکھتے ہیں آپ! وہاں تو ان اہل قبور پر عذاب ہو رہا ہے اور وہ اپنے ہی حال میں پریشان ہیں اور یہاں انہی کو ذریعۂ مفاخرت بنایا جا رہا ہے۔ یہ انسان کی انتہائی غفلت ہے اسکا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں فرمایا ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ سورت ایک ہزار آیتوں کے برابر ہے حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کو طاقت ہے کہ روزانہ ایک ہزار آیت پڑھا کرے؟ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ اسکی طاقت کس کو ہے کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھ لیا کرے۔ فرمایا کہ کیا تم اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نہیں پڑھ سکتے؟ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر شب ایک ہزار آیت پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اسکے سامنے ہنس رہے ہوں گے یعنی اس سے نہایت خوش ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ روزانہ ایک ہزار آیتوں کی تلاوت پر کون قادر ہو سکتا ہے؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ تلاوت فرمائی

پھر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ سورت ایک ہزار آیت کے برابر ہے۔

اب آپ کو محض اتنے سے قناعت نہ ہوگی بلکہ ہمکو الزام دیں گے کہ قادر نہیں ہیں تو سنیئے علمار متقدمین ہماری طرح نہیں تھے ان حضرات نے جس بات کو بیان کیا ہے اسکو سمجھا دیا ہے چنانچہ اسکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن میں تقریباً چھ ہزار دو سو آیتیں ہیں ایک ہزار اسکا چھٹا حصہ ہوتا ہے اور مقاصد قرآن بھی چھ ہیں جن میں سے ایک معرفت الآخرۃ ہے اور اس سورۃ میں اسی کا بیان ہے اس طور پر گویا اس میں سُدُس قرآن (یعنی قرآن کا چھٹا حصہ) بیان کر دیا گیا ہے جو ایک ہزار آیت کے برابر ہے پس اس ایک سورۃ کا پڑھنا گویا ایک ہزار آیت کا پڑھنا ہوا۔

مقاصدِ قرآن

اب سنیئے کہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ الہام سے فرماتے ہیں اس لئے کہ ان کے بیان کے بعد تو یہ بات بالکل آسان معلوم ہوتی ہے لیکن ابتداءً سارے قرآن کا تجزیہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی قلب میں ڈالیں تو سمجھ میں آسکتا ہے۔ بہرحال امامؒ فرماتے ہیں مقاصد قرآن چھ ہیں ان میں سے تین، تو مہم ہیں اور تین متمم ہیں۔ مہمات یہ ہیں:-

(۱) تعریف المدعو الیہ (یعنی جسکی طرف دعوت دی گئی ہے اسکی تعریف یعنی اللہ تعالیٰ۔

(۲) تعریف الصراط المستقیم یعنی صراط مستقیم کی تعریف کہ وہ کیا کیا امور ہیں۔

(۳) تعریف الحال عند الرجوع الیہ تعالیٰ یعنی خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کے وقت کیا حال ہوتا ہے اسکی تعریف۔

قرآن نے ان مہمات ثلثہ کو نہایت مدلل بیان کیا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا کھلی بیان ہے اور ایسا بیان ہے کہ قرآن نے اسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اسکی توحید سکھلادی ہے اور بڑے بڑے متکبروں کو جھکادیا سنیئے ہم معنی بیان کرتے ہیں فصیح و بلیغ الفاظ آپ اپنی طرف سے ملا لیجئے گا۔ زبان اور چیز ہے

قال و حال

اور دل اور چیز ہے جب دل کی بحث میں آئیے گا تو زبان گنگ ہو جائیگی اور اس کے متعلق کچھ کلام کرتے زبان لڑکھڑا ئیگی زبان کا صاف ہونا اور بات ہے اور دل کا طاہر ہونا اور بات ہے اس کو بڑے بڑے لوگوں نے سمجھا ہے اور کہا ہے ؎

زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا

اب اسکو تو مانیئے گا؟ آج بس زبان صاف کرنے کی فکر ہے اسی لئے تقریر میں ربط تلاش کرتے ہیں اگر کہیں دل کے طاہر کرنے کا خیال پیدا ہو جائے تو پھر تو خدا اور رسول سے ربط ہی پیدا ہو جائے تو سن لیجئے کہ مجرد قال نافع نہیں ہے حال جو بدلتا ہے تو حال سے اس قال سے جس میں حال شامل ہو جتنے لوگوں کے دل بدلے ہیں وہ حال سے بدلے ہیں اور حال صاحب حال کی صفت ہے لیکن اس چیز کا پیدا کرنا ذرا مشکل ہے۔ اور یہ حال حاصل ہونا الگ رہا جلدی آپ کی سمجھ میں بھی نہ آسکے گا اس لئے ایک مثال بیان کرتا ہوں سنیئے!۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ بہت بڑے شخص ہوئے ہیں

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے پیر ہیں انکا واقعہ لکھا ہے کہ کسی عالم کے پاس پڑھنے جاتے تھے ان کے والد عالم تھے ایک بڑے عالم کے سپرد انکو کیا تھا ایک دن راستہ میں کوئی مجذوب ملا اور اس نے ان کے کان میں چپکے سے یہ شعر پڑھ دیا کہ ؎

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را
سیپارۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

(کنز و ہدایہ میں خدا کو نہیں پا سکتے بلکہ اسکے لئے تو دل کا سیپارہ دیکھو کیونکہ اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے)

اس شعر کا سننا تھا کہ حالت ہی بدل گئی پڑھنا لکھنا چھوڑ کر خدا کی تلاش میں نکل پڑے کسی دیہات میں ایک بزرگ سے ملاقات ہو گئی ان ہی کے پاس رہ پڑے پھر اتنے بڑے زبردست شخص ہوئے کہ مجدد الف ثانیؒ جیسے حضرات ان کے خلفاء میں سے ہوئے آپ سمجھتے ہیں کہ وہ علم سے محروم رہے؟ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑھکے انکو علوم عطا فرمائے طریق کا معاملہ کلی عجیب ہے یہاں کسی چیز کے حاصل کرنے کا طریقہ اسکا ترک کرنا ہوتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

جملہ عالم زیں غلط کردند راہ　　کز عدم ترسند و آں آمد پناہ

(تمام لوگ اسی وجہ سے راستے بھٹک گئے کہ وہ عدم (یعنی فنا و نیستی) سے ڈرتے ہیں حالانکہ عدم ہی انکے لئے جائے پناہ تھی)

از کجا جوئیم علم؟ از ترک علم　　از کجا جوئیم سلم؟ از ترک سلم
از کجا جوئیم حال؟ از ترک حال　　از کجا جوئیم قال؟ از ترک قال
از کجا جوئیم ہست از ترک ہست　　از کجا جوئیم دست از ترک دست

(علم کہاں ڈھونڈھیں؟ ترک علم سے، اور صلح کہاں سے تلاش کریں؟ ترک صلح سے
حال کو کہاں ڈھونڈھیں؟ ترک حال سے۔ قال کہاں سے ڈھونڈھیں؟
ترک قال سے۔ وجود ہستی کو کہاں سے تلاش کریں؟ ترک ہستی سے
اور قدرت کہاں سے ڈھونڈھیں؟ ترک قدرت سے)

یعنی ہم کو حال کس طرح نہ ملے گا؟ حال کا خیال ترک کرنے سے اور قال کس طرح ملے گا ترک قال سے۔ میری بات نہ مانیئے گا تو مولانا روم کو تو مانیئے گا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ جو لوگ قال کو چھوڑ چکے ہیں اب ان کو بھی قال کا مطالبہ ہے۔ آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا دین میں صرف قال ہی ہے حال کوئی چیز نہیں ہے؟ اور خوف وخشیت، اور رجاء یہ کوئی چیز نہیں ہے؟ اور کیا یہ سب قالی چیزیں ہیں؟ سن لیجئے کہ اہل اللہ قال کو بہت مضر سمجھتے ہیں۔
خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ مقاصد قرآن چھ ہیں،

بقیہ مقاصد قرآن تین مہم اور تین متم، مہم کا بیان تو اوپر آچکا ہے اب متم کا بیان سنئے وہ یہ ہیں:

(۱) تعریف احوال المطیعین (۲) حکایات احوال الجاحدین (یعنی منکرین)۔ (۳) منازل طریق۔ یعنی اولاً احوال مطیعین کی تعریف ثانیاً احوال جاحدین کی حکایات تیسرے منازل طریق کا بیان ہے۔ لیکن احوال مطیعین کا متم ہونا تو سمجھ میں آتا ہے اسلئے کہ یہ مدعو الیہ کا علم صراط مستقیم پر چلنا اور آخرت کا احوال کا علم ان میں سے ہر مقصد جب ہی کامل طریقے سے حاصل ہو سکتا ہے کہ مطیعین کے احوال کا علم بھی ہو۔ لیکن جاحدین کے اقوال کی حکایت کا متم ہونا واضح طور سے سمجھ میں نہیں آتا چنانچہ ہم مطیعین کے احوال کو تو لطف لے لیکر پڑھتے ہیں

لیکن ابوجہل اور ابولہب کے حالات پر سرسری طور سے گذر جاتے ہیں۔ یہ کہہ رہا ہوں کہ جب قرآن میں اسکا بھی بیان ہے تو اسکو سمجھنا بھی ضروری ہوگا۔

سنئے جاحدین کے اقوال مہات قرآن کا تتمہ اس طور پر ہیں کہ جب انکے اقوال کا بیان کیا جائے گا تو انکے اقوال سے انکے قلبی احوال کا بھی اندازہ ہوگا اسلئے کہ اقوال حال ہی سے ناشی (پیدا) ہوا کرتے ہیں کیونکہ لسان، قلب کی ترجمان ہوتی ہے۔ پس انکے اقوال سے پتہ چل جاتا ہے کہ قلب منکر ہے پھر اس علم کے بعد انسان انکی ذات سے اور انکے اقوال سے اپنے کو بچائیگا غرض جاحدین کے اقوال کا جاننا یوں بھی ضروری ہے کہ مطیعین کے احوال کا کما حقہ پہچاننا بھی اسی سے ہوتا ہے۔ فَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ (یعنی تمام چیزیں اپنی ضدوں سے ظاہر ہوتی اور پہچانی جاتی ہیں) چنانچہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ارشاد فرمایا کہ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝ (یعنی کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو اور خوب شور مچاؤ شاید کہ تمھیں لوگ غالب ہوجاؤ۔ اسکے بعد مطیعین کے قول کو نقل فرماتے ہیں اور اسپر انکی تحسین کرتے ہوئے فرماتے ہیں وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ یعنی اس سے بہتر کسکا قول ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور عمل صالح کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

غرض قرآن شریف میں احوال مطیعین اور اقوال جاحدین اور منازل طریق پر بھی مفصل گفتگو فرمائی ہے اور مومن دکا فر

اور منافق ان تینوں اصناف کے اقوال و افعال اور احوال اس تفصیل سے بیان فرمائے ہیں کہ ہر جماعت ایک دوسرے سے ممتاز ہوگئی ہے اور صالح اور طالح میں امتیاز ہوگیا ہے۔

ہمارے ایک دوست نے ایک مولوی صاحب کے سامنے منافقین کے کچھ حالات بیان کئے اور یہ کہا کہ آجکل بھی ان صفات کے لوگ موجود ہیں اس پر وہ مولوی صاحب خفا ہو گئے کہ تم لوگوں کو منافق کہتے ہو، منافق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہی ختم ہوچکے تھے۔ انھوں نے مجھ سے کچھ سیکھا تھا اسلئے مرعوب نہیں ہوئے اور مسند امام احمد بن حنبل اٹھا کر انھیں دکھا دی اس میں ہے کہ ایک دل ایسا بھی ہوتا ہے جس میں ایمان اور نفاق دونوں پائے جاتے ہیں، اب کیا کہتے محجوج ہو گئے۔

تلاوت قرآن کی اہمیت اسی طرح سے منازل طریق کی معرفت بھی قرآن نے کرائی ہے اس میں ایک معرفت آخرت بھی ہے اسی مضمون پر یہ سورت مشتمل ہے جبکی وجہ سے گویا مقاصد قرآن کا سُدس (یعنی چھٹا حصہ) ہے۔ اسکی ترغیب دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے ایسے ایسے فضائل بیان فرمائے اور اسکی تلاوت پر تحریض فرمائی جس کے لئے آپ کو فرصت ہی نہیں ہے حالانکہ قرآن کی تلاوت بھی ضروری ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ۝ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۝ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ۝ جو کتاب آپ پر نازل کی گئی اسکو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے بیشک نماز بےحیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے۔ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے

اس آیت کا ماقبل سے ربط سنیئے ۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے کفار
اور انکے اولیاء (اور دوستوں) کی مثالیں بیان فرمائی ہیں اور ا
بعد ارشاد فرمایا وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ یعنی ہم ا
مثالوں کو لوگوں کے لیئے اسلئے بیان کرتے ہیں کہ جو چیزیں اسکے
افہام سے بعید ہوں قریب ہوجائیں اور انکے نزدیک معقول
مثل محسوس کے ہوجاوے کیونکہ محسوس کا سمجھنا آسان ہوتا ۔
اسکے بعد فرمایا کہ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۝ یعنی امثال ۔
حسن اور فائدے کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اشیاء میں خاطر
تدبر کرتے ہیں ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت کرکے فرمایا کہ عالم وہ ہے
جو اللہ تعالیٰ کی مراد کو سمجھ سکے اور اسکی طاعت پر عامل
اور اسکی ناراضگی کی باتوں سے بچے ۔ پس دیکھئے عالم سے مرا
وہ لوگ نہیں ہیں جو محض لفاظ ہوں اس کے بعد فرمایا کہ خَلَقَ ا
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین
کو افادۂ خیر کے لئے اور اپنی ذات و صفات کی معرفت کے ۔
پیدا کیا ۔

ہم ایک جگہ گئے تھے لوگ وہاں کے عجائب و غرائب کی سیر
کرانے لگے کہ یہ فلاں عمارت ہے اور یہ فلاں قسم کی مچھلی ہے، میں
نے کہا کہ خوب سمجھا تو یہ جاتا ہے کہ ہم یہاں لوگوں کو ہدایت
کرنے آئے ہیں یہاں تم ہی لوگ الٹی ہمیں ہدایت کر رہے
بھائی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے اللہ والوں کو جو معرفت
حاصل ہوتی ہے وہ دوسرے نوع کی ہوتی ہے آسمان و زمین
کی تخلیق ہدایت و معرفت ہی کے لئے ہے لیکن ان امور سے بڑھ

معرفت اللہ تعالےٰ کی اسکے کلام سے ہوتی ہے اسلئے اسکے بعد ہی یہ فرمایا اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ یعنی جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اسکو پڑھا کیجئے۔

مقاصد تلاوت

اسکی تفسیر میں قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ تلاوت کا حکم اسلئے دیا جاتا ہے تَقَرُّبًا اِلَى اللّٰهِ بِقِرَاءَتِهٖ وَتَحَفُّظًا لِاَلْفَاظِهٖ وَاسْتِكْشَافًا لِمَعَانِيْهِ (تاکہ تلاوت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔ اسکے الفاظ محفوظ ہوجائیں اور اسکے معانی منکشف اور ظاہر ہوں)

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ صرف تلاوت سے بھی اللہ تعالےٰ کا قرب ہوتا ہے۔ اور یہی تلاوت الفاظ قرآن کے تحفظ کا بھی ذریعہ ہے کسی کتاب کو جو انگریزی، فارسی، اردو کی ہو اگر آپ یاد بھی کیجئے گا تو کچھ نہ کچھ ضرور بھول جائیے گا معنی تو یاد ہوجاتے ہیں لیکن الفاظ نہیں یاد رہ جاتے یہ قرآن ہی کا اعجاز ہے کہ اس کے الفاظ بھی یاد رہتے ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (بلا شبہ ہم نے ہی یہ قرآن نازل کیا اور ہم خود اسکے محافظ ہیں) پھر اللہ تعالےٰ نے کیسی کچھ اسکی حفاظت فرمائی۔ سبحان اللہ۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اگر شیخ بارعب باوقار اسکا ایک نقطہ بھی بدل دے تو چھوٹے بچے ہی اسکو ٹوک دیں گے اور فوراً کہدیں گے یوں نہیں یوں ہے اور اس حفاظت کے اندر مستہزئین کا استہزاء اور انکی تکذیب بھی داخل ہے یعنی انکے استہزاء اور تکذیب کا اثر قرآن شریف پر نہیں پڑ سکتا کیونکہ وہ محفوظ بحفاظت خداوندی ہے جس طرح علماء شرع

کا رہنا ضروری ہے اسلئے کہ وہ محافظ ہیں دین کے۔ اسی طرح سے قرآن کی حفاظت بھی ضروری ہے اور اسکی محافظ ساری امت ہے اور اسکے الفاظ کی حفاظت بھی ضروری ہے کیونکہ معنی لفظ ہی میں تو ہوتے ہیں بدون الفاظ کی حفاظت کے معنی کا تحفظ ہی نہیں ہوسکتا اسی لئے علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ تلاوت قرآن کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ اسکے الفاظ کے تحفظ کا ذریعہ ہے اور اس کام کو اللہ تعالےٰ نے ہمارے بچوں سے لیا چنانچہ معنی تو علماء ہی یاد کرتے ہیں اور الفاظ بچے بھی یاد کرلیتے ہیں اور الفاظ کی ضرورت یوں بھی ہے کہ بعض مرتبہ معنی تو یاد ہوتے ہیں الفاظ بھول جاتے ہیں تو دوسروں پر حجت قائم نہیں ہوتی۔ کسی مجلس میں کسی مضمون کا کوئی شعر آپ سنانا چاہیں مضمون آپ کو یاد ہو الفاظ نہ یاد ہوں تو طبیعت لوٹ کر رہ جائیگی جی چاہے گا کہ کاش الفاظ بھی یاد آجاتے اسی لئے اللہ تعالےٰ نے الفاظ بھی یاد کرادیئے۔

ایک مرتبہ حضرت مولاناؒ وعظ فرما رہے تھے سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی شعر پڑھنا چاہتے تھے یاد نہ آتا تھا میں نے پڑھ دیا حضرتؒ بہت خوش ہوئے اسی طرح سے ایک بار میں ایک موقع پر اکبر مرحوم کا ایک شعر پڑھنا چاہتا تھا یاد ہی نہ آتا تھا اسکے مضمون سے میں خود محظوظ ہو رہا تھا لیکن الفاظ نہ یاد ہونے کے سبب سے دوسروں کو محظوظ نہ کرسکتا تھا ایک صاحب نے یاد دلادیا وہ یہ شعر یہ تھا کہتے ہیں کہ ؎

صوم ہے ایمان سے ایمان رخصت صوم گم
قوم ہے قرآن سے قرآن رخصت قوم گم

کیا عمدہ بات کہی ہے۔ اب دیکھئے آپ بھی اسکو سنکر جھومنے لگے اور قلب پر اس کلام کا اثر ہوا میں دیکھ رہا ہوں کہ شعراء کے کلام آپ طبع کرار سے ہیں وہ الفاظ ہی تو ہیں یہ اسلئے کہہ رہا ہوں کہ الفاظ کا تحفظ بھی مطلوب شرعی ہے جب تک الفاظ باقی نہ ہونگے معنی بھی باقی نہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے معانی کے ساتھ ساتھ اسکے الفاظ کو بھی محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ کسی کتاب کا حافظ آج دنیا میں موجود نہیں ہیں مگر قرآن کے حافظ ہزار ہا ہر دنیا میں موجود ہیں یہی اسکے آسمانی کتاب ہونے کی واضح دلیل ہے۔ ایک عالم نے مناظرہ میں اسی دلیل سے فتح حاصل کر انھوں نے یہ کیا کہ آیت پڑھتے ہوئے درمیان میں رک گئے اور کہ بھائی میں بھول رہا ہوں کوئی حافظ ہو ذرا بتائے تو اسکے آگے کیا ہے؟ مجمع میں ہر طرف سے بہت سے حافظ کھڑے ہو گئے انھوں نے کہا دیکھئے صاحب قرآن کے اتنے حافظ تو یہیں موجود ہیں کوئی دوسرے مذہب والا ذرا ایک ہی حافظ اپنی کتاب کا دکھلا دے۔

غرض تلاوت کے مقاصد تین ہوئے۔ ایک قرب دوسرے تحفظ الفاظ، تیسرے استکشاف معنی۔ جو تلاوت کی برکت سے حق تعالیٰ کی طرف سے قلب مومن پر وارد ہوتے ہمارے ایک دوست نے جو اس مجلس میں موجود ہیں یہیں خط لکھا تھا اس میں ایک شعر بہت اچھا لکھا تھا وہ یہ ہے

تمھارے قلب پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

میں نے انکو لکھا نزول کتاب تو رسولؐ پر ہو چکا مراد قائلؒ

استکشاف معنی ہی ہو نگے اور یہ ٹھیک ہے تفسیر کا دیکھنا مفید نہ ہو گا جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے معانی کا القا نہ ہو اور یہ فہم قرآن خاص دولت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو عطا فرماتے ہیں یوں اسکے الفاظ کی شرح تو علماء ہی بیان فرماتے ہیں انکا منصب ہے علماء نہ بیان کریں گے تو علم وعمل دنیا سے رخصت ہو جائے گا اور اسی کا نام گمراہی ہے۔

امام غزالیؒ کے قول کی تشریح میں نے امام غزالیؒ کا قول نقل کیا تھا کہ مقاصد قرآن میں سے ایک چیز تعریف مدعو الیہ بھی ہے یعنی اس ذات کو پہچنوانا جسکی طرف لوگوں کو دعوت دی جارہی ہے دوسرے لفظوں میں اسکو توحید سے تعبیر کر لیجئے اسکے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں یَا اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ یعنی اسے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب فرماکر ان سے اپنی عبادت کا مطالبہ کیا ہے اور اپنے کو پہچنوایا ہے۔ اس سے قبل مکلفین کے تمام فرقوں کا بیان تھا چنانچہ انکی تقسیم یہ فرمائی تھی کہ وہ مومن ہونگے یا کافر یا مذبذب اور منافق۔ اول طائفہ کی تعریف وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ (وہ لوگ جو ایمان لاتے اور یقین رکھتے ہیں) سے فرمائی اور ثانیہ کی سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ (کافروں کے حق میں برابر ہے آپ انکو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں) اور ثالثہ کے بارے میں فرمایا يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ (یہ منافقین دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو) اور پھر دنیا و آخرت میں انکا جو انجام ہونے والا

تھا اسکی شرح کرتے ہوئے اول کے بارے میں فرمایا أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (یہ لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پرہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں) اور ثانیہ کے بارے میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (اللہ نے انکے دلوں پر مہر لگادی ہے) اور وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (اور انکے لئے بڑا (ہی) عذاب ہے) فرمایا اور ثالثہ کے بارے میں فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (انکے دلوں میں بڑی بیماری ہے) اور وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (اور انکے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے) فرمایا۔

الحاصل مومن کا حال تو دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر فائز ہوتا ہے اور آخرت میں اسکا انجام یہ ہوگا کہ وہ فلاح پانے والوں میں شمار ہوگا۔ اور کافر کا حال دنیا میں تو یہ ہوتا ہے کہ اسکے قلب پر مہر لگی ہوتی ہے جسکی وجہ سے دین و ایمان کی باتیں اسکی سمجھ ہی میں نہیں آتیں اور آخرت میں اسکا انجام یہ ہوگا کہ اسکو عذاب عظیم ہوگا۔ اسی طریقے سے منافق کو اسکے نفاق کی نحوست اس دنیا میں بھی ملتی ہے اور وہ یہ کہ اسکے قلب میں شک اور ریب کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے تصدیق قلبی فوت ہو کر دین کی تکذیب طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ آخرت میں اسی کی وجہ سے اسکو بھی سخت عذاب ہوگا۔

پس اللہ تعالیٰ ان فِرَقِ ثلٰثہ (تینوں جماعتوں) اور ان کا مآل و انجام بیان کرکے آگے ان پر خطاب کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں

یعنی یہ فرماتے ہیں یَاۤ اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا (اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی) آمیں بھی بندوں سے خطاب فرمایا ہے اسکی وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو خطاب کی لذت سے آشنا کرکے طاعت اور عبادت کی کلفت ومشقت کو ان سے دور فرمانا چاہتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا خوب نکتہ بیان فرمایا ہے۔

ایمان کا دنیاوی انعام

یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ مومن کو اسکے انعام لانے پر آخرت کا جو اجر ملے گا وہ تو ملے گا ہی دنیا میں بھی اسکو اسکا کچھ کم صلہ نہیں ملتا اور وہ یہ ہے کہ صراط مستقیم پر ہونے کی وجہ سے اسکو طمانیت یعنی سکون واطمینان قلب نصیب ہوتا ہے جس سے غیر مومن محروم رہتا ہے

حکیم الامت قدس سرہٗ کا ایک واقعہ

اس بات کو سمجھانے کیلئے کہ مومن کو دنیا میں کیا ملتا ہے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت مولاناؒ سہارنپور سے لکھنؤ جانے کے لئے ریل پر سوار ہوئے اسٹیشن پر بہت سے لوگ آئے تھے جب گاڑی روانہ ہوئی اور مجمع رخصت ہوا تو حضرت نے دیکھا کہ ایک ڈپٹی صاحب بھی اسی ڈبہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت کی ان سے ملاقات تھی اسلئے پہلے تو معذرت فرمائی کہ معاف کیجئے گا لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے میں آپ کی جانب متوجہ نہ ہو سکا، پھر پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لیجارہے ہیں انھوں نے عرض کیا کہ میرٹھ جارہا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا ممکن ہے آپ

یرٹھ جارہے ہوں لیکن یہ گاڑی تو لکھنؤ جائیگی۔ انھوں نے کہا کہ
چھا تو آپ لکھنؤ جارہے ہیں میں سمجھا کہ میرٹھ چل رہے ہیں اور
بہت پریشان ہونے لگے۔ حضرت نے انکی پریشانی دیکھکر فرمایا
لہ آئیے تشریف رکھئے باتیں کیجئے اب تو گاڑی کھل تیز ہوگئی ہے
ہے گھبرانے سے کیا فائدہ؟ انھوں نے کہا آپ تو مذاق کرتے
ہیں یہ بتائیے اب کس طرح کیا ہوگا؟ حضرت نے فرمایا بھائی
ہوگا کیا اب گاڑی رُکی سے پہلے تو رکتی نہیں وہاں اُتر
جائیے گا پھر سہارنپور آنیوالی گاڑی سے واپس آجائیے گا
پھر وہاں سے میرٹھ چلے جائیے گا۔ یہ تو واقعہ پیش آیا۔

اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھ کو اس سے ایک آیت کی
تفسیر سمجھ میں آگئی یعنی اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو انکے
پروردگار کی طرف سے ملی ہوئی ہے اور یہی پورے بامراد
ہیں) کا مطلب خوب سمجھ میں آگیا۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے
مومنین کے لئے (بطور انعام) دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ایک تو ہدایت
پر ہونے کا ایک فلاح پانے کا ——— تو فلاح پانا تو سمجھ میں
آتا تھا لیکن ہدایت پر ہونا کہ یہ کھلی حق تعالیٰ کا انعام ہے یہ
سمجھ میں نہ آتا تھا لیکن اس واقعہ سے خوب سمجھ میں آگیا اس
طرح پر کہ وہ ڈپٹی صاحب میرٹھ سے قریب ہی تھے اور نہیں
اپنے مقصد یعنی لکھنؤ سے بہت دور تھا مگر میں مطمئن تھا اور
وہ پریشان تھے اسکی وجہ کیا تھی؟ یہی تھی کہ میں یہ سمجھ رہا تھا
کہ میں صحیح راستہ پر ہوں لہذا گاڑی جوں جوں تیز ہوتی جاتی تھی
میری خوشی بڑھتی جاتی تھی اسلئے کہ اپنے مقصود سے قریب تر

ہوتا جاتا تھا اور ان ڈپٹی صاحب کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی اس لئے کہ وہ اپنے مقصد سے دور ہوتے جاتے تھے۔ بس یہی مثال اسکی ہے کہ مومن چونکہ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہوتا ہے اسلئے فلاح حاصل ہونے سے پہلے یعنی مطلوب تک پہونچنے سے قبل ہی محض ہدایت (صراط مستقیم) پر ہونے کی بھی اس کو ایک مسرت ہوتی ہے جس سے غیر مومن محروم رہتا ہے۔ یہی مطلب ہے اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ (یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت اور ٹھیک راہ پر ہیں) اور یہ خوشی مومن کو اس دار دنیا میں ہوتی ہے۔ اسی کو حضرت حافظؒ فرماتے ہیں کہ

در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست
بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

(راہ مولیٰ میں سالک کو جو بھی حالات پیش آتے ہیں ان میں اسکے لئے بھلائی ہی بھلائی ہوتی ہے۔ اے دل! صراط مستقیم پر رہتے ہوئے کوئی گمراہ نہیں ہوتا)
غرض جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں صراط مستقیم اور منازل طریق کا بیان فرمایا ہے اسی طرح ترغیب کے لئے احوال مطیعین کا بھی مفصل بیان فرمایا ہے، اور ترہیب کیلئے اقوال جاحدین کا بھی ذکر فرمایا ہے تاکہ مومنین مطیعین کی اتباع کریں اور جاحدین کے طور طریقے سے بچیں لیکن امام غزالیؒ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس چیز سے ہم ڈرتے ہیں بالآخر وہ واقع ہوکر رہی یعنی لوگوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بساط ہی تہ کر کے رکھدیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحیح دین ہی ختم ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۵

تنبیہ آخر میں ہم پھر یہی کہتے ہیں کہ ہمارا حال پہلے مطیعین کے حال کے برابر نہیں ہو سکتا یہ صحیح ہے لیکن یہ بھی تو نہ ہونا چاہیے کہ خدانخواستہ ہمارا حال جاحدین کی طرح ہو جائے لہٰذا ان کے اقوال و افعال سے احتراز کرنا چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہوتے ہوتے انھیں کے جیسا حال بھی ہو جائے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں لہٰذا اپنے کو قصوروار سمجھتے ہوئے کام میں لگے رہنا چاہیے۔

حضرت مولانا عبدالرؤف سکھروی مدظلہٗ

چند نیکیاں اور ایصالِ ثواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔

تمہید: احادیث طیبہ میں چند اعمال ایسے ملے جو بظاہر بہت مختصر اور ہلکے پھلکے معلوم ہوئے اور ان پر اجر و ثواب بہت زیادہ بیان ہوا جو اس کریم ذات کا محض فضل و کرم ہے اور اسکی بے انتہا بخشش ہے جو ہم فقیروں کیلئے اسکی رحمت بیکراں ہے ۔ یہاں اُن اعمال کو جمع کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص وہ ثوابِ عظیم حاصل کر سکے، لیکن یاد رہے کہ دین صرف ان اعمال میں منحصر نہیں ہے ۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ تمام حقوق و فرائض ادا کرے اور تمام گناہوں سے توبہ کرے اور بچنے کی بھرپور کوشش بھی کرے ۔

آنیوالے بعض اعمال پر گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہے ان کے متعلق یہ ہن نشین رہے کہ ان میں معافی سے گناہ صغیرہ کی معافی مراد ہے کیونکہ گناہ کبیرہ بہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے لہٰذا کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ خواہ وہ کسی قسم کے تنے ہی گناہ کرتا رہے توبہ کے بغیر ان آسان اعمال کے ذریعہ معافی ہوتی رہیگی کوئی صاحب یہ دھوکا بھی نہ کھائیں کہ جب ہم بڑے نیک کاموں سے محروم ہیں تو ان آسان اور مختصر اعمال کو کرنے سے کیا فائدہ ؟ یا جب ہم بڑے بڑے یک کام کر رہے ہیں تو ان اعمال کی کیا ضرورت ہے ؟ یہ دونوں خیال یطانی دھوکہ ہیں کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جن پر ہمارے ماں باپ ربان ہوں ارشاد ہے کہ "نیکی کی کسی بات کو ہرگز حقیر مت سمجھو" اس لئے کہ بابعید ہے کہ یہی نیکی قبول ہو جائے اور اسی کی برکت سے ہماری باقی زندگی ھی درست ہو جائے لہٰذا اس جذبۂ اعتدال سے اس کتابچہ کا مطالعہ فرمائیں اور مل فرمائیں (خلاصہ از آسان نیکیاں)

نیز اس رسالہ کے مذکورہ اعمال انجام دیکر انکا ثواب اپنے مرحومین کو ہنچانا بھی بہت آسان ہے اسلئے روزانہ اس رسالہ کو ایک مرتبہ پڑھکر اسکا یصال ثواب بھی کر دیا کریں تو اچھا ہے ۔ ایصال ثواب کا طریقہ اور اسکی تفصیل آخر میں آرہی ہے

مَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۵

شیطان سے حفاظت

شیطان انسان کا دشمن ہے جو ہر طرح انسان کو نقصان پہونچانے کی کوشش تا ہے اسکے شر سے بچنے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

جو شخص صبح (ایک مرتبہ) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۔ پڑھے تو شام تک شیطان (کے شر) سے اسکی حفاظت کیجائیگی ۔ (کنز العمال)

چار بیماریوں سے تحفظ

آجکل بیشمار بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں جسقدر دواخانے، شفاخانے اور ہسپتال بن رہے ہیں بیماریاں ان سے زیادہ بڑھ رہی ہیں چنانچہ جن بیماریوں کا کبھی نام تک نہ سنا تھا آج وہ عام طور پر پائی جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار خطرناک بیماریوں سے تحفظ کا بہت آسان طریقہ بیان فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے اور عمل کیجئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قبیصہ جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو نماز فجر کے بعد تین مرتبہ یہ کلمات کہہ لیا کرو ــــ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ــــ اللہ تعالیٰ تمھیں چار بلاؤں سے محفوظ رکھیں گے جذام، جنون، اندھاپن اور فالج سے۔ (عمل الیوم واللیلۃ)

دوزخ سے نجات

دنیا کی ساری تکالیف مل کر جہنم کے کسی ادنیٰ عذاب کے برابر نہیں ہوسکتیں دوزخ کا عذاب بہت ہی ہولناک ہے اللہ پاک محفوظ رکھے آمین۔ ذیل میں اس سے بچنے کا ایک آسان طریقہ بیان کیا گیا ہے دل کی گہرائی سے صبح و شام اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب تم نماز مغرب سے فارغ ہوجاؤ تو۔ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ ــــ سات مرتبہ کہو کیونکہ جب تم یہ کلمات کہو گے اور اسی رات تمھارا انتقال ہوگیا تو تمھارے واسطے جہنم سے آزادی کا ایک پروانہ لکھدیا جائیگا اسی طرح فجر کی نماز سے فارغ ہوکر یہ کلمات سات مرتبہ کہو اگر اس روز

تمھارا انتقال ہوگیا تو تمھارے لئے دوزخ سے آزادی کا ایک پروانہ لکھدیا جائے گا۔ (کنز العمال)

ہزارہا نیکیاں

بازار غفلتوں اور گناہوں کی جگہ ہے اور بازار جانا ایک ضرورت بھی ہے اگر وہاں خریداری کے دوران اللہ پاک کا ذکر ہوتا رہے تو خیر ہی خیر ہے حدیث میں درج ذیل ذکر کی بڑی فضیلت آئی ہے

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَ لَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ وَ ھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بازار میں داخل ہوکر یہ کلمات کہے تو اللہ تعالےٰ اسکے لئے ہزار ہزار نیکیاں لکھتے ہیں اور ہزار ہزار (صغیرہ) گناہ معاف فرماتے ہیں اور ہزار ہزار درجے بڑھاتے ہیں۔ (ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ) اور اسکے لئے جنت میں ایک محل بناتے ہیں (ترمذی)

ان کلمات کو زبانی یاد کرلیں اور بازار میں بار بار پڑھتے رہا کریں

شب قدر کے برابر ثواب

قرآن کریم کی رو سے شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اور ایک ہزار مہینوں میں تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں اور سالوں کی تعداد تراسی سال چار ماہ بنتی ہے جو محض حق تعالیٰ کا انعام ہی انعام ہے اور چونکہ انکی رحمت کی کوئی انتہا نہیں ہے اسلئے وہ اگر کسی اور عمل پر بھی شب قدر کا

ب دیں تو انکے خزانۂ رحمت میں کچھ کمی نہیں آتی چنانچہ درج ذیل
ین مرتبہ کہنے سے شب قدر کے برابر ثواب ملتا ہے۔ آپ بھی یاد
ں اور یہ ثواب حاصل کریں

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ
السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ (کنز العمال ۲۲۶)

بے شمار گناہوں کی معافی

درج ذیل استغفار کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
رشاد ہے کہ جو شخص (رات کو سونے کیلئے) اپنے بستر پر آئے اور
ن مرتبہ یہ کلمات کہے

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ
وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

ر تعالیٰ اسکے سارے صغیرہ گناہ معاف فرما دیں گے اگرچہ وہ سمندر
ہ جھاگ کے برابر ہوں یا مقام عالج کی ریت کے ذرات کے مساوی ہوں یا درخت
ہ پتوں کے برابر ہوں یا دنیا کے دن و رات کے برابر ہوں۔ (ترمذی)

ایک لاکھ ۲۴ ہزار نیکیاں

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ جو شخص
سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ (ایک بار) کہے تو اسکے لئے
ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (کنز العمال ۲۲۶)

؟؟ ہر نماز کے بعد ۱۰ مرتبہ یا ۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کریں اور کیا ہی اچھا ہو کہ سو مرتبہ
ح اور سو مرتبہ شام پڑھ لیا کریں اور اسکے ساتھ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ
بھی ملا لیا کریں۔

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

دین و دنیا

(۳)

غرض بعض اہل اللہ اپنے اخلاق سے مجمل وعدہ بھی کر لیتے ہیں مگر لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ وہ دعا کس طرح کرتے ہیں ذرا خلوت میں کبھی انکی دعاؤں کو سنو تو معلوم ہو اور بعض اہل خلوت میں خدا تعالےٰ کے سامنے بھی اخلاق برتتے ہیں مگر یہ غیر محقق ہیں، اکثر اہل اللہ خلوت میں یوں دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ اگر یہ ملازمت شریعت کے موافق ہو اور اس شخص کے دین کو مضر نہ ہو تو اسے نصیب کر دیجئے ورنہ ہرگز نہ دیجئے

مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ سے ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ حضرت میرے مقدمہ کے واسطے دعا کیجئے اسی وقت دوسرا فریق بھی آیا اس نے بھی دعا چاہی اس مقام پر اس گتھی کو سلجھانا ہر ایک کا کام نہیں اب یا تو وہ دوسرے فریق سے انکار کریں تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اور اس سے بھی وعدہ کریں تو کس طرح کریں ہاں جس کو خدا تعالیٰ نور باطن عطا فرما دیں وہ اس گتھی کو سلجھا سکتا ہے چنانچہ شاہ صاحبؒ نے اس وقت دعا کی کہ یا اللہ جس کا حق ہو اسے مل جاوے۔ لیجئے دونوں کا کہنا پورا ہو گیا سو مولانا نے تو جلوت ہی میں یہ دعا کر دی باقی اور بندگ

جلوت میں تم سے کیسا ہی وعدہ کرلیں خلوت میں وہ بھی اسی طرح
اکرتے ہیں کہ اگر یہ کام خلاف شریعت نہو تو پورا ہو جائے ورنہ ہرگز
انہ ہو وجہ یہ ہے کہ وہ خدا کے مقرب ہیں پھر وہ خدا تعالیٰ کی مرضی
خلاف کیسے دعا کر سکتے ہیں بلکہ عوام الناس تو خدا تعالےٰ سے
کھلے ہوئے بھی ہوتے ہیں (جیسے بعض دیہاتی حکام کے سامنے
تکلف باتیں کرلیتے ہیں) اور یہ حضرات نہایت ہیبت زدہ ہوتے
وہ ناجائز امور کے لئے تو کیا دعا کرتے مباح امور میں بھی دعا
تے ہوئے انکی یہ حالت ہوتی ہے

اَحِبُّ مُنَاجَاتَ الْحَبِیْبِ بِاَوْجُہٖ
وَلٰکِنْ لِسَانُ الْمُذْنِبِیْنَ کَلِیْلُ

یرا جی تو اپنے محبوب حقیقی سے طرح طرح سے مناجات اور
گوشیاں کرنے کو چاہتا ہے لیکن گنہگاروں کی زبان چونکہ کمزور
کند ہوتی ہے اسلئے میری زبان بھی چلتی نہیں رک رک جاتی
ہے)

بعض دفعہ بہت کچھ مانگنا چاہتے ہیں لیکن اپنی خطاؤں کے
ستحضار سے زبان سے کچھ نکلتا نہیں۔ حضرات مغفرت کی دعا
ں قدر محبوب اور سراپا محمود ہے مگر اس میں بھی بعض دفعہ استحضار
نوب (یعنی گناہوں کے پیش نظر ہونے) کے سبب انکی زبان
ک جاتی ہے جو پھر امر کی وجہ سے دعا کرتے ہیں اور کرنا چاہیئے
ونکہ وہ صاحب حال ہونے کے ساتھ صاحب عرفان بھی ہوتے
ہں اسلئے امر کی وجہ سے دعا کرتے ہیں اور اپنے جی کو سمجھاتے
ں کہ شرماویں کس سے اور جو شرم کی وجہ تو یہی ہے کہ ہم اپنے کو
پاک سمجھتے ہیں کہ اس وجہ سے اس دربار میں کچھ عرض کرنے کے

قابل اپنے کو نہیں سمجھتے مگر پھر دور دور رہ کر پاک کیسے ہوں
پاک ہونا بھی تو حاضری دربار پر موقوف ہے اب اگر حاضری ا
موقوف ہو کہ پہلے پاک ہولیں تو دور لازم آتا ہے اسلئے وہ ش
بالائے طاق رکھکر طبیعت پر جبر کرکے دعا کرتے ہیں۔

مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک آلودہ نجاست
دریا پر سے گزرا دریا نے کہا کہ میرے اندر چلا آ اس نے جوا
کہ میں ناپاک اور تو پاک وصاف، میں تجھ تک کیسے آؤں؟
ہو کر آؤں گا۔ دریا نے ہنسکر کہا کہ اے بیوقوف پاک ہونے
طریق یہی ہے کہ تو اسی حالت میں میرے پاس چلا آ مجھ سے دور
تو پاک ہی نہیں ہو سکتا، ایک بار تو ناپاکی کی حالت ہی میں
پھر پاک ہو کر بھی آنا نصیب ہوگا اور جو اس انتظار میں رہا کہ پہلے پا
ہولوں پھر پانی کے پاس جاؤں تو عمر بھر نہ تجھے پاکی نصیب ہوگی نہ
کا قرب نصیب ہوگا

شیطانی اغوا

صاحبو! اسی طرح خدا تعالےٰ کے د
میں آنے کے لئے تم اسکا انتظار نہ کرو کہ
دنیا کے جھگڑوں سے فارغ ہولیں پھر یکسو ہو کر خدا کی یاد
لگیں گے کیونکہ یوں تو ساری عمر گذر ہی جائیگی اور تم کو خدا
ساتھ علاقہ نصیب نہ ہوگا۔ یہ شیطانی اغوا ہے کہ اس نے علم
جہل کے اندر مبتلا کر رکھا ہے کہ عام لوگوں کو یہ پٹی پڑھا دی
کہ بیٹے بیٹیوں کی شادی کرکے بہت سی جائداد اور روپیہ حاصل کر
اللہ کی یاد میں لگنا اس وقت تو دل دنیا کی گندگیوں سے ملوث
ان سے پاک ہو کر آنا مگر ان لوگوں کو عمر بھر بھی خدا کی یاد نصیب نہیں
کیونکہ دنیا کے تعلقات بدون خدا سے علاقہ پیدا کئے قطع ہو

نہیں سکتے دنیا کے کاموں کی یہ حالت ہے لَا یَنْتَهِیْ اَرَبٌ اِلَّا اِلٰی
(دنیا کی ایک ضرورت ختم ہونے کو نہیں آتی کہ دوسری شرو
ہو جاتی ہے) انکی انتہا ہی کہیں نہیں ہے۔ ایک کام کے
دوسرا نکلتا چلا جاتا ہے۔ بس ان لوگوں کی ہمیشہ وہ حالت ر
ہے ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم
باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

(ہر رات یہی کہتا ہوں کہ کل سے یہ خیال خام اور فضول شوق چھوڑ ا
مگر جب کل کا دن آتا ہے تو آج کو کل پر ٹال دیتا ہوں)
روز یہی کہتے رہتے ہیں کہ کل کو یہ کام چھوڑ دیں گے مگر جب کل ہو
ہے پھر وہی حال ہو جاتا ہے تو صاحبو! اسکا انتظار نہ کیجئے آ
جس حال میں ہیں اسی حال میں چلے آئیے دور رہ کر پاک ہونے
انتظار نہ کیجئے، پاک ہونے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ ایک بار نا پ
کی حالت ہی میں چلے آئیے۔ اسی لئے فرماتے ہیں ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(باز آجاؤ باز آجاؤ جو کچھ بھی ہو جیسے بھی ہو اب سے باز آجاؤ۔
کافر ہو، آتش پرست ہو یا بت پرست ہو تب بھی باز آجاؤ، تو
اسلئے کہ ہماری یہ بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں ہے سو با
اگر توبہ توڑ چکے ہو تب بھی باز آجاؤ" اور پھر توبہ کرلو قبول کرلیجا
انشاء اللہ خدا کے دربار میں حاضر ہونے سے بہت جلد
دلدر ڈھل جاوے گا اور ایک دن یونہی بیڑا پار ہو جائے
بہت لوگ بزرگوں کے پاس اسی خیال سے نہیں جاتے کہ یہ د

پاخانہ لیکر انکے پاس کیا جائیں وہ اپنے دل میں کیا کہیں گے۔

صاحبو! اسکا وسوسہ ہرگز نہ لاؤ وہ حضرات تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو) سے متصف ہوتے ہیں وہ کسی آنے والے کو حقیر نہیں سمجھتے وہ عیب پوش اور کریم النفس ہوتے ہیں بلکہ بخدا انکی نظر میں اپنے سے زیادہ کوئی بھی ذلیل نہیں ہوتا پھر وہ کسی کو نظر حقارت سے کیا دیکھتے اسلئے تم اس ناپاکی سمیت ہی انکے پاس چلے آؤ۔

مجھے ایک صاحب کی حالت تو نہیں مگر اسکی بنا بہت پسند آئی وہ جونپور سے میرے پاس بیعت ہونے آئے تھے اور اس حال سے آئے کہ پاجامہ ٹخنوں سے نیچے اور داڑھی منڈی ہوئی مونچھیں خوب بڑھی ہوئیں اور آکر اپنے سب حالات کہدئیے پھر بیعت کی درخواست کی میں نے بعد مغرب کا وقت مقرر کردیا وہ دن جمعہ کا تھا پہلے مالش نے اس دن بھی حجامت بنوائی تو جو کچھ بال ڈاڑھی کے نکل آئے تھے وہ بھی منڈا دئیے یہ حرکت مجھے بہت ناگوار ہوئی کہ یہاں آکر بھی انھوں نے اس گناہ کو نہ چھوڑا مگر بعد نماز جمعہ کے انھوں نے اپنے اس فعل کی جو بنا بیان کی اس پر مجھے وجد آگیا کہنے لگے کہ غالباً آپکو آج میرا داڑھی منڈانا ناگوار ہوا ہوگا۔ میں نے کہا بیشک۔ کہنے لگے کہ خیال مجھے بھی ہوا تھا کہ آپ کو ناگوار ہوگا مگر میں نے چاہا کہ طبیب کے سامنے اپنے مرض کی اصلی حالت صاف صاف ہی ظاہر کردوں اسلئے میں نے اس شکل سے اپنے آپ کو پیش کردیا اب آپ جو تصرف چاہیں مجھ میں فرمائیں میں سب کے لئے حاضر ہوں۔

<u>استقلال کی ضرورت</u> گو وہ فعل مجھے ناگوار ہوا مگر اس بنا کی قدر

ہوئی اور معلوم ہوگیا کہ اس شخص پر صدق کا حال غالب ہے مگر بوجہ جہل کے بری طرح ظاہر ہوا مگر واقعی میں اسکے صدق کی قدر کرتا ہوں اور یہ ایسی قدر ہے جیسے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چور کی قدر کی تھی۔

انھوں نے ایک شخص کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھا تو ساتھ والوں سے پوچھا کہ اسکو سولی کیوں دی گئی لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ بڑا پکا چور تھا ایک بار اس نے چوری کی تو دایاں ہاتھ کاٹا گیا پھر باز نہ آیا چوری کی تو بایاں پیر کاٹا گیا پھر باز نہ آیا تو قید کر دیا گیا اس نے قید خانہ میں بھی چوری کی تو حاکم نے سولی کا حکم دیا یہ سنکر حضرت جنیدؒ نے دوڑ کر اس کے قدم چوم لئے، اہل ظاہر نے اعتراض کیا کہ آپ ایسے پکے چور کے قدم چومتے ہیں فرمایا میں نے چور کے قدم نہیں چومے بلکہ اسکے استقلال کے قدم چومے ہیں کہ وہ جیسا بھی کچھ تھا اپنی طلب کا پکا تھا اسکا محبوب گو کیسا ہی برا تھا مگر اس نے اسکے پیچھے جان دے دی۔ اسکا یہ حال تھا ؎

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید
یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

(جب تک میرا مقصود حاصل نہو گا میں طلب سے دست بردار نہیں ہونگا یا تو یہ میرا جسم محبوب تک پہونچ جائے گا یا جسم سے جان نکل جائیگی)

میں اسکے استقلال کی قدر کرتا ہوں۔

اے لوگو! اگر ہم کو حق پر ثابت قدم رہنے میں ایسا استقلال حاصل ہو جائے تو ہمارا کام بن جائے دیکھئے حضرت جنیدؒ نے اس شخص کے استقلال کی قدر کی گو اس استقلال کی صورت بری تھی

اسی طرح گو ان صاحب نے ایک بری حرکت کی داڑھی منڈائی مگر یہ حرکت چونکہ صدق پر مبنی تھی اسلئے مجھے اسکی قدر ہوئی (کیونکہ ایسے سچے اور صادق دل آدمی سے یہ امید قوی ہوتی ہے کہ وہ بیعت کے وقت جو کچھ اقرار کرے گا سچے دل سے کرے گا پھر اسکے خلاف کچھ نہ کرے گا۔ چنانچہ ان صاحب نے کھانا نہ کھلون سے جاکر پھر عمر بھر داڑھی نہیں منڈائی بلکہ ایک وقت میں انکی اتنی بڑی لمبی داڑھی ہوگئی تھی کہ دیکھنے والے پہچانتے بھی نہ تھے کہ یہ وہی شخص ہے جو پہلے بالکل آزاد رند تھا، غرض وہ پورے نیک صالح بن گئے۔ (بات یہ ہے کہ صفات حمیدہ ہر حال میں حمیدہ ہیں جس میں کوئی صفت حمیدہ ہوتی ہے گو ایک وقت میں بری صورت سے اسکا ظہور ہو رہا ہو مگر جب اصلاح ہوگی تو کامل ہوگی، خوب سمجھ لو)

تو میں کہتا ہوں کہ آپ کو اس شخص کی طرح گندگی اور بدحالی ہی میں اپنے کو کسی بزرگ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اسکا خیال نہ کیجئے کہ اس صورت سے ہم بزرگوں کے پاس کیسے جائیں۔

مقام دعاء

یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ بعض دفعہ اہل اللہ کو دعائے مغفرت سے بھی شرم آتی ہے مگر وہ اس سے رکتے نہیں بلکہ وہ دل کو سمجھاتے ہیں کہ شرم کس سے کریں اگر اسی شرم میں رہے اور خدا تعالیٰ سے دعاء نہ کی تو یہ ناپاکی کیونکر دھلے گی تو جب وہ حضرات امور مباح کی دعاء سے بھی شرماتے ہیں (گو اس پر عمل نہ کریں) تو آپ کے ناجائز کاموں کیلئے تو کیوں دعاء کی ہمت کریں گے اسلئے زندہ یا مردہ بزرگوں سے ایسی دعاء کرانا محض بے سود اور انکو تکلیف دینا ہے۔ بس ناجائز دعائیں تو مستثنیٰ ہیں رہی جائز دعاء چاہے دنیا ہی کی کیوں نہو وہ تو عبادت ہے

چنانچہ حدیث میں ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (دعا عبادت کا مغز ہے) کیونکہ دعاء میں تذلل اور عاجزی کی شان ہوتی ہے۔ دعاء کرنے والا اپنے کو ذلیل و محتاج سمجھکر دعاء کرتا ہے۔

بخلاف اسکے جو وظیفہ پڑھتا ہے اس کی حالت تذلل کی نہیں ہوتی بلکہ اسکی حالت دعوے کی ہوتی ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ وظیفہ سے کامیابی ضروری ہے ان کے مکالمات سے یہ بات ظاہر ہے، چنانچہ وہ کہا کرتے ہیں کہ حضرت ایسا وظیفہ بتلا ئیے کہ تیر بہدف ہو اور اگر کسی وظیفہ کی بہ نسبت یہ لکھدیا جائے کہ یہ مجرب ہے تو اسپر ایسا بھروسہ ہوجاتا ہے کہ گویا تخلف ہوگا ہی نہیں تو چونکہ اس میں دعویٰ کی شان ہے اسلئے یہ ناپسند ہے مگر آجکل اکثر لوگ دعاء کو چھوڑ کر وظائف پڑھتے ہیں گو انکا پڑھنا جائز تو ہے (اگر ان میں کوئی بات خلاف شریعت نہو) مگر اسمیں ثواب کچھ نہ ہوگا کیونکہ ثواب کے لئے یہ قاعدہ ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) اور وظائف میں ثواب کی نیت نہیں ہوتی بلکہ محض دنیا ملنے کی نیت ہوتی ہے اسلئے ثواب کچھ نہوگا بخلاف دعاء کے کہ وہ اپنی ذات سے عبادت ہے حتیٰ کہ اس میں اگر دنیا مانگی جائے تب بھی شریعت اسکو عبادت کہتی ہے چنانچہ خود شریعت نے اس کو دنیا مانگنے کا طریق تجویز فرمایا ہے۔ (جاری)

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ:

غیبت ایک عظیم گناہ

(۲)

غیبت کرنے پر عبرتناک خواب

چنانچہ ایک تابعی جن کا نام ربعیؒ ہے وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک مجلس میں پہونچا میں نے دیکھا کہ لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا اب باتیں کرنے کے دوران کسی آدمی کی غیبت شروع ہو گئی، مجھے یہ بات بری لگی کہ ہم یہاں مجلس میں بیٹھکر کسی آدمی کی غیبت کریں چنانچہ میں اس مجلس سے اٹھکر چلا گیا۔ اسلئے کہ اگر کسی مجلس میں غیبت ہو رہی ہو تو آدمی کو چاہئے کہ اسکو روکے اور اگر روکنے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم اس گفتگو میں شریک نہ ہو بلکہ اٹھکر چلا جائے۔ چنانچہ میں اٹھکر چلا گیا تھوڑی دیر بعد خیال آیا کہ اب اس مجلس میں غیبت کا موضوع ختم ہو گیا ہوگا اس لئے میں دوبارہ اس مجلس میں جاکر ان کے ساتھ بیٹھ گیا، اب تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئی رہیں لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر غیبت شروع ہو گئی لیکن اب میری ہمت کمزور پڑ گئی اور میں اس مجلس سے نہ اٹھ سکا اور جو غیبت وہ لوگ کر رہے تھے پہلے تو اسکو سنتا رہا اور پھر میں نے بھی غیبت کے ایک دو جملے کہہ دیئے۔

جب اس مجلس سے اٹھکر گھر واپس آیا اور رات کو سویا تو

خواب میں ایک انتہائی سیاہ فام آدمی کو دیکھا جو ایک بڑے سے طشت میں میرے پاس گوشت لیکر آیا جب میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ خنزیر کا گوشت ہے اور وہ سیاہ فام آدمی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ خنزیر کا گوشت کھاؤ، میں نے کہا کہ میں مسلمان آدمی ہوں خنزیر کا گوشت کیسے کھاؤں؟ اس نے کہا نہیں یہ تو تمھیں کھانا پڑے گا اور پھر زبردستی اس نے گوشت کے ٹکڑے اٹھا کر میرے منہ میں ٹھونسنے شروع کر دیئے اب میں منع کرتا جا رہا ہوں اور وہ ٹھونستا جا رہا ہے یہاں تک کہ مجھے متلی اور قے آنے لگی مگر وہ ٹھونستا جا رہا تھا، پھر اسی شدید اذیت کی حالت میں میری آنکھ کھل گئی۔ جب بیدار ہونے کے بعد میں نے کھانے کے وقت کھانا کھایا تو خواب میں جو خنزیر کے گوشت کا بدبودار اور خراب ذائقہ تھا وہ ذائقہ مجھے اپنے کھانے میں محسوس ہوا اور تیس دن تک میرا یہ حال رہا جب وقت بھی میں کھانا کھاتا تو ہر کھانے میں اس خنزیر کے گوشت کا بدترین ذائقہ میرے کھانے میں شامل ہو جاتا۔ اور اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ ذرا سی دیر جو میں نے مجلس میں غیبت کر لی تھی اسکا برا ذائقہ میں تیس دن تک محسوس کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

حرام کھانے کی ظلمت

بات دراصل یہ ہے کہ اس ماحول کی خرابی کی وجہ سے ہماری حس بالکل خراب ہو گئی ہے اسلئے گناہ کا گناہ ہونا محسوس نہیں ہوتا، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک جگہ دعوت میں کھانے کے ایک دو لقمے کھالئے تھے وہ کھانا کچھ مشتبہ سا تھا، اسکے حرام ہونے کا کچھ شبہ تھا، بعد میں

فرماتے تھے کہ میں نے وہ ایک یا دو لقمے چکھا لئے تو اسکی ظلمت مہینوں تک قلب میں محسوس ہوتی رہی اور بار بار بُرے خیالات دل میں آتے رہے گناہ کرنے کے داعیے دل میں پیدا ہوتے اور گناہ کی طرف رغبت ہوتی رہی۔

گنا کا اثر ایک یہ بھی ہے کہ اسکی وجہ سے قلب میں ظلمت پیدا ہوجاتی ہے اس ظلمت کے نتیجے میں دوسرے گناہ کرنے کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی طرف آدمی بڑھنے لگتا ہے اور گناہوں کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کی حس کو درست فرما دے۔ آمین۔

بہرحال یہ غیبت کا گناہ بڑا خطرناک گناہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ حِس سلیم عطا فرما دے وہی جان سکتا ہے کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں؟ اس سے اندازہ کریں کہ غیبت کتنا بڑا گناہ ہے۔

غیبت کی اجازت کے مواقع

البتہ ایک بات ذرا سمجھ لیجئے وہ یہ کہ غیبت کی تعریف تو میں نے آپ کو بتا دی تھی کہ کسی کا پیٹھ پیچھے اس طرح ذکر کرنا کہ اگر اسکو معلوم ہوجائے کہ میرا اس طرح ذکر کیا گیا ہے تو اسکو ناگوار ہو چاہے بات صحیح کی جا رہی ہو، یہ ہے غیبت۔ لیکن شریعت نے ہر چیز کی رعایت رکھی ہے، انسان کی فطرت کی بھی رعایت کی ہے انسان کی جائز ضروریات کا بھی لحاظ رکھا ہے، لہٰذا غیبت سے چند چیزوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے اگرچہ بظاہر وہ غیبت ہیں لیکن شرعاً جائز ہیں۔

دوسرے کے شر سے بچانے کیلئے غیبت کرنا

مثلاً ایک شخص ایک ایسا کام کر رہا ہے جس سے دوسرے کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے اب اگر اس دوسرے کو

اسکے بارے میں نہ بتایا گیا تو وہ اسکے ہاتھوں سے نقصان کا شکار ہو جائے گا۔ اس وقت اگر آپ اس دوسرے شخص کو بتا دیں کہ فلاں شخص سے ہوشیار رہنا تو ایسا کرنا جائز ہے۔ یہ بات خود حضور اقدس صلی علیہ وسلم نے سکھا دی، ہر بات بیان کر کے دنیا سے تشریف لے گئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی اور ایک صاحب سامنے سے ہماری طرف آرہے تھے ابھی وہ صاحب راستے ہی میں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے فرمایا کہ بِئْسَ اَخُو الْعَشِيْرَةِ یہ شخص اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی کہ یہ برا آدمی ہے ہوشیار رہنا چاہیئے جب وہ شخص مجلس میں آکر بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کے مطابق نرم انداز میں گفتگو فرمائی اسکے بعد جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص برا آدمی ہے لیکن جب وہ آدمی آپکے پاس آکر بیٹھ گیا تو آپ اس کے ساتھ بہت نرمی اور میٹھے انداز میں گفتگو کرتے رہے یہ کیا بات ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ دیکھو وہ بدترین شخص ہے جس کے شر کے خوف سے لوگ اسکو چھوڑ دیں یعنی اس آدمی میں طبیعت کے لحاظ سے فساد ہے اگر اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ نہ کیا جائے تو فتنہ فساد کھڑا کر سکتا ہے اسلئے میں نے اپنی عادت کے مطابق اس سے نرمی ہی کا معاملہ کیا۔

(ترمذی کتاب البر والصلۃ باب ما جاء فی المداراۃ حدیث نمبر ۱۹۹۶)

علماء کرام نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتادیا کہ یہ برا آدمی ہے بظاہر تو یہ غیبت ہے اسلئے کہ اسکے پیٹھ پیچھے اس کی برائی کیجا رہی ہے لیکن یہ غیبت اس لئے جائز ہوئی کہ اسکے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو متنبہ کردیا جائے تاکہ آئندہ وہ اسکے کسی فساد کا شکار نہ ہو جائیں۔

لہٰذا کسی شخص کو دوسرے کے ظلم سے بچانے کے لئے اسکے پیٹھ پیچھے اسکی برائی بیان کردی جائے تو یہ غیبت میں داخل نہیں ایسا کرنا جائز ہے۔

اگر دوسرے کی جان کا خطرہ ہو

بلکہ بعض صورتوں میں اسکی برائی بیان کرنا واجب ہے مثلاً ایک آدمی کو آپ نے دیکھا کہ وہ دوسرے پر حملہ کرنے اور اسکی جان لینے کی تیاری کررہا ہے تو ایسی صورت میں اس دوسرے شخص کو بتانا واجب ہے کہ تمھاری جان خطرے میں ہے تاکہ وہ اپنا تحفظ کرسکے لہٰذا ایسے موقع پر غیبت جائز ہو جاتی ہے۔

علانیہ گناہ کرنے والے کی غیبت

ایک حدیث ہے جسکا صحیح مطلب لوگ نہیں سمجھتے اور وہ یہ ہے کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَاغِيْبَةَ لِفَاسِقٍ وَلَا مُجَاهِرٍ (جامع الاصول ج ۸ ص ۴۵۰)

وہ یہ کہ فاسق اور علانیہ گناہ کرنیوالے کی غیبت، غیبت نہیں ہے اس کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص اگر کسی گناہ کبیرہ کے اندر مبتلا ہے تو اسکی جو چاہو غیبت کرتے رہو وہ جائز ہے یا جو بدعات میں مبتلا ہے تو اسکی غیبت جائز ہے۔ حالانکہ اس قول کا یہ مطلب نہیں بلکہ اسکا مطلب

یہ ہے کہ جو شخص علانیہ فسق و فجور کے اندر مبتلا ہے مثلاً ایک شخص علی الاعلان کھلم کھلا شراب پیتا ہے اب اگر کوئی شخص اسکے پیٹھ پیچھے یہ کہے کہ وہ شراب پیتا ہے تو یہ غیبت نہیں اسلئے کہ وہ تو خود ہی اعلان کر رہا ہے کہ میں شراب پیتا ہوں اب اگر اسکے پیچھے اسکے شراب پینے کا تذکرہ کیا جائیگا تو اسکو ناگواری نہیں ہوگی اسلئے کہ وہ تو خود علانیہ لوگوں کے سامنے پیتا ہے لہٰذا یہ غیبت میں داخل نہ ہوگا۔

یہ بھی غیبت میں داخل ہے

لیکن جو کام وہ دوسروں پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا اگر اسکا تذکرہ آپ لوگوں کے سامنے کریں گے تو وہ غیبت میں داخل ہوگا مثلاً وہ شخص کھلم کھلا شراب تو پیتا ہے، کھلم کھلا سود تو کھاتا ہے لیکن کوئی گناہ ایسا ہے جو وہ چھپ کر کرتا ہے اور لوگوں کے سامنے اسکو ظاہر کرنا نہیں چاہتا اور وہ گناہ ایسا ہے کہ اسکا نقصان دوسرے کو نہیں پہونچ سکتا تو اب اسکی غیبت کرنا اور اس گناہ کا تذکرہ کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا جس فسق و فجور کا ارتکاب وہ کھلم کھلا کر رہا ہو اسکا تذکرہ غیبت میں داخل نہیں ورنہ غیبت میں داخل ہے یہ مطلب ہے اس قول کا کہ فاسق کی غیبت غیبت نہیں

فاسق و فاجر کی غیبت جائز نہیں

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے اسی مجلس میں کسی شخص نے حجاج بن یوسف کی برائیاں شروع کر دیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ٹوکا اور فرمایا کہ دیکھو جو تم انکی برائیاں بیان کر رہے ہو یہ غیبت ہے اور یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف کی گردن پر سیکڑوں انسانوں کا خون ہے تو اب اسکی غیبت حلال ہوگئی حالانکہ اسکی غیبت حلال

نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ جہاں حجاج بن یوسف سے ان سیکڑوں انسانوں کے خون کا حساب لیں گے جو اسکی گردن پر ہیں تو وہاں اس غیبت کا بھی حساب لیں گے جو تم اسکے پیچھے کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین

لہٰذا یہ مت سمجھو کہ فلاں شخص فاسق و فاجر اور بدعتی ہے اسکی جتنی چاہو غیبت کر لو، بلکہ اسکی غیبت کرنے سے احتراز کرنا واجب ہے

ظالم کے ظلم کا تذکرہ غیبت نہیں ہے

ایک موقع پر بھی غیبت کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے تم پر ظلم کیا اور اب اس ظلم کا تذکرہ کسی دوسرے سے کرتے ہو کہ میرے ساتھ یہ ظلم ہوا ہے اور یہ زیادتی ہوئی ہے یہ غیبت نہیں اس میں گناہ نہیں چاہے وہ شخص جس کے سامنے تم اس ظلم کا تذکرہ کر رہے ہو اس ظلم کا تدارک کر سکتا ہو یا تدارک نہ کر سکتا ہو۔ مثلاً ایک شخص نے تمھاری چوری کر لی اب جا کر تھانے میں اطلاع دو کہ فلاں شخص نے چوری کر لی ہے تو اب اگرچہ یہ اسکے پیٹھ پیچھے اسکا تذکرہ ہے لیکن غیبت میں داخل نہیں اسلئے کہ تمھیں نقصان پہونچایا گیا تم پر ظلم کیا گیا اور اب تم نے اس ظلم کے خلاف جا کر شکایت کی وہ تمھارے ظلم کا تدارک کر سکتے ہیں۔ تو یہ غیبت میں داخل نہیں

اسی طرح اگر اس چوری کا تذکرہ ایسے شخص کے سامنے کیا جا رہا ہے جو اس ظلم کا تدارک نہیں کر سکتا مثلاً چوری کے واقعہ کے بعد کچھ لوگ تمھارے پاس آئے تو تم نے انکے سامنے تذکرہ کر دیا کہ آج رات فلاں شخص نے چوری کر لی یا فلاں شخص نے ہمیں یہ نقصان پہونچایا یا فلاں شخص نے ہمارے ساتھ یہ زیادتی کر دی تو یہ بیان کرنے میں کوئی گناہ نہیں یہ غیبت میں داخل نہیں۔

دیکھئے! شریعت ہماری فطرت کی کتنی رعایت رکھتی ہے انسان کی فطرت
ہے کہ جب اسکے ساتھ ظلم ہو جائے تو کم از کم وہ اپنے غم کا دکھڑا رو کر اپنے دل کی
ی کر سکتا ہے چاہے وہ دوسرا شخص اسکا تدارک کر سکتا ہو یا نہ کر سکتا ہو اسلئے
ریعت نے اجازت دیدی کہ اسکی اجازت ہے۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (سورۃ النساء ۱۴۸)

یعنی تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ برائی کا تذکرہ کیا جائے البتہ
س شخص پر ظلم ہوا ہو وہ اپنا ظلم دوسروں کے سامنے بیان کر سکتا ہے یہ غیبت
ں داخل نہیں بلکہ جائز ہے۔ بہر حال یہ مستثنیات ہیں جنھیں غیبت سے اللہ تعالیٰ
نے نکال دیا ہے اس میں غیبت کا گناہ نہیں۔ لیکن انکے علاوہ ہم لوگ
لس میں بیٹھکر قصہ گوئی کے طور پر وقت گزاری کے طور پر، مجلس آرائی
کے طور پر دوسروں کا ذکر شروع کر دیتے ہیں یہ سب غیبت کے اندر داخل
ہے۔ خدا کیلئے اپنی جانوں پر رحم کر کے اسکا سدباب کرنے کی کوشش کریں اور ذرا
س زبان کو قابو میں لائیں، اسکو تھوڑا سا لگام لگائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو
س سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بیت سے بچنے کے لئے عزم اور ہمت

غیبت کا تذکرہ میں نے آپ کے سامنے کر دیا اور آپ نے سن لیا
لن محض کہنے سننے سے بات نہیں بنتی جب تک عزم و ارادہ نہ کیا جائے
ست نہ کی جائے اور قدم آگے نہ بڑھایا جائے۔ یہ عزم کر لو کہ آج کے بعد
س زبان سے کوئی غیبت کا کلمہ نہیں نکلے گا انشاء اللہ اور اگر کبھی کوئی
لطی ہو جائے تو فوراً توبہ کر لو اور صحیح علاج اسکا یہ ہے کہ جسکی غیبت
ں ہے اس سے معافی مانگ لو کہ میں نے تمھاری غیبت کی ہے مجھے
عاف کر دو۔ بعض اللہ کے بندے یہ کام کرتے ہیں۔

(جاری)

مولانا محمد اسحق صاحب میرٹھی رح

کتاب الجمعہ

(از تادیب و تہذیب)

(۲)

حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے
ضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی جمعہ کے دن
ب اچھی طرح سے غسل کر کے سویرے سے نماز کیلئے بغیر سواری کے پاپیادہ
ئے اور امام کے قریب بیٹھے اور (خاموشی کے ساتھ) خطبہ سنے
ر کوئی بیہودہ حرکت نہ کرے تو اسکے ہر قدم کے بدلے ایک سال
ی عبادت روزہ نماز کا ثواب ملے گا۔ اسکو امام احمد، ابو داؤد
ترمذی، ابن ماجہ، نسائی نے روایت کیا اور ترمذی نے تحسین کی
ابن حبان اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور
کم نے بھی روایت کر کے تصحیح کی۔ طبرانی نے اسکو اوسط میں بروایت
ن عباسؓ روایت کیا۔ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے
فاظ غَسَّلَ وَ اغْتَسَلَ و بَکَّرَ وابْتَکَرَ کی بیانِ مراد میں علماء کا
تلاف ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ الفاظ متقارب المعنی
ی تکرار الفاظ سے مقصد صرف غسل کرنے اور سویرے جانے
ی تاکید ہے صرف الفاظ کا اختلاف و تعدد ہے جو معنے میں
د موثر نہیں جبکا قرینہ اس حدیث میں مَشٰی وَلَمْ یَرْکَبْ کے
فاظ ہیں کہ جو باوجود اختلاف لفظی کے صرف پیدل چلنے کے معنی

کو تاکید کے ساتھ ادا کرتے ہیں یہی اثرم صاحب امام احمد کا خیال ہے
اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ غسّل کے معنی خصوصیت سے سر
کے بال دھونے کے ہیں کیونکہ اہل عرب کے سروں پر بہت گھنے
بال ہوتے تھے اکثر پٹے رکھتے تھے عادۃً ایسے بالوں کے دھونے
میں بہت تکلیف ہوتی ہے اور تکاسل کیا جاتا ہے لہٰذا خصوصیت
سے سر کے بالوں کے دھونے کے متعلق مزید تنظیف کے لئے ارشا
فرمایا گیا یہی رائے مکحول کی ہے (قال الشیخ الکشمیری ہو الصحیح
لانہ منصوص فی روایت ابو داؤد) - اس صورت میں اغتسل کے معنی
بقیہ جسم کو دھونے اور نہانے کے ہونگے - بعض حضرات کے نزدیک
غسّل کے معنی ہیں اپنی اہلیہ کو غسل کرایا یعنی جمعہ سے قبل جماع
کیا تاکہ اپنے نفس پر پورا قابو اور نظروں کی حفاظت ہو جائے (جمعہ
کے ازدحام میں وساوس پریشان نہ کریں نظریں بے محل نہ پڑیں
نیز جمعہ اور شب جمعہ عموماً فرصت کے اوقات ہوتے ہیں لباس
تبدیل کرنا غسل کرنا جمعہ کی ضرورت سے ہوتا ہے لہٰذا مناسب ہے
کہ اس ضرورت سے بھی ساتھ ہی ساتھ فراغت ہو جائے) یہ کلا
جملۂ اول کے متعلق تھا۔

جملۂ ثانی بَکَّرَ وَابْتَکَرَ کے متعلق بعض حضرات کا خیال ہے
کہ اِبْتَکَرَ کے معنی ہیں خطبہ میں شروع سے شریک ہونا اور بَکَّرَ
بہت سویرے (قبل از وقت) جانا۔ اور ابن انباری کی رائے
ہے کہ بَکَّرَ کے معنی ہیں نماز جمعہ سے قبل صدقہ کرنا جس کے لئے
یہ حدیث موید ہے بَاکِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَ
"صبح سویرے صدقہ کیا کرو کیونکہ بلائیں اس سے گذر کر نہیں آتیں"
روک لیتا ہے حافظ ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ روایات میں غسّل

شدیدوارد ہے ان میں توکنایہ جماع سے ہے یعنی جماع کیا پھر خود غسل کیا اور اپنی بیوی یا جاریہ پر بھی غسل واجب کرایا اور غسّل تخفیف روایت کرتے ہیں اسکے بموجب غسل کے معنی بال دھونے اور اِغتَسَل کے معنی باقی بدن دھونے اور غسل کرنے کے ہیں جسکے حدیث طاؤسؒ عن ابن عباسؓ شاہد ہے چنانچہ بسند صحیح طاؤسؒ نقل کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عرض کیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مایا ہے اِغتَسِلُوا یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْسِلُوا رُؤُسَكُمْ وَاِنْ لَمْ تَكُونُوا جُنُبًا وَمَسُّوا مِنَ الطِّيْبِ "یعنی جمعہ کے روز اچھی طرح غسل رو اور بال بھی دھویا کرو اگرچہ جنبی نہ ہو اور خوشبو لگاؤ" حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ خوشبو کے متعلق تو مجھ کو یاد نہیں ہاں غسل متعلق تو آپ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

: مذکورہ بالا احادیث میں آداب و سنن جمعہ تعلیم فرمائے گئے جن میں سے بعض موکدات ہیں مثلاً خطبہ کے وقت خاموش اور خطبہ سننا اگلی صف میں بیٹھنے کی خواہش سے لوگوں کو پھلانگتے ہوئے جانا اور نمازیوں کو تکلیف نہ دینا۔ خطبہ یا سجدے حالت میں کنکریوں یا اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال میں نہ لگا رہنا امور کی رعایت واجب ہے۔ اور بعض آداب ہیں مثلاً کے روز جہانتک ممکن ہو سویرے مسجد جانا حتیٰ کہ بعض صلحائے کا تعامل رہا ہے کہ وہ صبح ہی سے مسجد چلے جاتے تھے اور کو افضل سمجھا گیا ہے۔ خوب اچھی طرح غسل کرنا اگر سر پر ہوں تو انکو دھونا۔ جو اچھے سے اچھے کپڑے میسر ہوں انکو پہننا ہو سکے تو تیل لگانا، خوشبو کا استعمال کرنا، وقار کے ساتھ جامع مسجد

جانا وغیرہ یہ تمام امور مستحبات وآداب میں سے ہیں۔ غرضکہ یوم جمعہ کو شریعت اسلامیہ نے صرف عبادت یعنی نماز جمعہ کے لئے تجویز کیا ہے اسی وجہ سے جمعہ کو تمام کاروبار چھوڑنا اور تعطیل کرنا مسلمانوں کا اسلامی شعار ہے۔ لہذا اس دن کو عبادت اور اسکے اہتمام میں ہی صرف کرنا چاہیئے اور نماز جمعہ کو اسکے جملہ آداب کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے تاکہ وہ ہفتہ بھر کے صغیرہ گناہوں کیلئے کفارہ ہوجائے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے (جمعہ کے روز) سر کے بالوں کو دھویا اور غسل کیا (اور پھر نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد گیا اور صف اول میں بالکل امام سے) قریب بیٹھا اور شروع سے خطبہ سنتا رہا تو اس شخص کو ہر قدم کے عوض ایک سال کے روزے نماز کا ثواب ملے گا۔ اسکو امام احمدؒ نے برجالِ صحیح روایت کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جمعہ پیش کیا گیا تو اسکو حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی ہتھیلی میں لیکر آئے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک صاف شفاف آئینہ ہے اور اسکے وسط میں (تحال رخ محبوب کی طرح) ایک سیاہ نقطہ (اسکی آب وتاب کو دوبالا کر رہا) ہے چنانچہ آپ نے بطریق استعجاب دریافت کیا کہ اے جبرئیل یہ کیا لائے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضور یہ جمعہ ہے جناب باری عزاسمہٗ نے آپکو عنایت فرمایا ہے تاکہ آپ کے لئے اور آپکے بعد آنے والی آپکی امت کے لئے یہ (یوم) عید ہوجائے اور آپ (حضرات) کے لئے اس میں عظیم الشان خیر وبرکت رکھ دی گئی ہے

مقام مسرت یہ ہے کہ) آپ (اس روز سعید کے اختیار کرنے میں سب سے
ول ہیں اور (دوسری امتیں) یہود و نصاریٰ (اس فضل میں) آپ
پ کے بعد ہیں (چنانچہ باوجودیکہ یہ لوگ آپ سے پہلے تھے مگر تاہم
صاریٰ نے اپنے لئے ہفتہ کو اور یہود نے اتوار کو یوم عبادت
عید تجویز کیا اور یہ مبارک دن آپ کے لئے رہا) نیز اس مبارک
ن میں ایک ایسی ساعت سعید ہے کہ جو کوئی بندہ اپنے خدا
سے اس وقت میں جو کچھ بھی مانگتا ہے اگر مقسوم میں ہوتا ہے تو
اللہ پاک ضرور عنایت فرما دیتے ہیں۔ اور اگر کسی مصیبت سے
پناہ (نجات) چاہتا ہے تو اللہ پاک اسکو اور اس سے بھی بڑھکر
مصائب و آلام کو دور فرما دیتے ہیں اور ہم اسکو آخرت میں یوم مزید
یعنی انعام و اکرام کا دن) کہتے ہیں۔

ف: یہ مبارک ساعت ہی وہ نقطۂ سیاہ ہے جو جمعہ کے
روشن چہرے کے لئے خال رخ محبوب کی طرح گرانقدر اور
اس کو بقیہ ایام پر سیادت و فضیلت کا مرتبہ دلانے والی ہے۔
اس میں ہر قسم کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ اس ساعت کی تعیین
کے متعلق آئندہ کلام آتا ہے۔

ف: یوم مزید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَهُمْ مَّا يَشَاؤُنَ فِيهَا
وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ترجمہ: اہل جنت کو انکی حسب خواہش
ہر قسم کی چیزیں ملینگی اور ایک خاص انعام (زیادتی) ہماری
جانب سے جزائے اعمال کے علاوہ اور ملے گا۔ حدیث شریف
میں آتا ہے کہ وہ انعام و زیادتی دیدار الٰہی ہے جو کہ اللہ پاک
کے تمام تر عطیات و انعامات کی روح ہے جس کیلئے زلفیتگان
جمال ایک ہفتہ تک بےچینی سے انتظار کیا کرینگے اور پھر جمعہ کی

ب کو دار کرامت میں تشنگانِ دیدار کو جمال روئے انور سے
راب کیا جاتا رہیگا۔ اسی وجہ سے سکانِ جنت اس مبارک دن
یوم مزید کہتے ہیں۔ اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں بسندِ
ر روایت کیا ہے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ
یہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کا دن تمام ایام کا سردار ہے اور
لہ کے نزدیک سارے دنوں سے بزرگ ہے۔ یہ اللہ کے
دیک عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن سے بھی زیادہ بزرگ
ر با عظمت ہے۔ اسکی پانچ خصوصیتیں (ایسی) ہیں (جو اور
م میں نہیں)۔ (۱) اس میں اللہ پاک نے حضرت آدمؑ کو
یدا فرمایا (۲) اور اسی دن میں اللہ پاک نے (دنیا کو آباد
رنے کے لئے) انکو زمین پر اتارا۔ (۳) اور پھر اسی روز انکی
فات ہوئی (۴) اور اس دن میں ایک ایسا وقت (آتا) ہے
بندہ جو کچھ بھی اسوقت خدا سے مانگتا ہے اللہ تعالےٰ اسکو ضرور
طا فرما دیتے ہیں بشرطیکہ کوئی حرام چیز نہ مانگے (۵) اور
وز قیامت قائم ہوگی (گویا دنیا کی عمرانی زندگی کا سب سے
ہلا اور سب سے آخری دن یہی ہے، اسی سے شروع ہوئی
ر اسی پر ختم ہو جاوے گی لہٰذا) کوئی مقرب سے مقرب
رشتہ، کوئی زمین کوئی آسمان، کوئی ہوا، کوئی پہاڑ، کوئی دریا
یسا نہیں کہ جو (قیامت کے اندیشہ سے) جمعہ کے دن سے نہ ڈرتا
و۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے ایک الفاظ سے
وایت کیا۔ انکی اسناد میں عبداللہ بن محمد بن عقیل ہیں ان کو
مام احمدؒ وغیرہ قابل حجۃ سمجھتے ہیں۔ نیز اس مضمون کو انہی عبداللہ

کے طریق سے حضرت سعد بن عبادہؓ کی روایت سے بزار اور امام احمد نے روایت کیا ہے، بقیہ رواۃ اسکے ثقہ اور مشہور ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ بہترین دن جس پر کہ آفتاب نکلتا ہے جمعہ کا روز ہے۔ اسی روز اللہ تعالیٰ نے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اسی روز وہ جنت میں داخل کئے گئے اور اسی روز دنیا کی آبادی کے لئے جنت سے باہر بھیجے گئے۔ اس حدیث کو مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی نے روایت کیا۔

اور ابن خزیمہ نے (اپنی صحیح میں) ان لفظوں سے روایت کیا کہ "آفتاب جمعہ سے بہتر دن پر نہ نکلا نہ غروب ہوا۔ خدا (کا یہ عظیم الشان فضل ہے کہ اس) نے ہمکو اس روز کی ہدایت فرمائی (چنانچہ ہم نے بخوشی اسکو قبول کیا) اور دوسری تمام امتیں اس (کی عظمت) کو نہ سمجھ سکیں (چنانچہ انھوں نے اس سے منہ پھیر لیا) لہٰذا وہ ہم سے (اس شرف میں) پیچھے رہ گئے۔ اور یہ ہمیں مل گیا۔ اب یہود نے اپنے لئے ہفتہ اختیار کر لیا اور نصاریٰ نے اتوار تجویز کیا۔ (اسکی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ) اس دن میں ایک (ایسی بابرکت) ساعت ہے کہ جو کوئی مسلمان آدمی نماز جمعہ (کو اسکے تمام تر حقوق اور آداب کی رعایت کے ساتھ) پڑھکے اس ساعت کو پالے تو جو کچھ بھی خدا سے مانگے گا اللہ تعالیٰ اسکو ضرور عطا فرمائیں گے۔ اسکے بعد بقیہ حدیث بیان کی۔

(جاری)

خبریں

ایک سانحۂ غم

۱۰ ارمحرم کو یہ افسوسناک خبر بذریعہ فون موصول ہوئی کہ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ
اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرماگئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مولانا موصوف ایک طویل ع
ضعف ونقاہت سے دوچار تھے لیکن قدیم عوارض کے علاوہ ہفتہ عشرہ قبل گرجانے کی بنا پر چوٹ آئی ؤ
سانحۂ ارتحال کا سبب بن گئی۔

مولانا موصوف "مظاہر علوم" سہارنپور کے فارغ التحصیل تھے، ایک ذی استعداد ومتبحر عالم دین تھ
وعظ وتبلیغ اور اصلاح وتربیت میں نمایاں اور امتیازی شان کے حامل تھے ابتدا ہی سے درس وتدریں
وعظ وتبلیغ کے مشاغل میں منہمک ہوگئے اسکے لئے شیراز ہند جونپور کا انتخاب کیا، مانی کلاں میں ایک
مدرسہ "ضیاء العلوم" کی بنیاد رکھی جو مولانا مرحوم کی سعی پیہم، محنت واخلاص کی برکت سے تعلیم وتعمیر دونوں ؟
میں نمایاں حیثیت حاصل کرگیا، بعدازیں بعض وجوہات کی بنا پر اس مدرسہ سے یکسو ہوکر گودینی میں مد
عربیہ ریاض العلوم" کی بناء ڈالی جلد ہی اس مدرسہ نے بھی اطراف واکناف میں مرکزی مقام حا
کرلیا اور تعلیمی وتربیتی فیض عام ہوا اور خوب پھیلا - بلاشبہ یہ وہ صدقہ جاریہ ہے جسکا ثواب تا ا
مولانا علیہ الرحمہ کو پہونچتا رہے گا۔

مولانا سید رابع صاحب ندوی "تعمیر حیات" میں تحریر فرماتے ہیں " مولانا کی ولادت ۱۹۰۹
میں ہوئی، شروع میں مقامی اسکول میں داخل کیا گیا تھا لیکن اسمیں انکا دل نہیں لگا اور دوا
تعلیم کی طرف مائل ہوئے اور مدرسہ میں اپنی متوسط تعلیم پوری کی پھر جامعہ مظاہر علوم میں تعلیم
تکمیل کی، مشرقی یوپی میں اسوقت حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا شا
وصی اللہ صاحبؒ فتحپوری کا فیض تربیت عام تھا چنانچہ مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ ع
ان سے وابستہ ہوئے اور جلد ہی ان کی خلافت سے سرفراز ہوئے، مظاہر علوم کے زمانۂ طالبعلمی میں حضرت شیخ الحد
مولانا زکریا صاحب سے تعلق رہا اور ان سے کسب فیض فرمایا اور مولانا شاہ وصی اللہ صاحب (علیہ الرحمہ) کی وفات کے ا
پورا تعلق انھیں سے ہوگیا حتی کہ حضرت شیخ نے بھی اپنی خلافت سے نوازا اور جلد ہی انکا شمار حضرت
کے بڑے خلفاء میں ہونے لگا اور بتدریج طالبان اصلاح وتربیت کا رجوع بڑھا اور فائدہ عام ہوا (نقش ۱۹۰۹)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پسماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے انکی قائم کردہ نشانیوں کو باقی ؤ
رکھے۔ ادارہ وصیۃ العرفان انکے غم میں شریک ہے۔

حامل مضامین تصوف و عرفان ○ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیة العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر :- احمد مکین

شمارہ ۸ : جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ مطابق اگست ۱۹۹۱ء جلد : ۲۲

قیمت فی پرچہ آٹھ روپیہ سالانہ زر تعاون اسّی روپیہ ششماہی پینتالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین۔ ۲۳/۲۵۔ بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

S.T.D Code No 0532 فون ۶۵۶۱۸۳

پرنٹر۔ پبلشر۔ مولوی احمد مکین : اسرار کریمی پریس حسن منزل گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اعلان

رسالہ کا زرتعاون جنوری ۱۹۹۹ء سے مبلغ اسّی روپیہ سالانہ کر دیا گیا ہے۔

مصلح الامت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مجالسِ علیگڈھ

مجلس ششم

(بدعملی کا عبرتناک انجام)

فرمایا کہ — سنیئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝ "سو نہ تو ان پر آسمان و زمین کو رونا آیا اور نہ انکو مہلت ہی دی گئی" اوپر فرعون اور اسکی قوم کے ہلاک کرنے کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور اسکے بعد یہی آیت ہے کہ وہ اس درجہ مبغوض اور مغضوب تھے کہ اللہ تعالیٰ کو انکی ہلاکت کی کچھ بھی پرواہ نہیں ہوئی۔ اسی عدم مُبالاۃ "یعنی پرواہ نہ کرنے" کو آسمان وزمین کے نہ رونے سے تعبیر فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی بندہ نہیں ہے مگر یہ کہ اسکے لئے آسمان میں دو دروازے ہوتے ہیں ایک دروازے سے اسکا عمل چڑھتا ہے اور دوسرے دروازے سے اسکا رزق نازل ہوتا ہے۔ پس جب مومن مرجاتا ہے تو یہ دونوں دروازے اسکو مفقود (اور غائب) پاکر اس پر روتے ہیں۔ یہ بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی یعنی فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ

السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ ایک مطلب تو آیت کا یہ ہوا اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے روئے زمین پر اپنی زندگی میں کوئی عمل صالح کیا ہی نہیں تھا کہ اب زمین و آسمان انکو مفقود پاکر ان پر روتے چنانچہ ان لوگوں کا نہ تو کوئی کام ہی آسمان کی طرف چڑھا تھا اور نہ کوئی عمل صالح ہی چڑھا تھا تاکہ اب اسکو نہ پاکر آسمان و زمین روتے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ زمین مومن کے مرنے پر چالیس دن روتی ہے پھر انھوں نے بھی یہ آیت پڑھی فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ مومن جب اس جہان سے انتقال کرجاتا ہے تو اسپر وہ جگہ روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھتا تھا اور آسمان کا وہ حصہ بھی روتا ہے جہاں سے اسکا عمل چڑھا کرتا تھا پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ پس آیت میں جو آسمان و زمین کے رونے کی نفی فرمائی ہے تو اس لئے کہ یہاں عمل ہی نہ تھا کیونکہ عمل معتبر ہوتا ہے ایمان سے اور انکے اندر ایمان ہی نہ دارد تھا لہٰذا نہ انکا ایمان چڑھا اور نہ عمل چڑھا اسلئے زمین و آسمان روئے بھی نہیں بلکہ ایسے شخص کی حالت پر افسوس کرتے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ انکے اوپر سکانِ سماء (باشندگان آسمان) یعنی ملائکہ اور سکان ارض (زمین کے باشندے) یعنی مومنین نہیں روئے بلکہ انکے ہلاک ہونے پر اور خوش ہوئے وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ پس جب ان لوگوں کی ہلاکت کا وقت آپہونچا تو پھر دوسرے وقت تک کے لئے

قیامت تک کے لئے معاملہ ٹلا نہیں بلکہ اسی دنیا میں انکو سزا دے دی گئی۔

حضرت سفیانؒ ثوریؒ فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ آسمان کے افق میں جو سرخی ہوتی ہے یہی اسکا بکا اور گریہ ہے مومن پر۔

بہرحال آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا کوئی مومن اور صالح بندہ جب اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو انسان تو انسان زمین و آسمان بھی رنج و غم محسوس کرتے ہیں بخلاف اسکے کسی غیر مومن اور غیر صالح کے اس دنیا سے چلے جانے سے نہ اس دنیا کا کوئی نقصان ہوتا ہے نہ زمین و آسمان ہی اسپر روتے ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کو انکی کوئی پرواہ نہیں ہوتی

مقاصد قرآن تک رسائی عقل و فلسفہ سے نہیں ہوتی

میں نے صبح سورہ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ کی تفسیر کرتے ہوئے امام غزالیؒ کا یہ قول نقل کیا تھا کہ مقاصد قرآن چھ ہیں جنمیں تین اہم ہیں اور تین متمم یعنی تعریف المدعو الیہ (جسکی طرف دعوت دی گئی ہے) تعریف الصراط المستقیم اور تعریف الحال عند الرجوع الیہ تعالیٰ ان تینوں کو مہم فرمایا اور تعریف احوال المطیعین اور حکایات اقوال الجاحدین اور منازل طریق کا بیان ان تینوں کو متمم فرمایا۔ منازل طریق سے مراد یہ ہے کہ اس راہ میں کون کون سی منزلیں پڑتی ہیں اسکا بیان بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے اور یہ بھی مقاصد قرآن میں سے ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ہی اسکو بیان نہ کرتے تو دوسرا کون بیان کر سکتا تھا؟ کوئی فلسفی اسکو اپنی عقل

سے نہیں معلوم کر سکتا تھا اور نہ لندن یا امریکہ سے اس کی خبر معلوم ہو سکتی تھی حق تعالیٰ اگر نہ بتاتے تو لوگ اپنی طرف سے بیان کرتے جس کا نتیجہ گمراہی ہوتا اسی کی جانب شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو متوجہ فرمارہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ ؎

دریں بحر جز مرد داعی نرفت گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت

(معرفت خداوندی کے اس بحر ناپیدا کنار میں سوائے مرد داعی (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے کوئی نہیں گھس سکا ہے اور وہ تمام لوگ گمراہ ہو گئے جو راعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر نہیں چلے)

کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند برفتند و بسیار سرگشتہ اند

جن لوگوں نے بھی اس راستہ (یعنی اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ) سے انحراف اور روگردانی کی ہے وہ بہت چلنے (یعنی بڑی محنت اور ریاضت کرنے) کے باوجود انتہائی حیران و پریشان ہو گئے ہیں)

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(جو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے سے الگ کوئی راستہ اختیار کرے گا وہ "قرب خداوندی اور رضائے الٰہی کی" منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہونچ سکے گا)

اور آخر میں فرماتے ہیں کہ ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

(سعدی تم یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ تزکیۂ نفس اور صفائے باطن کا راستہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر طے کیا جاسکتا ہے)

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ لوگ خدا کا راستہ اپنے طور پر بھی چلے ہیں اب اگر شیخ اسکو بیان نہ کرتے تو ہم کو

معلوم ہی نہ ہوتا۔

قرآن میں منکرین اور مطیعین کے تفصیلی ذکر کی وجہ

اسی طرح سے اللہ تعالےٰ نے احوال مطیعین کو بھی قرآن شریف میں خوب ہی خوب بیان فرمایا ہے چنانچہ جنت اور اسکی نعمت کا اجمالاً اور بالتفصیل خوب خوب بیان کیا ہے اور آخر میں نِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِیْن (نیک عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا انعام ہے) فرما کر لوگوں کو اسکا طالب اور اسکے حصول کے طریق یعنی ایمان اور عمل صالح پر آمادہ کردیا ہے اسکے لئے اللہ والوں نے کیسے کیسے مجاہدات کئے ہیں اور کتنی کتنی طاعات کی ہیں کتاب سنت میں نیز علمار کی تصانیف میں انکا بکثرت ذکر موجود ہے روح المعانی میں ہے کہ حضرت تمیم داریؓ نے مقام ابراہیم کے پاس سورۂ جاثیہ تلاوت فرمائی جب آیت اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (یہ لوگ جو بُرے بُرے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انکو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنھوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا مرنا یکساں ہوجاوے یہ بُرا حکم لگاتے ہیں) پر پہونچے تو اسکو بار بار پڑھتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ آیت اگرچہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے چونکہ اسکا شان نزول یہ ہے کہ عتبہ اور شیبہ اور ولید بن عتبہ ان تینوں نے حضرت علیؓ

اور حضرت حمزہؓ اور دیگر مومنین سے کہا کہ خدا کی قسم تمہارا دین کچھ بھی نہیں ہے اور اگر جیسا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ آخرت کا وجود ہے تو جس طرح آج ہم دنیا میں تم سے افضل ہیں کل آخرت میں بھی تم سے بڑھے ہوں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس سے مومن عاصی (نافرمان) اور مومن طائع (فرمانبردار) کے حال اور انجام کا تباین (اور فرق) ظاہر ہے اسی لئے اکثر عابدین اسکو تلاوت کرکر کے روتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کا لقب ہی مُبْکَاۃُ العَابِدِیْن (یعنی عابدین کو رلانے والی) ہو گیا۔

اسی طرح سے کتابوں میں واقعہ لکھا ہے کہ امام نے عشاء کی نماز میں سورہ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ الخ پڑھی سب لوگ تو نماز پڑھکر چلے گئے لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایسا اثر ہوا کہ روتے رہے اور صبح تک اپنی ڈاڑھی پکڑ کر یہی کہتے رہے "اے اللہ! اپنے بندے نعمان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے" اور یہ کہا۔ "اے اللہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ذرہ برابر بھی عمل کرے گا خیر یا شر تو اسکو اسکا بدلہ آخرت میں ملے گا پس میرا بھی یہ ایک حقیر سا عمل ہے اسکو قبول فرما لیجئے" یہ ہیں احوال مطیعین کے۔

قرآن شریف میں بھی بہت سے صالحین کے قصے بیان کئے گئے ہیں جنت کا ذکر کیا گیا ہے جسے سنکر صالحین مسرور ہوتے ہیں اور دوزخ اور جاحدین کے حالات کا بھی قرآن میں ذکر ہے۔ اللہ کے نیک بندے جب ان پر سے گذرتے ہیں تو خوف و خشیت سے بھر جاتے ہیں۔ جاحدین میں کا فرو منافق

دونوں داخل ہیں اور قرآن نے دونوں کے خالات سے بحث کی ہے۔ منافق چونکہ چھپا ہوا ہوتا ہے اسلئے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان دونوں فریق کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔

آپ کو اس پر تعجب ہوگا کہ قرآن میں جاحدین کے حالات کیوں بیان کئے گئے مطیعین کے احوال کا بیان تو سمجھ میں آتا ہے کہ اسلئے کیا گیا ہے تاکہ لوگ انکی اتباع کریں میں کہتا ہوں کہ جاحدین کے حالات بیان کرنے سے بھی یہی مقصود ہے کہ صالحین انکی راہ نہ چلیں اور ان کے اخلاق سے اجتناب کریں۔ لیکن یہ راستہ آپ کو معلوم ہوگا کتاب وسنت ہی سے محض عقل سے یہ راستہ آپ کو نہ معلوم گا۔ چنانچہ بہت سے لوگ اپنی عقل سے چلے ہیں اور کامیاب نہیں ہوئے اسلئے کہ ہدایت وتاثیر کیلئے قرآن شریف آیا ہے لوگوں نے اس سے اثر لیا ہے۔ آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جو آپ لگا لیجئے گا۔

الفاظ کی تاثیر

ایک بادشاہ کے یہاں بوعلی سینا اور کوئی بزرگ جمع تھے کوئی شخص بیمار تھا ان بزرگ نے کچھ آیتیں پڑھکر مریض پر دم کیں۔ بوعلی سینا نے کہا کہ اس سے کیا ہوتا ہے یہ تو مادہ اور خلط کا فساد ہے اسکا ازالہ ہونا چاہیئے۔ ان بزرگ نے یہ سنکر کچھ کلمات سخت بوعلی سینا کو کہے اسے بہت طیش آیا چہرہ سرخ ہوگیا، ان بزرگ نے فرمایا میں نے آپ کو مارا نہیں صرف چند کلمات ہی تو زبان سے کہے ہیں اسکا اثر آپ پر تو یہ ہوا کہ لال پیلے ہو رہے

ہیں تو بس اسی سے سمجھ لیجئے کہ جب مخلوق کے کلام میں یہ تاثیر ہے تو خالق کے کلام میں کیا اتنی تاثیر بھی نہ ہوگی؟ اس سے وہ بہت محجوج (اور لاجواب) ہوا۔ پھر ان بزرگ نے اسکے علم کے ناز کو توڑنے کیلئے فرمایا کہ شکل اول آپ لوگوں کے نزدیک بدیہی الانتاج ہے اس پر تو دور لازم آتا ہے یہ کہکر دور کی تقریر فرمائی۔ بوعلی سینا اسکا کچھ جواب نہ دے سکا گھر جانے کے بعد ایک کتاب لکھکر بھیجی جس میں اس دور کو اٹھایا تھا ان بزرگ نے کہلا بھیجا کہ " مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلۂ خود باید زد (جو مکا لڑائی کے بعد یاد آئے اسے اپنے ہی کلے پر مارلینا چاہئے) حضرت کا مطلب یہ تھا کہ مجلس مناظرہ میں جبکہ جواب کا موقع تھا تب تو تم کچھ بول نہ سکے اب جواب دینے سے کیا ہوتا ہے۔

بزرگوں سے تعلق اور وابستگی کی برکات

بہرحال منازل طریق کو بتانا عقل کا کام نہیں اسکے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں انھوں نے مقاصد اور منازل طریق سب سمجھا دیا ہے اب اس کے خلاف راستہ اختیار کرنے میں گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ (پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا سوائے گمراہی کے) اسی کو شیخ فرماتے ہیں ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

یہ گلستاں و بوستاں سلوک کی کتاب ہے ان میں بھی احوال مطیعین کا ذکر ہے۔ دیکھئے شیخ فرماتے ہیں کہ راہ صفا بھی

ایک چیز ہوتی ہے۔ اب لوگ یہ چاہیں کہ بزرگان دین کی خدمات کو ختم کر دیں اور اپنی عقل و دلائے سے منازل طریقت کو سمجھیں اور قطع کریں تو کبھی کامیابی نہوگی اور وہ راہنما یہی شریعت ہے جو سنت کی اتباع سے اور بزرگوں کی خدمت ہی سے حاصل کیجا سکتی ہے۔ نری عقل اسکے لئے کافی نہیں۔ بزرگوں کی پیروی سے انسان اللہ و رسول کو بھی پہچان سکتا ہے ورنہ تو سوء خاتمہ کا بھی اندیشہ ہی رہتا ہے۔

ایک بہت بڑے معقولی تھے ایک بزرگ کے پاس گئے اور انکی خدمت میں رہے کچھ دنوں کے بعد عرض کیا کہ مجھ کو اپنے سینے میں سے کوئی چیز سرسر نکلتی ہوئی سی معلوم ہوتی ہے۔ انھوں نے فرمایا مبارک ہو وہ تمھارا منطق و فلسفہ ہے نکلنے دو، اللہ تعالےٰ تم کو اسکے بدلے میں دوسرے ہی علوم عطا فرمائیں گے انھوں نے کہا کہ حضرت میں نے اسے بڑی مشکلوں سے حاصل کیا ہے یہ کہکر ان بزرگ کے یہاں سے چلے گئے کچھ دنوں کے بعد جب ان معقولی صاحب کا انتقال ہونے لگا تو شیطان انکے پاس آیا اور توحید پر ان سے دلیل مانگی انھوں نے ایک دلیل پیش کردی اس نے توڑ دیا، انھوں نے دوسری پیش کی اس نے اسکو بھی توڑ دیا۔ اسی طرح سے یہ پیش کرتے رہے اور وہ توڑتا رہا بالآخر یہاں ان بزرگ کو مکشوف ہوا کہ ان معقولی عالم صاحب کے نزع (اور جانکنی) کا وقت ہے اور شیطان انکو پریشان کر رہا ہے خادم انکو وضو کرا رہا تھا اسکے ہاتھ سے لوٹا لیکر بڑی زور سے دیوار

پھینک کر مارا اور کہا کہ کہتا کیوں نہیں کہ خدا کو بلا دلیل مانا اللہ تعالیٰ نے انکی آواز ان عالم صاحب تک پہونچا دی چنانچہ انھوں نے کہدیا کہ خدا کو بلا دلیل مانا، بس یہ کہنا تھا کہ روح پرواز کر گئی ۔

بزرگوں کے یہ واقعات ہیں جو کتابوں میں مدون ہیں اور ایک جم غفیر کے صفحاتِ قلوب پر ثبت ہیں، آپ اسکا انکار نہیں کر سکتے آپ کے یہاں کتب خانہ میں بھی اس قسم کی کتابیں ہونگی مگر آپ کو اسکی کچھ خبر نہیں ہے ۔

نظام الاوقات کی اہمیت

ہاں آپ کے یہاں ایک خاص چیز ہے جس کا فیض مجھے بھی پہونچا ہے وہ اوقات کی پابندی ہے یعنی نظام الاوقات کا اہتمام چنانچہ آپ اگر پابند وقت ہیں تو سن لیجئے کہ شریعت نے بھی اوقات کی پابندی کا لحاظ رکھا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا (بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے ۔

ایسے شخص کو تصوف کی اصطلاح میں ابن الوقت کہتے ہیں ۔ آپ تو سب سے زیادہ وقت کا پابند نصرانیوں کو سمجھتے ہونگے مگر دراصل وقت کا اہتمام کرنے والا مومن ہوتا ہے کیونکہ اگر کسی میں وقت کی پابندی نہیں ہے تو اعمال پر مداومت بھی اس سے نہیں ہو سکتی ۔ انضباطِ اوقات (وقت کی پابندی) اور اپنے امور میں استقامت ومداومت حقیقۃً مومن ہی کی شان ہے اب جس کا

ی چاہے اسکو لے لے۔ حضرت سے سنا کہ حضرت جنید ایک مرتبہ
ہیں تشریف لے جارہے تھے راستہ میں دیکھا کہ ایک چور
سولی پر لٹکا ہوا ہے آپ نے لپک کر اسکے قدم چوم لئے۔
لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو چور تھا فرمایا میں نے اسکی
چوری کو تھوڑا ہی پسند کیا ہے مجھے تو اسکی استقامت
قابل تعریف معلوم ہوئی کہ سولی پر لٹکنا گوارا کیا مگر اپنے عزائم
میں فرق نہ آنے دیا (کاش یہی نفس پختگیٔ عزم ہم لوگوں کو
حاصل ہوتی تو دین کا کتنا کام ہو جاتا۔

ہدایت اور ہادی کی تشریح بہرحال نظام الاقات کی پابندی تو آپ کی درست ہے لیکن
منازل طریق بھی تو آپکو کتاب و سنت ہی سے لینا ہوگا۔
اسکے بیان کے لئے اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السلام
کو بھیجا ہے اور ان پر کتاب نازل فرمائی ہے ارشاد فرماتے ہیں!

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ
نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ترجمہ) آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ
کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے
لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ
سے ہم اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں ہدایت
کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے
راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں۔

دیکھئے یہاں حق تعالیٰ ہدایت کی نسبت خود اپنی جانب بھی فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف بھی فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہادی حقیقی تو اللہ تعالےٰ

ہی ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھیجا گیا ہے وہ ہدایت ہی کی خاطر لہٰذا آپ بھی ہادی ہوئے اور آپ لوگوں کو ہدایت صراط مستقیم کی فرماتے ہیں جسکی تفسیر میں علماء فرماتے ہیں کہ هُوَ الْاِسْلَامُ وَ الْاَحْکَامُ وَ سَائِرُ الشَّرَائِعِ یعنی صراط مستقیم نام ہے اسلام اور احکام اسلام کا بلکہ تمام شرائع کا جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمائی یہی وجہ ہے کہ کبھی ہدایت کی نسبت قرآن کی جانب بھی فرمائی گئی ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ بلا شبہ یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔ اسی طرح سے صراط کی نسبت بھی کہیں اللہ تعالےٰ نے اپنی جانب فرمائی ہے اور کہیں قرآن و نبی کی جانب پس کتاب و قرآن تو ایک قانون ہے اسکے لئے کسی ہادی کی ضرورت ہوگی جو اسکو لوگوں پر پیش کرے اور انکو یہ قانون سمجھائے اور وہ ہادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے چنانچہ جس طرح سے کہ آپ کے دنیوی قانون کی کتابوں کیلئے وکلاء ہوتے ہیں وہی اسکو سمجھتے ہیں اور قوم کو سمجھاتے ہیں اسی طرح سے صراط مستقیم کا بیان تو قرآن میں ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل میں اس کا اجرا فرمایا ہے اسلئے آپ کا طریقہ بھی لینا ہوگا خاص کر جبکہ اللہ تعالےٰ نے اسکی شہادت بھی دی ہے کہ آپ جس طریقے پر ہیں اور جس کی ہدایت فرما رہے ہیں وہی صراط مستقیم ہے۔

اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَ اِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ

اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اَلَآ اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ۔
(آپ بیشک سیدھے راستہ پر ہیں اور بیشک آپ ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں یعنی اس خدا کے رستے کی کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ یاد رکھو سب امور اسی کی جانب رجوع ہوں گے)۔

حاصل یہ کہ جب صراط مستقیم اور منازل طریق کی تحصیل ضروری ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اور آپ کی سنت کو بھی ماننا ضروری ہوگا آپ کا انکار کرکے اور آپ کے طریقہ سے مستغنی (اور بے نیاز) ہوکر صراط مستقیم نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ اسی کو شیخ سعدیؒ کے لفظوں میں سنا چکا ہوں کہ ؎

میندار سعدی کہ راہ صفا   تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

محرومی کی اصل وجہ علم کی بات کا سمجھنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ اعتراض تو بہت آسان ہے یہ کفار حضرات انبیاء علیہم السلام پر اعتراض ہی کیا کرتے تھے دنیا میں بھی ذلیل رہے اور آخرت میں بھی معذب (معزاباہونگے) اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمادیا کہ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ "یہ لوگ جانوروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ" پس اعتراض کافروں کا طریقہ ہے مومن کا کام تصدیق ہے احکام کی بھی اور احکام لانے والے

کی کجی، آپ لوگ جو محروم ہیں تو اسی تصدیق کے فوت کرنے کی وجہ سے۔ آج کجی صراط مستقیم کی اور اپنے ہادی کی تصدیق کیجئے راستہ کھلا ہوا نظر آئیگا۔

شریعت کے علوم و دقائق تک رسائی کی اولین شرط میں نے آپکو بزرگوں کا یہ ارشاد دکھلایا تھا کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر شریعت کے غوامض اور علوم توحید کی مشکلات کو حل کرنا چاہتے ہو تو اپنی عقل و رائے کے حکم کو چھوڑ دو۔ چنانچہ خود قرآن میں بہت سے مضامین ایسے آئے ہیں جو عقل سے نہیں حل کئے جا سکتے مثلاً ارشاد فرماتے ہیں

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَاۗءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۚ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۚ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۚ

(قٓ قسم ہے قرآن بزرگ کی بلکہ انکو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا سو کافر لوگ کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہے جب ہم مرگئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہونگے یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید بات ہے ہم انکے ان اجزاء کو جانتے ہیں جنکو مٹی کم کرتی ہے اور ہمارے پاس کتاب محفوظ ہے بلکہ سچی بات کو جبکہ وہ انکو پہونچتی ہے جھٹلاتے ہیں غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں۔

آپ سے کہتا ہوں کہ اب اس قٓ یا اس سے پہلے صٓ آیا ہے اسکا کیا مطلب ہے اس میں عقل لڑا لیجئے؟ بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ عقل و رائے کو ترک کرو تب دین حاصل ہوگا اور جہاں کسی نے اپنی عقل کو لگایا ہے تو توان حضرات نے اسکی جانب التفات تک نہیں فرمایا ہے علماء نے لکھا ہے کہ لوگ عقل اسلئے لگاتے ہیں کہ عالم جبتک کسی بات کو علمی احاطہ میں نہیں لے لیتا اسکو تسلی ہی نہیں ہوتی یہ اسکی فطرت ہے اسکے ذہن کی اس (تیزی) کو توڑنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں مقطعات کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ صاحب روح المعانی نے اس بات کو نہایت ہی عمدہ ادا فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ یہ باب ابتلاء (امتحان وآزمائش) سے ہے

والسر فی هذا الابتلاء	اور راز اس ابتلاء میں عقل کے بازو کو
قص جناح العقل وکسر	کتر دینا ہے اور فکر کی تیزی کو توڑ دینا ہے اور
صولة الفکر واذهاب	طاؤس نفس کے عجب کو ختم کر دینا ہے تاکہ قلب
عجب طاؤس النفس	تمام عوائق وموانع سے خالی ہوکر عبودیت کے کعبہ
لیتوجه القلب بشراشره	کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو سکے اور ربوبیت کے
تجاه کعبة العبودیة و	سراپردہ کے نیچے خضوع کر سکے اور اپنے
ویخضع تحت سرادقات	عجز وقصور کو جان لے اور اسکا معترف ہو جائے
الربوبیة ویعرف بالقصور و	کہ ان محلات میں جو چیزیں ہیں ان تک وصول
ویقر بالعجز عن الوصول الی	سے یہ عاجز ہے اور عالم کے ساتھ یہ معاملہ
مافی هاتیك القصور وفی ذالك	جو روا رکھا گیا تو اس میں اسکی غایت تربیت
غایة التربیة ونهایة المصلحة	اور انتہائی مصلحت مقصود ہے۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۱۰۲)

پس ان مقطعات کے قطعی معنی اور اللہ تعالیٰ کی یقینی مراد تو ہمکو نہیں معلوم لیکن انکے پڑھنے میں ثواب ملتا ہے اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے اسلئے کہ ایمان لانا فہم معنی پر موقوف نہیں ہے اور نہ تلاوت اس پر موقوف ہے فہم معنی پر عمل موقوف ہے اسلئے عمل کرنے کے لئے یا تو خود اسکو سمجھ لیجئے یا کسی جاننے والے سے پوچھکر عمل کیجئے رہا ایمان اور تلاوت وہ تو خود اسکو کرنا ہوگا دوسروں کا ایمان اور غیروں کی تلاوت اسکی جانب سے تو کافی نہوگا ان مقطعات کے بارے میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ فِیمَا بَیْنَ اللّٰہِ وَرَسُولِہٖ (اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے درمیان بھید اور راز سربستہ ہیں لہٰذا اسکے درپے نہیں ہوتے بلکہ اس مقام پر اپنے قصور علم و فہم کا اعتراف کرتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ آمَنَّا بِہٖ (ہم اس پر ایمان لے آئے) پس اس عجز و اقرار کی بدولت اور اسکی برکت سے انکو بہت سی چیزیں اُدھر سے عطا ہوتی ہیں۔

یہ میں قٓ کا مطلب بیان کر رہا ہوں آگے فرماتے ہیں وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ یعنی قسم ہے قرآن مجید کی، اللہ تعالیٰ نے عرب کے سامنے قرآن کی قسم اسلئے کھائی ہے کہ انکو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا چنانچہ اپنے مقابلہ میں دوسروں کو عجم کہتے تھے یعنی گونگا اور جس زمانہ میں کسی قوم کو جس چیز پر زیادہ ناز ہوتا ہے اللہ تعالیٰ انکے اسی ناز کو ختم کرتے ہیں، اصلاح خداوندی کا یہی اصول مقرر ہے چنانچہ جب اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ نازل ہوئی تو کسی نے

ایک کاغذ پر اسکو لکھکر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ عرب آتے تھے اور اِدھر دیکھتے تھے اُدھر دیکھتے تھے مگر اسکے مثل لانے سے عاجز تھے۔ پھر بھی عناد کی وجہ سے اعتراف عجز نہ کرتے تھے جانتے سب کچھ تھے بیوقوف نہیں تھے مگر بات یہ ہے کہ انسان پر جب رسوم کا غلبہ ہوتا ہے تو آدمی آسانی سے اسکو ترک کرنا نہیں چاہتا اور حق بات بھی ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتا چنانچہ جب ان میں سے کسی کو ہدایت ہوجاتی تھی تو اپنی سابق حالت پر خوب ہنستے تھے اور باہم کہتے تھے کہ ہمکو کیا ہوگیا تھا کہ ہم نے ایسے پاکیزہ دین کے قبول کرنے میں ردو قدح کیا۔

ایک صحابیؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے تو بت نے نفع دیا ہے اب سب صحابہؓ حیران کہ یہ کیسی بات کہہ رہے ہیں جب سب کو متحیر دیکھا تو پھر اسکی تفصیل یہ بیان کی کہ یا رسول اللہ میں ایکبار سفر میں تھا اور میرے پاس ستو تھا مجھے راستہ میں بھوک لگی تو میں نے اسکو بت کی طرح بناکر کھاکر اپنا پیٹ بھرلیا بس میری بھوک جاتی رہی یہ نفع تھا جو مجھکو بت سے پہونچا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکرا دیئے اور سب صحابہؓ ہنس پڑے۔

یہ واقعہ اس پر آپ کو سنا رہا ہوں کہ جب تک غافل تھے۔ تھے۔ لیکن جب ایمان قلب میں آجاتا تھا تو وہی چیز جو کسی وقت میں کشت وخون کا ذریعہ ہوسکتی تھیں خود انکے لیئے مضحکہ خیز ہوجاتی تھیں۔

رسوم کا غلبہ آدمی کو باپ دادا کے طریقے کے خلاف چلنے نہیں دیتا ایسے وقت میں کسی کو رسول کی معرفت ہو جائے اور وہ تقلید آباء (باپ دادا کی پیروی) سے نکل کر اتباع رسول کرنے لگ جائے تو سمجھنے کہ یہ مُوَفَّقٌ مِنَ اللّٰہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے صاحب توفیق) ہے اور بڑا شخص ہے۔

غرض قرآن کی قسم اسلئے کھائی کہ وہ ایک مجد و شرف والی چیز تھی اور اسکے لئے ایک شان عجیب تھی چنانچہ کتب غیر الٰہیہ پر اسکا شرف تو ظاہر ہی ہے کتب الٰہیہ میں بھی وہ سب سے اعلیٰ و اشرف کتاب تھی۔ چنانچہ یہاں قرآن کی صفت مجید بیان فرمائی اسلئے کہ وہ اکثر و بیشتر مکارم دنیا و اخرویہ پر مشتمل ہے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسکو مجید اسلئے کہا کہ وہ ایک ذات مجید (ذُو الْمَجْدِ وَالشَّرَفِ (عظمت اور بزرگی والی)) یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس طرح سے کہ قرآن کو حکیم بھی کہا جاتا ہے۔ یا قرآن کو مجید اس لئے فرمایا کہ جو شخص اسکے معنی کو جان لے اور اسکے مقتضا پر عمل کرے تو وہ خلق و خالق ہر دو کے نزدیک مجد و شرف والا ہو جاتا ہے۔

کلام عرب میں جہاں کوئی قسم ذکر کی جاتی ہے تو آگے قسم کا جواب بھی مذکور ہوتا ہے یہاں ایک قول یہ ہے کہ جواب قسم محذوف ہے جو کہ مضمون کلام سے سمجھا جاتا ہے چنانچہ اسکی تقدیر یوں ہے وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ لِتُنْذِرَ بِهِ النَّاسَ "قسم ہے قرآن مجید کی ہم نے اسکو اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں"۔

ایک تقدیر یہ بھی نکالی گئی ہے کہ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ مَا رَدُّوْا اَمْرَكَ بِحُجَّةٍ ٭ قسم ہے قرآن مجید کی ان لوگوں نے آپ کی

بات کو کسی حجت اور دلیل کے ساتھ نہیں رد کیا

ایک تقدیر یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قسم ہے قرآن مجید کی آپ ضرور بالضرور پیغمبر بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں۔ دوسرا قول جواب قسم کے بارے میں یہ ہے کہ وہ محذوف نہیں بلکہ مذکور ہے گو پھر اس میں اختلاف ہے کہ وہ کیا ہے؟ چنانچہ کہا گیا ہے کہ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جواب قسم مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ ہے۔

اور ایک پانچواں قول یہ بھی ہے کہ جواب قسم اگلا ہی کلام بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ہے۔

کفار اس امر سے تعجب کرتے تھے کہ انہیں میں سے کوئی مُنْذِر (اور ڈرانے والا پیغمبر) آوے نیز ان کو اس میں بھی استعجاب تھا کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ کیسے زندہ ہونگے؟ اسی طرح بہت سی حق باتوں کا انکار کرتے تھے۔

اللہ تعالے نے یہاں ان کی حالت کا خوب ہی نقشہ کھینچا ہے۔ پہلے ان کے انکار رسالت کو

بیان فرمایا کہ قسم ہے قرآن مجید کی انکو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انھیں کی جنس (یعنی بشر اور انسانوں) میں سے ایک ڈرانے والا آگیا اس پر کافر لوگ کہنے لگے کہ تعجب بالائے تعجب ہے کیونکہ خود یہی ایک عجیب بات ہے کہ بشر پیغمبر ہو پھر دعویٰ بھی عجیب بات کا کرے کہ دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہونگے؟ یہ دوبارہ زندہ ہونا امکان سے بعید بات ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اسی کا رد فرماتے ہیں کہ یہ معاد (اور دوبارہ زندہ کیا جانا) کیوں محال ہے جبکہ محل میں قابلیت حیات موجود ہے اور فاعل کو اجزاء مستحیلہ (بدل جانے والے اجزاء) کا علم اور ان میں تصرف کرنے کی قدرت بھی موجود ہے کیونکہ فرماتے ہیں کہ ہم انکے ان اجزاء کو جانتے ہیں جنکو مٹی کھاتی ہے اور کم کرتی ہے۔ غرض یہ سب امور تو قابل تعجب ہیں نہیں البتہ تعجب کی بات یہ ہے کہ سچی بات کو جبکہ وہ انکو پہونچتی ہے جھٹلاتے ہیں۔ غرض وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں کہ کبھی تعجب ہے اور اور کبھی تکذیب ہے۔

اضطراب لازم حال

میں کہتا ہوں کہ انکو تکذیب کرنے کے بعد بھی فرصت نہیں ملی کیونکہ اسکی وجہ سے اضطراب (اور بےچینی) میں پڑے ہوئے ہیں۔ انسان اگر کسی حق بات کا انکار کر دے تو اس سے اسکا انکار ہوگا نہیں پس انکا چور پکڑا گیا۔ آدمی جب حق کو چھوڑتا ہے تو اضطراب اسکے لازم حال ہو جاتا ہے یعنی اسکا دل پریشان رہتا ہے سکون و اطمینان اٹھ جاتا ہے کیونکہ قلبی چین و راحت تو

ایمان وعمل صالح کے ثمرات ہیں۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (یعنی جو شخص ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو ہم اسکو اس دار دنیا میں بھی حیات طیبہ بخشیں گے)۔

حیات طیبہ کے معنی کل بیان کر چکا ہوں کہ وہ معرفت باللہ صدق مقام مع اللہ، صدق وقوف علی امر اللہ عیش مع اللہ اور اعراض عن ما سوی اللہ کے ہیں تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ ایمان اور عمل صالح پر موقوف فرما رہے ہوں وہ دوسری چیزوں سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

لہٰذا آپ سنئے کہتا ہوں کہ شک وشبہہ، تکذیب و اضطراب، انکار وعناد یہ سب کفار کی صفات ہیں مومن کی صفات ایمان و تصدیق، عمل صالح اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے اور ہدایت اسی میں منحصر ہے۔ اسی مضمون کو آپ کے سامنے بار بار بیان کر رہا ہوں تاکہ آپ اسکو سمجھ لیں اور اسی موقع پر یہ شعر پڑھتا ہوں کہ ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز بر پئے مصطفیٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی

چند نیکیاں اور ایصال ثواب

ستر فرشتے ثواب لکھیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص جَزَی اللّٰہُ مُحَمَّدًا عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ (ایک مرتبہ) کہے (تو اللہ پاک اسکو اتنا ثواب عطا فرماتے ہیں کہ) ستر فرشتے ستر دن تک اسکا ثواب لکھیں تو نہ لکھ سکیں (کنز العمال ص۲۳۴ ج۲)

جنت میں درخت

سُبْحَانَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ (ایسے پیارے کلمات ہیں کہ ان میں سے ہر کلمہ (کہنے کے عوض) جنت میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ (ماخذہ کنز العمال ص۴۶۱ ج۱)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے پر بخشش

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عرش کے سامنے ایک ستون ہے جب بندہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے تو یہ ستون ہلنے لگتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں ٹھہر جا وہ ستون عرض کرتا ہے کہ میں کیسے ٹھہر جاؤں حالانکہ ابھی اس کلمہ پڑھنے والے کی مغفرت نہیں ہوئی، اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں اچھا میں نے اسکی مغفرت کردی چنانچہ وہ ستون ٹھہر جاتا ہے۔

ف: چلتے پھرتے اگر اس کلمہ کو معمول بنالیں تو یہ آسان بھی ہے اور ثواب عظیم کا ذریعہ اور مغفرت کا سامان بھی ہے

(جاری)

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

تفصیل الدین

(۴)

پس دنیا کی نیت کرنا دعار کے منافی نہیں کیونکہ احادیث میں دنیا کی نیت سے بھی دعار کرنے کا حکم ہے مثلاً ایک حدیث میں ہے وَاسْئَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ کہ "اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعار مانگو" اسی طرح سے حصول رزق، حصول غنار و ادار دین وغیرہ کے لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں تعلیم فرمائی ہیں۔ اور اگر احادیث میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دنیوی راحت کو نہیں چھوڑا جسکے لئے کوئی دعار نہ بتلائی ہو اور کسی مصیبت کو نہیں چھوڑا جس سے پناہ مانگنے کا طریقہ نہ بتلایا ہو بلکہ راحت و مصیبت کے علاوہ بھی ہر حالت کے متعلق ایک نہ ایک دعار آپ نے مقرر فرمائی ہے۔

مثلاً گھر میں آنا، گھر سے باہر جانا، سونا، جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، بیمار کی عیادت کرنا مسجد میں جانا اور نکلنا، بازار میں جانا سفر شروع کرنا، سفر میں کسی جگہ اترنا، پھر وطن کو واپس آنا بیت الخلار جانا وہاں سے نکلنا، خوشی و رنج کی بات دیکھنا، چاند دیکھنا وغیرہ وغیرہ سب کے لئے احادیث میں الگ الگ دعائیں وارد ہیں۔ تو دنیا کے لئے دعار مانگنا بھی عبادت اور طاعت ہے بخلاف عملیات کے کہ وہ دین کیلئے ہوں تو طاعت ہیں ورنہ نہیں۔

اس سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ دعا زیادہ قابل توجہ ہے مگر اس وقت بالکل برعکس معاملہ ہو رہا ہے کہ وظیفے کی قدر دعا سے زیادہ ہے بلکہ قرآن سے بھی زیادہ۔ قرآن پڑھتے ہوئے تو بات چیت کر لیتے ہیں مگر وظیفے میں بولنا حرام سمجھتے ہیں، جیسے وہ عہدہ دار صاحب وظیفہ میں ہوں ہوں کیا کرتے اور اشاروں سے رشوت کی مقدار طے کیا کرتے تھے اور جب اشراق کی نماز کو کھڑے ہوتے تو اس سے پہلے کئی سو روپئے مصلے کے نیچے آجاتے تھے، یہ قیمت تھی انکی نماز کی۔ آجکل اسکو ملنا کہتے ہیں اور اسی اصطلاح کے موافق وہ دوسرے عہدہ دار اپنی بیوی سے پوچھتے تھے کہ تجھے نماز پڑھنے سے کیا ملتا ہے؟

چونکہ آجکل لوگ دینی ثمرات کو ثمرات نہیں سمجھتے اسلئے ضرورت ہوتی ہے ان ثمرات کو تفصیل سے بیان کرنے کی۔ چنانچہ میں نے اسی واسطے کل کے بیان میں ان کو ذرا تفصیل سے بیان کر دیا تھا ورنہ اصلی مقصود محتاج تفصیل نہ تھا اسکا حاصل تو صرف اتنا ہے کہ ہم دین کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ کے محبوب ہو جاویں گے۔ یہ اس آیت کا جزو تھا جس کو مقصود کہنا چاہئے اور اسکا بیان کل ہو چکا اب اسکا ایک دوسرا جزو ہے یعنی طریق کی تفصیل اسکو آج بیان کیا جائے گا اور ممکن ہے کہ آج کا بیان کل کے برابر مفصل مطول نہو کیونکہ اس وقت طبیعت کچھ مضمحل ہے مگر ضروری اجزاء انشاء اللہ ضرور بیان ہو جاویں گے اور ایسی تفصیل ہو جاویگی جس سے کچھ بیخبری دور ہو جاوے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوچکا کہ یہ آیت دو جزو پر مشتمل ہے ایک مقصود، دوسرے طریق، مقصود کا بیان وعظ سابق میں ہو چکا اب سمجھئے کہ طریق مقصود کیا ہے؟ وہ دو چیزیں ہیں اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کیونکہ حق تعالےٰ یہی فرماتے ہیں کہ "جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لئے حق تعالیٰ محبوبیت پیدا کردیں گے" جس میں محبوبیت کو ایمان اور عمل صالح پر مرتب کیا گیا ہے تو مقصود اور نتیجہ تو وہ محبوبیت ہے اور ایمان و عمل صالح اسکے ترتب کی شرط ہے یہی حاصل ہے طریق ہونے کا اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جو محبوب و مقبول بننا چاہے اسکو پہلے ایمان لانا اور عمل صالح اختیار کرنا چاہئے اور یہاں سے یہ ثابت ہوگیا کہ جب ایمان و عمل صالح مقبولیت و نجات کا طریق ہے تو بدون اسکے تمام نسبتیں نجات کے لئے ناکافی ہیں مثلاً کسی بزرگ کی اولاد ہونا یا اپنے پاس کسی بزرگ کا تبرک ہونا یہ تنہا نجات کے لئے کافی نہیں۔

تبرکات کا مسئلہ صاحبو! ہمیں بزرگوں کے تبرکات سے انکار نہیں مگر انکی اصل اتنی ہے جیسے ایک مثال سے واضح ہوگا اور مجھے مثال دیتے ہوئے شرم بھی آتی ہے کہ ایک دینی مسئلہ کے لئے دنیا کی مثال دوں مگر کیا کیا جاوے کہ آجکل لوگوں کے ذہن میں خدائی معاملات کی اتنی قدر نہیں جتنی دنیوی معاملات کی قدر ہے اسلئے جب کسی خدائی معاملہ کو دنیوی معاملہ سے مطابق کردیا جاتا ہے تو وہ جلدی لوگوں کے ذہن میں آجاتا ہے اسلئے میں شرماتا ہوا

مثال دیتا ہوں کہ ان تبرکات کا اتنا اثر ہے جیسے دو شخصوں نے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا ہو اور نوکری کی درخواست دی ہو مگر ان میں ایک تو ایسا ہے جس کا خاندان خیرخواہ سرکار ہونے میں مشہور ہے اور دوسرا ایسا نہیں تو ان دونوں میں اول ملازمت سے وہ کامیاب ہوگا جسکا خاندان خیرخواہ سرکار ہے اور اگر دونوں ساتھ ہی ملازم ہوجائیں تو اس شخص کو بڑا عہدہ ملے گا اور دوسرے کو اس سے کم۔ غرض معزز خاندان والے کا ضرور لحاظ ہوتا ہے خواہ جلدی کامیاب ہونے میں یا بڑا عہدہ ملنے میں کیونکہ یہ ایسے خاندان کی طرف منسوب ہے جو خیرخواہ سرکار ہے لیکن یہ اگر نرا صاحب انتساب ہی ہو اور کوئی امتحان اس نے پاس کیا ہو اس صورت میں اسکو یہ کہنا مفید نہوگا کہ پدرمن سلطان بود (میرا باپ بادشاہ تھا) بلکہ اسکے جرائم پر دوسروں سے زیادہ قوی مقدمہ قائم ہوگا اور اس سے کہا جائے گا کہ افسوس تم باوجود حقوق سلطنت سے واقف ہونے کے سلطنت کی مخالفت کرتے ہو تم تو حکومت کے آشنا تھے اور تمھارے تو بچہ بچہ کی زبان پر حکومت، حقوق، احسانات کا تذکرہ تھا تجھ پر کیا مار آئی جو مخالفتِ قانون پر پیش قدمی کرنے لگا تو عجب نہیں کہ اس شخص کے جرم پر ایسا سنگین مقدمہ قائم ہو جو ایک نائی، دھوبی کے جرم پر نہ قائم ہو اور یہ حکومت کی نظر میں زیادہ مبغوض و قابل نفرین قرار پائے۔ چنانچہ واقعات ایسے شاہد ہیں۔ اسی طرح بزرگوں کیطرف انتساب سے یہ نفع ضرور ہوتا ہے کہ یہ شخص اگر ایمان و عمل صالح اختیار کرے تو دوسروں سے جلدی کامیاب ہوتا ہے اور بڑے درجہ میں پہونچ جاتا ہے

لیکن اگر یہ سرکشی سے پیش آوے تو اس وقت بڑا انتساب کافی نہو گا اس وقت مجھے استاد علیہ الرحمہ کا ایک ارشاد یاد آیا جو ایک حدیث کی شرح میں انھوں نے فرمایا تھا اول میں حدیث سنا دوں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک منافق تھا عبد اللہ بن ابی یہ رئیس المنافقین تھا مگر اسکے لڑکے صحابی اور مومن مخلص تھے جب اس منافق کا انتقال ہوا تو اسکے لڑکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اسکے کفن کے لئے اپنا کرتا عطا فرما دیجئے شاید اسکی برکت سے خدا اسکی مغفرت فرمائے حضورؐ نے اپنا کرتا دے دیا اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے حتیٰ کہ نماز جنازہ بھی پڑھانا چاہی اسوقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جوش آگیا انھوں نے حضور کی چادر مبارک پکڑ لی کہ آپ اس کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں ایک منافق کی جس کے بارے حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (آپ خواہ انکے لئے استغفار کریں یا انکے لئے استغفار نہ کریں اگر آپ انکے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالےٰ انکو نہ بخشے گا) یعنی چاہے آپ منافقین کے لئے ستر دفعہ بھی دعا اور استغفار فرمائیں خدا تعالیٰ انکو نہ بخشیں گے حضورؐ نے فرمایا کہ حق تعالےٰ نے مجھکو استغفار سے منع نہیں فرمایا اور اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر دفعہ سے زیادہ

استغفار کرنے سے انکی مغفرت ہو جائیگی تو میں زیادہ استغ
کرلوں گا یہ سنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور حض
صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھادی

واقعی حضورؐ کی بھی کیا محبت شفقت و رحمت تھی کہ دشمنو
سے رحمت میں آپ کو دریغ نہ تھا۔ صاحبو! ہم بڑے
خوش قسمت ہیں کہ ہم کو ایسے رحیم وکریم پیغمبر (صلی اللہ علیہ و
نصیب ہوئے ہمیں تو آپ سے بہت کچھ امیدیں ہیں

نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سید پیش رو

(وہ شخص گناہوں کی وجہ سے جہنم میں محبوس نہ رہے گا ج
محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیشوا اور سردار رکھتا ہو)

جب دشمنوں پر بھی آپ کی رحمت ہے تو اپنے غلامو
پر تو کیا کچھ ہوگی۔

غرض آپ نماز پڑھ چکے اور دفن میں بھی شریک ہو
اور اس منافق کے قبر میں رکھے جانے کے بعد حضورؐ نے
اپنا لعاب مبارک بھی اسکے منہ میں ڈالدیا۔ اسکے بعد یہ آیت
نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُ
عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُ
فٰسِقُوْنَ (اور ان میں کوئی مرجاوے تو اس پر کبھی نماز نہ
اور نہ اسکی قبر پر کھڑے ہوجیئے۔ انھوں نے اللہ اور اس
رسول کے ساتھ کفر کیا ہے، اور وہ حالت کفر ہی میں مر
ہیں) جس میں منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے اور ان کے دفن
وغیرہ میں شرکت کرنے کی صاف صاف ممانعت ہے حضرت

نی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بعد میں بڑی ندامت وشرمندگی
ئی کہ میں نے حضورؐ کے ساتھ کیسی جرأت کی کہ آپ کو ایک
م سے روکنے لگا (میرا کیا منصب تھا، حضورؐ تو سب سے زیادہ
یک بات کو جاننے والے ہیں)۔
خیر یہ تو ایک واقعہ تھا اس میں بہت گفتگو اور کلام
ہے کہ آپ نے باوجود فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (اللہ تعالی ہرگز
و نہ بخشیں گے) وارد ہو چکنے کے پھر اس منافق کی نماز
ں پڑھی؟ مگر یہ تو طالبعلمانہ مباحث ہیں طالب علم انکو خود
، کرلیں گے مگر اس میں اس بات کا بتلانا مقصود ہے کہ حضورؐ
ہ اس منافق کو اپنا کرتا کیوں پہنایا اور اسکے منہ میں لعاب
ن مبارک کیوں ڈالا۔ شراح حدیث نے تو یہ لکھا ہے کہ حضورؐ
، اسکے بیٹے کی خاطر سے جو مومن مخلص صحابی تھے یہ سب کچھ
(تاکہ انکو معلوم ہو جائے کہ حضورؐ کی طرف سے اسکی نجات کی
، میں کوئی کوتاہی نہیں رہی آپؐ نے دعا بھی کر دی نماز
پڑھ دی، اپنے تبرکات بھی عطا فرما دیئے اب بھی اگر اسکی
رت نہو تو یہ خود اسی کا قصور ہے) اور بعض نے کہا ہے کہ اس
ق نے جنگ بدر کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ (عم
ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک کرتا پہنایا تھا آپؐ نے
، مکافات میں مرنے کے بعد اسے کرتا پہنا دیا (مالکہ مع
، زائد)
یہ سب توجیہات شراح نے کی ہیں مگر ان باتوں سے ہمکو
نہیں ہوئی ہمیں تو اپنے استاد علیہ الرحمۃ کی بات پسند آئی
نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منافق کے ساتھ یہ معاملہ اسلئے

فرمایا تاکہ امت کو یہ ضروری مسئلہ بتلادیں کہ اگر کسی میں ایمان نہو تو پھر چاہے اسکے پاس لاکھ تبرکات ہوں اور چاہے رسول جیسا شخص اسکے جنازہ کی نماز بھی پڑھ دے اور رسول ہی کا قمیص اسکا کفن ہوجائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن بمبارک اسکے منہ میں پڑ جائے جب بھی نجات نہیں ہو سکتی اسلئے تنہا ان تبرکات کے بھروسہ پر کوئی نہ رہے، چنانچہ عبد اللہ ابن ابی کے پاس اصل سرمایہ ایمان کا نہ تھا اس لئے اسکے بارے میں کہا گیا

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

کہ "بلاشبہ منافقین جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہیں" جس کا عذاب سب سے زیادہ سخت ہے۔

نسبت کا اثر تو اب معلوم ہوگیا کہ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد یا سلسلہ میں ہیں اور ہمارے بزرگوں نے اللہ تعالے سے یہ عہد کرلیا تھا کہ ہماری اولاد میں سے یا اتباع میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا کیا کارآمد ہو سکتا ہے جب تک اپنے پاس کچھ سرمایہ نہو۔ (جاری)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

والدین کی خدمت جنت کا ذریعہ

(۴)

غیبت سے بچنے کا علاج

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے آپکی غیبت کی تھی مجھے معاف کردیجئے میں ان سے کہتا ہوں کہ میں تمھیں معاف کردوں گا لیکن بشرط ہے وہ یہ کہ پہلے یہ بتا دو کہ کیا غیبت کی تھی تاکہ مجھے بھی تو پتہ چلے کہ میرے پیچھے کیا کہا جاتا ہے

کہتی ہے تجھکو خلق خدا غائبانہ کیا

اگر بتادوگے تو معاف کردوں گا۔ پھر فرمایا کہ میں اس حکمت سے پوچھتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ جو بات میرے بارے میں کہی ہو وہ درست ہو اور واقعی میرے اندر وہ غلطی موجود ہو اور پوچھنے سے وہ غلطی سامنے آجائے گی تو اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بچنے کی توفیق دیدیں گے۔ اسلئے پوچھ لیتا ہوں۔

لہٰذا اگر غیبت کبھی سرزد ہوجائے تو اسکا علاج یہ ہے کہ اس شخص سے کہہ دو کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے اس وقت دل پر بہت آرے تو چلیں گے اپنی زبان سے یہ کہنا تو بڑا مشکل کام ہے لیکن علاج یہی ہے دو چار مرتبہ اگر یہ علاج کرلیا تو انشاء اللہ آئندہ کیلئے سبق ہوجائے گا۔

بزرگوں نے اس سے بچنے کے دوسرے علاج بھی ذکر فرمائے ہیں مثلاً حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب دوسرے کا تذکرہ زبان پر آنے لگے تو اس وقت فوراً اپنے عیوب کا استحضار کرلو، کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو عیب سے خالی ہو اور خیال لاؤ کہ خود میرے اندر تو فلاں برائی ہے میں دوسروں کی کیا برائی بیان کروں اور اس عذاب کا دھیان کرو جس کا بیان ابھی ہوا کہ ایک کلمہ اگر زبان سے نکال دونگا لیکن انجام کتنا برا ہے اسکے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ یا اللہ! اس بلا سے نجات عطا فرما دیجئے۔ اور جب کبھی مجلس میں کوئی تذکرہ آنے لگے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو یا اللہ! یہ تذکرہ مجلس میں آرہا ہے مجھے بچا لیجئے میں کہیں اسکے اندر مبتلا نہ ہو جاؤں۔

غیبت کا کفارہ

البتہ بعض روایات میں ہے جو اگرچہ ہیں تو ضعیف لیکن معنی کے اعتبار سے صحیح ہیں کہ اگر کسی کی غیبت ہوگئی تو اس غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ اسکے لئے خوب دعائیں کرو، استغفار کرو، مثلاً فرض کریں کہ آج کسی کو غفلت سے تنبیہ ہوئی کہ واقعۃً آج تک ہم سخت غلطی کے اندر مبتلا رہے معلوم نہیں کن کن لوگوں کی غیبت کرلی اب آئندہ انشاء اللہ کسی کی غیبت نہیں کریں گے لیکن اب تک جن کی غیبت کی ہے انکو کہاں کہاں تک یاد کریں اور ان سے کیسے معافی مانگیں؟ کہاں کہاں جائیں؟ اسلئے اب انکے لئے دعا اور استغفار کرلو

(مشکوٰۃ کتاب الآداب باب حفظ اللسان حدیث نمبر ۴۸)

حقوق کی تلافی کی صورت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ اور میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے تو یہ کیا تھا کہ ایک خط لکھکر سب کو بھجوا دیا، اس خط میں یہ لکھا کہ زندگی میں معلوم نہیں آپ کے کتنے حقوق تلف ہوئے ہونگے کتنی غلطیاں ہوئی ہونگی میں اجمالی طور پر آپ سے معافی مانگتا ہوں کہ اللہ کے لئے مجھے معاف کر دیجئے یہ خط اپنے تمام اہل تعلقات کو بھجوا دیا امید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے ذریعہ ان حقوق کو معاف کرا دیں گے۔

لیکن بالفرض ایسے لوگوں کے حقوق تلف کئے ہیں جن سے اب رجوع کرنا ممکن نہیں یا تو انکا انتقال ہو چکا ہے یا کسی ایسی جگہ چلے گئے ہیں کہ انکا پتہ معلوم کرنا ممکن نہیں۔ تو ایسی صورت کے لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کی غیبت کی گئی تھی یا جنکے حقوق تلف کئے تھے ان کے حق میں خوب دعا کرو کہ یا اللہ میں نے اسکی جو غیبت کی تھی اسکو اسکے حق میں باعث ترقی درجات بنا دیجئے اور اسکو دین و دنیا کی ترقیات عطا فرمائیے اور اسکے حق میں خوب استغفار کرو تو یہ بھی اسکی تلافی کی ایک شکل ہے۔

اگر ہم بھی اپنے اہل تعلقات کو اس قسم کا خط لکھکر بھیجدیں تو کیا اس سے ہماری ہیٹی ہوجائیگی یا بے عزتی ہوجائیگی؟ کیا بعید ہے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ ہماری معافی کا سامان کر دیں۔

معاف کرنے کرانے کی فضیلت حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر

کوئی اللہ کا بندہ کسی دوسرے سے معافی مانگے اور سچے دل سے مانگے اور سامنے والا یہ دیکھکر کہ یہ مجھ سے معافی مانگ رہا ہے، نادم اور شرمندہ ہو رہا ہے اسکو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس معاف کرنے والے کو اس دن معاف کرے گا جس دن اسکو معافی کی سب سے زیادہ حاجت ہوگی۔ اور اگر ایک شخص نادم ہوکر معافی مانگ رہا ہے لیکن یہ شخص معافی دینے سے انکار کر رہا ہے کہ میں معاف نہیں کروں گا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اسکو اس دن معاف نہیں کروں گا جس دن اس کو معافی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی کہ جب تو میرے بندوں کو معاف نہیں کرتا تو تجھے کیسے معاف کیا جائے۔

اسلئے یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے لہٰذا اگر کسی شخص نے ندامت کے ساتھ دوسرے سے معافی مانگ لی تو اس نے اپنا فریضہ ادا کر دیا، اس سے عہدہ برآ ہوگیا چاہے دوسرا شخص معاف کرے یا نہ کرے۔ بہرحال حقوق کی معافی مانگنے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معافی مانگنا

ارے ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں!

حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد نبوی میں کھڑے ہو گئے اور تمام صحابۂ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج میں اپنے آپ کو تمھارے حوالہ کرتا ہوں اگر کسی کو مجھ سے تکلیف پہونچی ہو یا میں نے کسی کی جانی مالی کسی بھی اعتبار سے حق تلفی کی ہو تو آج میں تمھارے سامنے کھڑا ہوں اگر بدلہ لینا چاہتے ہو تو بدلہ لے لو اور اگر مجھے معاف کرنا چاہتے

تو مجھے معاف کر دو تاکہ کل قیامت کے دن تمھارا کوئی حق میرے اوپر باقی نہ رہے۔

بتائیے! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہ محسن اعظم اور پیشوائے اعظم جن کے ایک سانس کے بدلے صحابہ کرامؓ اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے وہ فرما رہے ہیں کہ اگر میں نے کسی کو مارا ہو یا تکلیف پہونچائی ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ چنانچہ ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور کہا کہ یارسول اللہ آپ نے ایک مرتبہ میری کمر پر مارا تھا میں اسکا بدلہ لینا چاہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ آجاؤ اور بدلہ لے لو، کمر پر مارلو، جب وہ صحابی کمر کے پیچھے آگئے تو انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت آپ نے مجھے مارا تھا اس وقت میری کمر ننگی تھی اور اسوقت آپ کی کمر پر کپڑا ہے اگر اسی حالت میں میں بدلہ لوں گا تو بدلہ پورا نہیں ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت چادر اوڑھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ میں چادر اٹھا دیتا ہوں چنانچہ جس وقت آپنے چادر اٹھائی تو ان صحابی نے آگے بڑھکر اس مہر نبوت کو چوم لیا جو آپ کی پشت پر تھی پھر ان صحابی نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ گستاخی میں نے صرف اسلئے کی تھی کہ مجھے اس مہر نبوت کو بوسہ لینے کا موقع مل جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف فرما دیں

(مجمع الزوائد، باب فی وداعہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۹ ص ۲۷)

بہرحال اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپکو صحابہ کرام کے سامنے پیش کر دیا۔ اب ہم اور آپ کس شمار

قطار میں ہیں اگر ہم بھی اپنے اہلِ تعلقات کو یکدکر بھیجدیں تو اس سے ہمارا کیا بگڑ جائے گا شاید اس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیں اور اتباع سنت کی نیت سے جب یہ کام کریں تو اس سنت کی برکت سے اللہ تعالےٰ ہمارا بیڑا پار فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اسلام کا ایک اصول

دیکھئے اسلام کا ایک اصول ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے لئے بھی وہی پسند کرو جو دوسروں کے پسند کرتے ہو، اور دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور جو اپنے لئے ناپسند ہو وہ دوسروں کے لئے بھی ناپسند کرو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اس طرح بیٹھ پیچھے برائی سے تمھارا ذکر کرے تو اس وقت تمھارے دل پر کیا گذرے گی؟ تم اسکو اچھا سمجھوگے یا برا سمجھوگے؟ اگر تم اسکو برا سمجھتے ہو اور اپنے لئے اسکو پسند نہیں کرتے تو پھر کیا وجہ ہے کہ کہ اسکو تم اپنے بھائی کے لئے پسند کرو؟ یہ دُہرے معیار وضع کرنا کہ اپنے لئے کچھ اور پیمانہ ہے اور دوسرے کیلئے کچھ اور پیمانہ ہے اسی کا نام منافقت ہے گویا کہ غیبت کے اندر منافقت بھی داخل ہے جب ان باتوں کو سوچوگے اور اس گناہ پر جو عذاب دیا جائیگا اسکو سوچوگے تو انشاء اللہ غیبت کرنے کے جذبہ میں کمی آئیگی۔

غیبت سے بچنے کا آسان راستہ

ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ غیبت سے بچنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ دوسرے کا ذکر کرو ہی نہیں نہ اچھائی سے ذکر کرو اور نہ برائی سے ذکر کرو کیونکہ یہ شیطان بڑا خبیث ہے اسلئے کہ جب تم کسی کا ذکر اچھائی سے کروگے کہ فلاں شخص بڑا اچھا آدمی ہے اسکے اندر یہ اچھائی ہے، اسکے اندر یہ اچھائی ہے تو دماغ میں یہ بات رہیگی کہ میں اسکی غیبت تو نہیں کررہا بلکہ اچھائی سے اسکا ذکر کررہا ہوں لیکن پھر یہ ہوگا کہ اسکی اچھائیاں بیان کرتے کرتے شیطان کوئی جملہ درمیان میں ایسا ڈال دے گا جس سے وہ اچھائی برائی کے اندر تبدیل ہوجائیگی مثلاً وہ کہے گا کہ فلاں شخص ہے تو بڑا اچھا آدمی مگر اسکے اندر فلاں خرابی ہے یہ لفظ "مگر" آکر سارا کام خراب کردے گا اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ گفتگو کا رخ غیبت کی طرف منتقل ہوجائے گا۔ اسلئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسروں کا ذکر کرو ہی نہیں اسلئے کہ دوسروں کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے نہ اچھائی سے کرو اور نہ برائی سے کرو اور اگر کسی کا ذکر اچھائی سے کر رہے ہو تو پھر ذرا کمر کس کے بیٹھو تاکہ شیطان غلط راستے پر نہ ڈالے۔

اپنی برائیوں پر نظر کرو ارے بھائی دوسرے کی برائی کیوں کرتے ہو اپنی طرف نگاہ کرو، اپنے عیوب کا استحضار کرو اگر دوسرے کے اندر کوئی برائی ہے تو اس برائی کا عذاب تمھیں نہیں ملے گا اس برائی کا عذاب و ثواب وہ جانے اور اسکا اللہ جانے تمھیں تو تمھارے اعمال کا صلہ ملنا ہے اسکی فکر کرو۔ بقول

تجھکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

اپنی طرف دھیان کرو اپنے عیوب کو دیکھو دوسرے کے عیوب کا خیال انسان کو اسی وقت آتا ہے جب انسان اپنے آپ سے اور اپنی برائیوں سے بے خبر ہوتا ہے لیکن جب اپنے عیوب کا استحضار رہتا ہے اسوقت کبھی دوسرے کی برائی کی طرف خیال نہیں جاتا، دوسرے کی برائی کی طرف اسکی زبان ہی نہیں اٹھ سکتی۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم نے بڑا اچھا شعر کہا ہے فرماتے ہیں کہ ؎

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے عیوب کا استحضار ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ آمین۔

یہ سارا فساد اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ اپنی طرف دھیان نہیں ہے یہ خیال نہیں ہے کہ مجھے قبر میں جاکر سونا ہے، اسکا خیال نہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، کبھی اسکی برائی ہورہی ہے کبھی اسکی برائی ہورہی ہے۔ اسکے اندر فلاں عیب ہے، اسکے اندر فلاں عیب ہے۔ بس دن رات اسکے اندر پھنسے ہوئے ہیں۔ خدا کے لئے اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔　　(جاری)

مولانا محمد اسحٰق صاحب میرٹھی رحمہ اللہ

کتاب الجمعہ

(از تادیب وتہذیب)

(۳)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تمام ایام میں افضل یوم جمعہ ہے اسی میں حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے اور اسی میں انکی وفات ہوئی اور اسی روز صور پھونکا جائے گا اور اسی میں لوگ اس سے بیہوش (ہوکر فنا) ہوجائیں گے (یعنی قیامت آجائیگی) لہٰذا اس روز کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ اس روز مجھ پر تمہارا درود (بلاواسطہ) پیش ہوگا۔ صحابہؓ نے (بطریق استعجاب) عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے پاس ہمارے درود پیش ہونگے حالانکہ جناب کی عظام مبارک بھی بوسیدہ ہو جائینگی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو حرام کردیا ہے (لہٰذا وہ اسکے پاس امانت ہیں) انکو کبھی نہیں کھا سکتی۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور یہ الفاظ انھیں کے ہیں۔

ف:- اجسام انبیاء علیہم السلام زمین کے اندر بطریق امانت

بالکل محفوظ رہتے ہیں اور وہ اپنی قبروں میں پہلے کی طرح زندہ ہیں۔ چنانچہ توریث و نکاح زوجات وغیرہ میں ان کے احکام دوسرے اموات کی مانند نہیں بلکہ اسکے بارے میں حی (اور زندہ) سمجھے جاتے ہیں۔ جمعہ کی عظیم الشان خصوصیت اور برکت ایک یہ بھی ہے کہ ہفتہ کے چھ دنوں میں ہمارے درود آپ پر بواسطہ ملائک پیش ہوتے ہیں اور جمعہ[له] اور شب جمعہ میں بلا واسطہ حضور کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں اسی وجہ سے جمعہ اور شب جمعہ میں درود شریف پڑھنے کی ترغیب کثرت سے وارد اور متوارث ہے۔

ف: نیز ہو سکتا ہے کہ صعقہ سے مراد فناء عالم اور وقوع قیامت اور نفخہ سے دوبارہ زندہ کرنے کے لئے صور پھونکنا مراد لیا جائے جیساکہ دوسری حدیث مؤید ہے گویا حشر و نشر دونوں اسی روز میں ہونگے مگر اس صورت میں تقدیم و تاخیر عبارت میں ہو جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ سے افضل دن پر آفتاب نہ نکلتا ہے اور نہ غروب ہوتا ہے اور (چونکہ اس روز قیامت

له۔ اس باب میں کوئی دلیل صریح نہیں ہے محض استنباط کی بناء لکھدیا گیا ہے اور استنباط بھی بعید و مخدوش ہے بلکہ اسی حدیث میں جو معروضہ کا لفظ وارد ہے وہ ظاہراً اسکے خلاف پر دال ہے کیونکہ اسکا مقتضائے متبادر تغائر ہے درمیان مصلی و عارض کے پس یہ عرض بھی بواسطہ ملائکہ ہوا اور فرق درمیان جمعہ و غیر جمعہ کے دوسرے وجوہ بھی ہو سکتا ہے عرض بواسطہ و بلا واسطہ میں منحصر نہیں اور اسکی مفصل تحقیق امداد الفتاویٰ میں ہے۔ واللہ اعلم۔

آنے والی ہے لہٰذا) بجز جنات اور انسانوں کے اور کوئی ذی روح ایسا نہیں کہ جو جمعہ کے روز سے خائف نہو اسکو ابن حبان اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور ابو داؤد وغیرہ نے اس سے زائد الفاظ کے ساتھ روایت کیا اور اسکے آخر کے الفاظ یہ ہیں کہ بجز جنات اور انسانوں کے تمام ذی روح جمعہ کے روز فجر کے وقت سے طلوع آفتاب تک خوف قیامت سے گوش بر آواز اور منتظر قیامت رہتے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز تمام ایام تو اپنی حالت پر اٹھائے جائیں گے لیکن جمعہ ایک روشن اور پر نور صورت میں اٹھایا جائے گا جمعہ (پڑھنے) والے اس کو اس طرح گھیرے ہوئے ہونگے جس طرح نئی دلہن کو سہری میں بٹھانے کے لئے لے جاتے ہیں وہ اسقدر ضیا پاش ہوگا کہ اہل جمعہ اسکی روشنی میں چلیں گے انکے رنگ (اسکی چمک دمک سے) برف کی مانند شفاف ہونگے انکی خوشبو (اسکے قرب کی وجہ سے) مشک کی مانند (اس طرح مہکتی) ہوگی کہ (گویا) یہ کافور کے پہاڑوں سے گذر رہے ہیں، ثقلین یعنی جن وانس انکی طرف فرط تعجب سے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہوں گے حتیٰ کہ اسی حالت میں جنت کے اندر چلے جائیں گے۔ ان لوگوں کے ہمراہ بجز (پابند دیندار) مؤذنوں کے اور کوئی نہیں جا سکے گا اسکو طبرانی نے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور ابن خزیمہ نے کہا کہ اگر ــــ یہ حدیث بحیثیت سند کے ثابت ہو تب بھی قلب میں تذبذب ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ سند تو اسکی حسن ہے

مگر ہاں متن حدیث ضرور غریب ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز اللہ تبارک و تعالیٰ کسی مسلمان (نمازی) کو مغفرت سے محروم نہیں کرتے۔

ف: مسلمان اگرچہ کسیقدر گنہگار ہو جمعہ کے روز اگر جمعہ کی نماز بھی پڑھ لے گا تو اللہ تعالیٰ اسکے گناہ کم از کم صغائر تو ضرور معاف فرمادیں گے اور پھر امید ہے کہ اسپر پابندی کرنے کے بعد کبائر سے توبہ کرنے کی توفیق بھی میسر آجائیگی۔ اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں مرفوعاً روایت کیا میرے نیسال میں سند حسن ہے۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے پہلی امتوں کو یوم جمعہ (کی عظمت و فضیلت) سے بے خبر رکھا (اور ہمکو اسکی ہدایت فرمائی چنانچہ) یہود کیلئے ہفتہ (یوم عبادت) ہے اور نصاریٰ کے لئے اتوار، لہٰذا اب وہ ہم سے قیامت تک پیچھے رہیں گے (کیونکہ انھوں نے بطریق خود رائی کے اس مبارک دن کو چھوڑا اور اس فضیلت سے محروم رہے اور چونکہ قیامت جمعہ کے روز قائم ہوگی جوکہ ہمارا یوم عبادت ہے لہٰذا) ہم (اگرچہ) دنیا کی سب سے آخری قوم ہیں (مگر) قیامت کے روز سب سے آگے ہونگے اور تمام اقوام سے قبل ہمارا ہی حساب و کتاب ہوگا۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور بزار نے برجال صحیح روایت کیا۔ مگر روایت بزار کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ ہم دنیا کی سب سے

پچھلی (قوم) قیامت کے روز سب سے اول ہونگے اور سب سے پہلے پروردگار کی مغفرت سے بہرہ مند ہونگے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم جمعہ کا ذکر کرتے ہوئے (انگلی کے پورے سے اشارہ کرکے) فرمایا کہ اس (مبارک) دن میں ایک (ذراسی) ساعت جمعہ ہے (مگر اسکی صفت یہ ہے) کہ جو کوئی خدا کا بندہ مسلمان نماز پڑھ کے اسکو (قسمت) سے پالے تو جو کچھ بھی اسوقت خدا سے مانگے گا اللہ پاک اسکو ضرور عطا فرمائیں گے۔ اسکو بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ نے روایت کیا۔

(جمعہ کی ساعت اجابت (قبولیت دعا) کا بیان)

اس ساعت کی تعیین کے بارے میں کثرت سے صحیح احادیث وارد ہیں اور اسی وجہ سے علماء میں بہت زیادہ اختلاف ہے حافظ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر پوری تفصیل کے ساتھ اسکے متعلق کلام کیا ہے اجمالاً یہاں بھی کچھ حدیث نقل کرتا ہوں جن سے بعض صحیح اقوال کی کافی طور پر تائید ہوتی ہے اور ثبوت ملتا ہے۔
حضرت ابی بردۃ بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا کہ کیا تم نے اپنے والد کو ساعت جمعہ کے بارے میں کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے سنا ہے؟ میں نے کہا ہاں، وہ بیان فرماتے تھے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ (قبولیت دعا کی) ساعت امام کے منبر پر آنے اور نماز

تم ہونے کے درمیان میں ہے اسکو مسلم اور ابو داؤد نے روایت
یا ہے۔

بعض حضرات اہل علم نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ یہ ساعت
خطبہ اور نماز کے اثنار میں ہے۔

حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز
ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں بندہ جو کچھ بھی خدا سے مانگتا
ہے اللہ پاک اسکو ضرور عنایت فرماتے ہیں صحابہ نے عرض کیا
حضور وہ کونسی ساعت ہے آپ نے فرمایا نماز کے شروع ہونے
سے لیکر فارغ ہونے تک۔ اس حدیث کو ترمذی و ابن ماجہ
نے کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف عن ابیہ عن جدہ کے طریق
سے روایت کیا اور ترمذی نے اسکو حسن غریب کہا۔ حافظ
فرماتے ہیں کہ کثیر بن عبداللہ حالانکہ بہت ضعیف ہیں مگر پھر بھی
ترمذی نے انکی روایت کی متعدد جگہ تحسین کی ہے اور باب
الصلح میں ایک حدیث کی تصحیح بھی کی ہے اسی وجہ سے
حفاظ نے ترمذی کی اس تحسین و تصحیح پر تنقید کی ہے اور
اچھا نہیں سمجھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے میں نے عرض
کیا حضور! ہم اللہ کی کتاب (توراۃ) میں (لکھا ہوا) پاتے
ہیں کہ جمعہ کے روز ایک ایسی (مبارک) ساعت (آتی) ہے
کہ جو کوئی اللہ کا بندہ اسکو (قسمت سے) نماز پڑھتے ہوئے
پالے جو کچھ بھی خدا سے مانگے گا اللہ پاک اسکو ضرور عطا فرمائینگے۔

حضور نے میری طرف (ہاتھ کے پوروں سے) اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا وہ (اتنا) ذرا سا وقت ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ حضور سچ فرماتے ہیں وہ اتنا ہی ذرا سا وقت ہے۔ پھر میں نے عرض کیا حضور وہ کون سا وقت ہے۔ آپ نے فرمایا دن کی آخری گھڑیاں۔ میں نے عرض کیا حضور وہ تو نماز کا وقت نہیں (اور وہ ساعت تو نماز کے وقت ہے) آپ نے فرمایا واہ، جب آدمی ایک نماز پڑھ کے صرف دوسری نماز کے لئے مسجد میں بیٹھا رہے تو وہ نماز ہی میں سمجھا جاتا ہے (لہٰذا اگر نمازی نماز عصر کے وقت سے مغرب تک بیٹھا ہوا دعا کرتا رہے تو ضرور یہ (مبارک) ساعت میسر آجائے گی) اسکو ابن ماجہ نے روایت کیا سند اسکی علی شرط الصحیح ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ جمعہ کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا؟ آپ نے فرمایا اسوجہ سے کہ اسی روز تمہارے باپ علیہ السلام کے خمیر کا پتلہ بنایا گیا اور اسی دن (صور پھونکا جائیگا اور) تمام دنیا ہلاک ہو گی، اور پھر اسی دن (دوبارہ صور پھونکا جائیگا تو) سب زندہ ہو کر اٹھیں گے اور اسی دن مجرموں کی دار و گیر اور سخت پکڑ ہو گی۔ اور اس دن کی تین آخری گھڑیوں میں وہ (بابرکت) ساعت ہے کہ اسمیں جو شخص جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے ضرور قبول فرماتے ہیں۔ (لہٰذا ان اہم ترین امور کا اجتماع چونکہ اسی روز ہوا ہے اسوجہ سے اسکا نام جمعہ تجویز کیا گیا) اس حدیث کو امام احمدؒ نے بطریق علی بن طلحہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن علی بن طلحہ کا حضرت ابو ہریرہؓ سے سماع ثابت نہیں مگر رجال سند صحیح میں معتبر ہیں (جاری)

خبریں

(۱) بلاد عربیہ کے معروف اسلامی اسکالر اور صاحب طرز ادیب شیخ علی الطنطاوی کی رحلت

عالم عربی کے مشہور اسلامی اسکالر و محقق اور عربی زبان و ادب کے مایہ ناز صاحب قلم علامہ شیخ علی الطنطاوی مورخہ ۱۹ جون ۱۹۹۹ء بروز سنیچر حجاز مقدس میں انتقال فرما گئے۔ شیخ مرحوم عہد حاضر کے ایک سحر نگار ادیب اور ایک خاص طرز انشاء کے موجد تھے، ۱۳۲۲ھ میں دمشق (شام) میں پیدا ہوئے انھوں نے شام یونیورسٹی سے قانون (L.L.B) کی ڈگری حاصل کی پھر ہائیکورٹ کے مشیر مقرر ہوئے۔ شام کے سیاسی انتشار اور ہنگامی حالات سے کبیدہ خاطر ہو کر حجاز مقدس چلے گئے اور وہیں کے ہو کے رہے۔ اسلامی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت میں اپنی پوری زندگی وقف کر دی اور مختلف موضوعات پر تیس (۳۰) سے زائد کتابیں تصنیف کیں ان میں قصص فی التاریخ، صور و خواطر، کتاب المحفوظات اور قصص من الحیاۃ بہت مقبول ہوئیں اسکے علاوہ سو سے زائد قیمتی مقالات اور ادبی مباحث تحریر فرمائے جو رسالہ "المسلمون" اور "الزہراء" کی زینت بنتے رہے۔ شیخ دلِ دردمند اور فکر ارجمند سے معمور تھے۔ اللہ انکی مغفرت فرمائے اور انکے علمی کارناموں کے صلہ میں حق سبحانہ جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

(۲) برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیر نے مسلمانوں کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت برطانیہ نے برطانیہ کے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت تسلیم کر لی ہے اور آئندہ مردم شماری کے فارم میں مذہب کا خانہ بھی شامل کیا جائیگا ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے فارم میں مذہب کا خانہ بھی ہوگا اس سے مسلمانوں کی صحیح تعداد کا اندازہ لگایا جا سکے گا انھوں نے اعتراف کیا کہ برطانیہ بالخصوص مغرب میں مسلمانوں کے بارے میں نامناسب رویہ اختیار کیا جاتا ہے اور انکو انتہا پسند قرار دیا جاتا ہے۔ ہمیں انکے بارے میں اپنی سوچ کو بدلنا ہوگا، اپنے رویہ پر ہمیں افسوس ہے کیونکہ اسلام رواداری کا مذہب ہے اس سے کسی کو خطرہ نہیں ہونا چاہئے کوسووو کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کی یہ تشویش بلا جواز ہے کہ ہم وہاں صدر سے کوئی سودا کر لیں گے اور یہ کہ کوسووو کے مسلمان اب کبھی اپنے گھروں کو نہیں جا سکیں گے اجتماع کے آخر میں کوسووو سے بے گھر ہونے والے دو بچوں نے اسٹیج پر آکر ایک نغمہ جس میں کوسووو کے شہریوں پر مظالم کی تصویر کشی کی گئی تھی سنایا۔ یہ نغمہ اتنا اثر انگیز ثابت ہوا کہ وزیر اعظم کی اہلیہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکیں اور انکی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، واضح رہے اس اجتماع کا اہتمام مسلم ایسوسی ایشن آف برطانیہ نے کیا تھا۔

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد متین

شمارہ: ۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۹ء جلد: ۲۲

قیمت فی پرچہ آٹھ روپیہ سالانہ زر تعاون اسّی روپیہ ششماہی پینتالیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد متین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ مولوی احمد متین نے اسرار کریمی پریس جانسین گنج الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اعلان

رسالہ کا زر تعاون جنوری ۱۹۹۵ء سے مبلغ اسّی روپیہ سالانہ کر دیا گیا ہے۔

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ

مجالسِ علیگڈھ

مجلسِ ہفتم

(ربط بالخالق)

مجلس میں تشریف رکھتے ہی فرمایا کہ سنیئے :۔

آپ کو مجھ سے یہ شکایت ہے کہ کلام میں ربط نہیں ہے اسکے متعلق اس وقت کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ یہاں اس عالم کی جتنی بھی چیزیں ہیں سب آپس میں باہم مربوط ہیں آپ کو چاہیے اس ربط کا علم نہو، آپ کو ہماری تقریر میں جو ربط نہیں معلوم ہوتا تو اسکے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ میری تو خیر تقریر ہی میں ربط نہیں ہے لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو ربط کہ مطلوب ہے وہی نہیں ہے دیکھئے اس کے متعلق مشائخ کیا فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ :۔

"متاخرین نے دوسرا راستہ نکالا کہ جس سے ربط حادث بالخالق (یعنی کائناتِ عالم کا اپنے خالق سے ربط) کی کیفیت معلوم ہو جائے سو بعد مجاہدات معلوم ہوا کہ مخلوقات سب اعلیٰ سے انس تک اپنے خالق سے مربوط اور اسکے وجود سے موجود ہیں، بوحدتِ وجود یا بوحدتِ شہود علیٰ خلافٍ بَیْنَھُمْ پس اس ربط کے شہود کا نام جذب رکھا گیا یعنی خالق و مخلوق کے مابین جو ربط ہے جس نے اسکا مشاہدہ کرلیا اسکو مجذوب کہا گیا اور انتہاء راہِ جذب

اس نسبت کے انکشاف پر ہے پس جذب کے معنی رُجُوعُ السَّالِكِ اِلٰى حَقِيقَةِ الحَقَائِقِ وَاَصْلِ الْاَشْيَاءِ (رہرو راہِ خدا کا حقیقۃ الحقائق اور اصل اشیاء کی طرف رجوع کرنا) کے ہیں اور اپنی افنار اپنا اور اپنے علم وانانیت کا مقرر ہوا" انتہی۔

دیکھئے فرمارہے ہیں کہ حادث کو خالق کے ساتھ ایک ربط ہوتا ہے اس میں سب چیزیں آگئیں لیکن آپ نے اس سے قبل اس بات کو سنا بھی نہ ہوگا کہ حادث اور خالق میں کچھ ارتباط بھی ہے حالانکہ سب سے بڑا ربط یہی ہے۔ اسکو تو آپ نے پہچانا نہیں اور چلے ہیں ہم پر اعتراض کرنے۔

بات یہ ہے کہ اعتراض آسان ہے لیکن کسی بات کو جاننا اور اور سمجھنا مشکل ہے بڑے بڑے کامل گذرے ہیں لیکن لوگوں نے ان سے کچھ سیکھا نہیں۔ چنانچہ آپ بھی اسکو بالکل بھولے ہوئے ہیں اور یہ بزرگ فرمارہے ہیں کہ بعد مجاہدات کے معلوم ہوا کہ سب مخلوقات اعلیٰ سے ادنیٰ تک اپنے خالق سے مربوط ہیں اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جانِ ناس

(یعنی رب ناس کو جان ناس کے ساتھ ایک ایسا اتصال حاصل ہے جسکی کیفیت کا بیان نہیں ہو سکتا اور نہ اسکی کوئی مثال اور نظیر ہی بیان کی جا سکتی ہے)

آپ کو ان سب باتوں کا کیا پتہ ہوگا آپ تو وسوسہ کے شکار ہیں۔ ذکر میں آپ کو وسوسہ آتا ہے۔ نماز پڑھیں تو اس میں آپکو وسوسہ آوے، کسی بزرگ کی مجلس میں چلے جائیں تو وہاں آپکو وسوسہ آوے، لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ یہ بھی کوئی کمال ہے کہ آدمی

سرتاپا وسوسہ ہی ہو جائے اور جو چیز کہ اسکے لئے ضروری، نافع اور مفید ہے اسی سے غافل رہے آپ نے جب یہی ربط نہ جانا تو کیا جانا میں نے مانا کہ آپ نے تقریر کی خوب مشق کرلی اور الفاظ میں باہم ربط بھی پیدا کرلیا تو اس سے کیا ہوا آپ اس ربط کو سمجھئے تو جانیں ؎

اِسے دیکھا اُسے دیکھا، اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا
نہ دیکھا یار کو اغیار میں، دیکھا تو کیا دیکھا

آپ تقریر کی فصاحت اور الفاظ کے ربط کو کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ آپ کے الفاظ کو پوچھتا کون ہے؟ آپ نے نہیں سنا کہ معرفت الفاظ کا نام نہیں ہے ؎

قومے زوجود خویش فانی
رفتہ ز حروف در معانی

(یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے وجود کو فنا کر چکے ہیں اور حروف سے گذر کر معانی میں پہنچ گئے ہیں)

آپ بھی جب اس کوچہ میں قدم رکھئے گا تو آپ کے یہ الفاظ وغیرہ سب ختم ہو جائیں گے۔ ہم یہاں تقریر کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں اسلئے کہ جانتے ہیں کہ تقریر یہاں بہت ہے الفاظ کی یہاں کمی نہیں لیکن اسکے ساتھ ساتھ ہم ایک بات یہ بھی جانتے ہیں کہ ایک چیز یہاں نہیں ہے اور وہ وہی ہے جسے یہ بزرگ فرما رہے ہیں کہ:-

"بعد مجاہدات کے معلوم ہوا کہ سب مخلوقات کیا اعلیٰ اور کیا ادنیٰ اپنے خالق سے مربوط ہیں"

خدا تعالیٰ کی ذات بے چون و بے چگون (بے مثل و بے نظیر) ہے اسلئے کوئی اس کیفیت کو تو بیان ہی نہیں کر سکتا تاہم کیفیت اسکی چاہے ہم کو نہ معلوم ہو سکے لیکن انسان کے لئے اس ربط کا جاننا اور

اسکو سمجھنا ضروری ہوگا اور بزرگوں نے اسی ربط کو حاصل کیا ہے چنانچہ اسکی برکت سے انکو بڑے بڑے حالات ملے ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ ایک بزرگ نماز پڑھکر مسجد سے نکل رہے تھے دروازہ پر کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو دیکھنے لگے اس ظاہری آنکھ سے نہیں بلکہ قلبی بصیرت سے ایک شخص کو دیکھا کہ اسکا قلب تقاضائے معصیت میں بالکل غرق تھا، ایک دوسرے شخص کو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مضامین میں بالکل مستغرق تھا وہ کوئی کتاب وغیرہ سیرت پر لکھ رہے تھے ایک تیسرے صاحب کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے نور سے انکا قلب معمور تھا چنانچہ انکے قلب سے لیکر لوح محفوظ تک ایک سلسلہ ہی نور کا قائم معلوم ہوتا تھا لیکن یہ راستہ آسان نہیں ہے لوگ چاہتے ہیں کہ کچھ کرنا نہ پڑے اور ہم کامیاب ہو جائیں۔ ایک صاحب آپکے یہاں کے مجھ سے کہتے تھے کہ ابدال کا پتہ بتا دو۔ میں نے کہا کہ بھائی میں تو مولوی ہوں دین اور شریعت کے بارے میں کچھ پوچھو تو کچھ بتا بھی دوں ابدال وغیرہ کو میں کیا جانوں ؟ بس اسی قسم کے لوگ ہوگئے ہیں اس سے طبیعت گھبراگئی، کرنا دھرنا خاک نہیں بس بلا وجہ کی بیکار باتیں رہ گئی ہیں۔

وصول الی اللہ فضل خداوندی پر موقوف ہے بزرگان دین تو فرماتے ہیں کہ ایک مدت کے مجاہدے کے بعد پتہ چلا کہ تمام مخلوق خالق سے مربوط ہے اور اسی ربط کے شہود کا نام جذب ہے جو کہ محض حق تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے اور یہ لوگ اسکو کھیل تماشا سمجھتے ہیں یہ لندن امریکہ کا راستہ نہیں ہے کہ ہوائی جہاز سے اڑ کر چلے جاؤ یہاں تو صرف فضل سے کام بنتا ہے

ایک بزرگ بادشاہ کے محل کے نیچے سے گذرے بادشاہ محل پر بیٹھا ہوا تھا انھیں دیکھکر کمند لٹکا دی اور انکو اوپر کھینچ لیا جب وہ بادشاہ کے پاس پہونچ گئے تو اس نے سوال کیا کہ آپ

اللہ تعالیٰ تک کیسے پہونچے۔ انھوں نے جواب دیا کہ جس طرح آپ کے پاس پہونچے۔ بادشاہ انکے اس جواب کو نہیں سمجھا پوچھا کہ کیا مطلب؟ فرمایا کہ بھائی اگر میں از خود آپ کے پاس آنا چاہتا تو شاہی محل کے دروازہ پر جاتا وہاں حاجب اور دربان مجھے روکتے پھر آپ کو اطلاع ہوتی، آپ طلب فرماتے تب میں آسکتا تھا لیکن جبکہ آپ نے خود ہی مجھے بلانا چاہا تو کمند لٹکا کر فوراً مجھے کھینچ لیا۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا بھی معاملہ ہے کہ اپنی قوت بازو سے کوئی شخص ان تک پہونچنا چاہے تو بہت مشکل ہے عمر گذر جائے اور مقصد نہ حاصل ہو لیکن جب وہ خود ہی کسی کو جذب فرمالیں تو راستہ بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔

یہ فضل کا معاملہ تھا اسی کو میں کہہ رہا تھا کہ ابتداءً معرفت حاصل ہوتی ہے مجاہدات سے اور اسی پر جذب مرتب ہوتا ہے پس آدمی مجاہدات سے نہیں پہونچتا بلکہ جذب سے پہونچتا ہے اسی کی مثال میں نے آپ کے سامنے کمند کے واقعہ سے بیان کی یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ بزرگوں سے لوگوں نے سوال بھی کیا ہے اور انھوں نے جوابات بھی دیئے جیسا کہ یہاں بادشاہ نے ان بزرگ سے سوال کیا اور انھوں نے کیسا عمدہ جواب دیا۔ اسی طرح ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ آپ نے خدا کو دیکھا ہے اب وہ حیران کہ کیا جواب دیں اگر ہاں کہتے ہیں تو خلاف واقعہ ہوتا ہے اور نہیں کہتے ہیں تو بزرگی کے خانہ سے نام کٹا جاتا ہے انھوں نے اسکا بہت عمدہ جواب دیا فرمایا کہ ہاں ظل کو دیکھا ہے۔

غرض بزرگوں نے راہ جذب کی انتہا اسی نسبت کے انکشاف

کو فرمایا ہے اور یہ علم معرفت اتنا زبردست علم ہے کہ اور سارے علوم اسکے آگے ہیچ ہیں اب اسکے تحصیل کی نہ فکر ہے اور نہ ہمت بلکہ لوگوں کا تو یہ حال ہوگیا ہے کہ ذرا سا ذکر کیا اور اپنا دماغ ہی خراب کرلیا چنانچہ یہی کام کرتا ہوں آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ لوگوں میں محبت تو خیر کچھ ہوتی بھی ہے لیکن معرفت بالکل نہیں ہوتی اور نری محبت سے جی گھبراتا ہے کیونکہ جب تک اس میں معرفت کا حصہ شامل نہو محض محبت کچھ زیادہ مفید نہیں۔ محبت وہی معتبر ہے جو معرفت کے ساتھ ہو اور معرفت ہوائی جہاز میں بیٹھنے سے اور لندن اور امریکہ کے سفر کرنے سے نہیں حاصل ہوجائیگی بلکہ اسکے لئے کچھ کام کرنا ہوگا اور طریقہ سے کرنا ہوگا۔

ایک عالم صاحب تفسیر پڑھا رہے تھے انھوں نے سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ (زمین پر چلو پھرو) کا ترجمہ کیا تو یہ کہا کہ یہاں فی بمعنی علیٰ کے ہے ایک صوفی نے یہ بات سنی تو کہا کہ آپ بجائے اسکے کہ لفظوں میں تبدیلی کریں اپنے اندر کیوں تبدیلی نہیں کرلیتے؟ قرآن کی آیت کو کیوں بدلتے ہیں یہ کہکر فرمایا کہ یہاں فِیْ اپنے ہی معنی میں ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ زمین کے اندر سیر کرو۔ انھوں نے کہا کہ سیر تو زمین کے اوپر کیجاتی ہے زمین کے اندر سیر کرنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ سنکر صوفی صاحب نے اشارہ کیا زمین پھٹی اور وہ اندر اتر گئے اور کچھ دور بعد جاکر پھر اوپر کو نکل آئے اور ان سے فرمایا کہ یہ ہے سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ، ان مفسر صاحب کو بڑی ندامت ہوئی اسی طرح آپ سے کہتا ہوں کہ آج ایسے لوگ بہت ہیں جو دوسروں کو عیب لگانے اور انکی اصلاح کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن اگر ان سے خود اپنی اصلاح کے لئے کہا جائے تو اسکے لئے آمادہ نہیں کہتے ہیں

کہ ابھی ہمکو اسکی فرصت نہیں ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے اپنے اندر یہ ربط پیدا کیا تھا۔

کلام میں ربط و مناسبت کی تفصیل

اسی طرح قرآن شریف کو جو مدون کیا گیا ہے تو اس میں بھی ایک آیت کو دوسری آیت کے ساتھ کامل ربط ہے لیکن بات یہ ہے کہ کبھی ربط جلی ہوتا ہے اور کبھی خفی ہوتا ہے اور کبھی اخفی ہوتا ہے۔ جلی ربط تو ہر شخص سمجھ لیتا ہے لیکن خفی اور اخفی کو ہر شخص نہیں جان سکتا۔ اسی طرح سے ہو سکتا ہے کہ جہاں آپ کو ربط نہ معلوم ہوتا ہو وہاں ربط ہو لیکن خفی ہو اور جہاں آپ نے بھی ربط معلوم کر لیا تو سمجھئے کہ وہ جلی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی کسی کو اس دنیا میں پوری پوری حاصل ہوتی ہے اور کسی کو کچھ کم حاصل ہوتی ہے اور کوئی اس سے بالکل محروم رہتا ہے۔ اب جس کو معرفت نہ حاصل ہو تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ معرفت ہی کوئی چیز نہیں ہے

ہے نہ عالم وہ تو عالم میں شور اسکا مچا دیا کس نے
حسن لیلیٰ دکھا کے اے امداد تجھ کو مجنوں بنا دیا کس نے
میں تو نام و نشان مٹا بیٹھا شہرہ میرا اڑا دیا کس نے

آپ کو ہماری تقریر میں ربط نہیں معلوم ہو رہا ہے۔ سنئے امام بخاریؒ کتنے بڑے شخص ہیں اور انکی کتاب بخاری شریف کا کتب حدیث میں جو مقام ہے وہ بھی آپ کو معلوم ہوگا اس میں امام بخاریؒ پہلے ایک ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں پھر اسکے تحت روایات لاتے ہیں جس کے متعلق علماء کا اتفاق ہے کہ امام بخاریؒ نے اسکے ذریعہ سے طلباء کو علوم سکھائے ہیں لیکن کہیں کہیں حدیث کی روایت

میں اور ترجمۃ الباب میں باہم ربط و مناسبت تلاش کرنے میں علماء کو پسینہ آجاتا ہے اور یہ طریقہ بخاری قصداً اختیار کرتے ہیں انھوں نے اسے قرآن شریف سے لیا ہے اسلئے کہ قرآن شریف میں بھی مثلاً سورہ قیامہ میں ہے

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ ۙ وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ ۞ لَا تُحَرِّكْ بِہٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِہٖ ۞ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ ۞

(بلکہ انسان خود ہی اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا گو وہ اپنے حیلے پیش لائے ۔ اے پیغمبر! آپ اس قرآن کو جلدی جلدی لینے کے لئے اس پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے یہ تو ہمارے ذمہ ہے اسکا جمع کردینا اور اسکا پڑھوا دینا)

اس میں لَاتُحَرِّكْ بِہٖ لِسَانَكَ ۔ الیٰ آخرہٖ کا ربط ماقبل سے ظاہر نہیں ہے، علماء کو یہاں بھی ربط بیان کرنے میں بڑی دقت پیش آئی لیکن ربط ہے اگرچہ خفی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن کی آیتیں نازل ہوتی تھیں تو آپ انھیں جلدی جلدی زبان مبارک سے دہرانے لگتے تھے تاکہ وہ یاد ہوجائیں اسکی وجہ سے وحی کے سننے میں کچھ فرق ہوجاتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے درمیان مضمون میں آپ کو متنبہ فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلائیے اس خیال سے کہ آپ اس کو جلدی جلدی یاد کرلیں اسلئے کہ ہمارے ذمہ ہے اسکا جمع کردینا اور اسکا پڑھوا دینا ۔ یہ بیان کرکے پھر آگے منکرین کی جانب روئے سخن پھیرا اور فرمایا كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ ۙ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَۃَ ۞ یعنی اے منکرو ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت

رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو

اسی طرح اس مقام کا ایک ربط یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شروع سورت میں فرمایا تھا اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ یعنی کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اسکی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر نہیں ہیں آگے خود ہی فرمایا کہ بَلٰى قٰدِرِیْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ (ضرور جمع کرینگے ہم تو اس پر قادر ہیں کہ اسکی انگلیوں کے پوروں تک کو درست کردیں) اسی کے بعد فرمایا کہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ یعنی آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے کہ جلدی سے یاد کرلیں کہیں بھول نہ جائے اسلئے کہ آپ کو قرآن (وحی) کا یاد کرادینا (یعنی سینے میں محفوظ کردینا) اور آپ کی زبان مبارک سے اسکو پڑھوا دینا یہ ہمارا کام ہے۔

اور جس طرح سے ہم بوسیدہ ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر ہیں جو کہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں اسی طرح قرآن کو بھی آپ کے سینے میں جمع و محفوظ کردینے پر بھی قادر ہیں۔ آپ اس بارے میں کیوں تعب اٹھاتے ہیں پس اس آیت اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کردینا اور پڑھوا دینا) کا ربط اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ (کیا انسان یہ خیال کر رہا ہے کہ ہم اسکی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کرینگے) کے ساتھ نہایت واضح ہے لیکن ذرا دقیق اور لطیف ہو نے کے سبب ہر عامی پر ظاہر نہیں ہے۔

تو بات یہ ہے کہ قرآن شریف کا طرز عام مصنفین کی طرح کا نہیں ہے بلکہ ایک ناصح شفیق مصلح کے مانند اسکا کلام ہوتا ہے کہ جس چیز کی ضرورت سامنے آگئی کہدی، یہی طرز بخاری شریف کا بھی ہے اور یہی طرز کتب تصوف مثنوی شریف کا بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تین کتابیں البیلی ہیں قرآن شریف

بخاری شریف اور مثنوی شریف۔

یہ اس پر گفتگو کر رہا ہوں کہ کسی عاقل بالغ کا کلام بھلا ربط سے کیونکر خالی ہو سکتا ہے لیکن ہر جگہ ربط کا جلی ہی ہونا ضروری نہیں کہیں خفی اور اخفیٰ بھی ہوتا ہے۔

نیز ایک ہی مقام کا ربط کسی کے لئے جلی ہوتا ہے اور کسی کے لئے خفی اور کسی کیلئے اخفیٰ ہوتا ہے عامی شخص کیلئے ایک کلام کے معنی خفی ہوتے ہیں اور وہی مقام ایک عالم کے لئے اجلیٰ بدیہات سے ہوتا ہے اب اگر آپ ربط جلی ہر جگہ تلاش کیجئے گا تو اس سے مخلوق کا کلام تو بجائے خود رہا آپ قرآن پر اعتراض کیجئے گا حالانکہ اس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ لَا رَیْبَ فِیْہِ یعنی ہر قسم کے شک و شبہات سے وہ پاک صاف ہے۔

ایک جگہ ایک عالم صاحب نے تقریر کی ایک شخص نے کہا کہ اس میں ربط نہیں ہے دوسرے عالم کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا کہ مولانا نے یہ فرمایا ہے، یہ فرمایا ہے اس کلام میں کیا بے ربطی ہے؟ اب کوئی بات ہی کو نہ سمجھے تو اسیں کہنے والے کا کیا قصور؟ ؎

وَكَمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلاً صَحِيْحًا
وَآفَتُهُ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِيْمِ

(بہت سے لوگ اچھی خاصی بات میں بھی جو عیب لگا دیتے ہیں تو اسکا منشا خود انھیں کے فہم کا سقم (اور عقل کا نقص) ہوتا ہے وہ بات قابل اعتراض نہیں ہوتی)

علم ایک زبردست چیز ہے بڑی مشکل سے حاصل ہوتا ہے دیکھئے امام بخاریؒ کو لوگ کتنا مانتے ہیں مگر یہی بخاریؒ ہیں کہ

بعض الناس کہکر امام ابو حنیفہؒ پر اعتراض کر جاتے ہیں لیکن بعد کے علماء نے امام بخاریؒ کے ان اعتراضات کا ایسا ایسا جواب دیا ہے کہ اگر امام بخاریؒ اس زمانے میں ہوتے تو خوش ہی ہو جاتے۔

اور خود انھیں امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو جس حدیث سے شروع فرمایا ہے وہ ایک مشہور حدیث ہے اسکے الفاظ یہ ہیں

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوْ اِلَى امْرَاَةٍ يَّنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ

(اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو اسکی نیت (اور غرض و مقصد ہی کے مطابق پھل ملتا ہے جس نے اللہ و رسول کیطرف (یعنی انکی رضا اور خوشنودی اور تعمیل حکم کی خاطر) ہجرت کی تو اسکی ہجرت درحقیقت اللہ و رسول ہی کی طرف ہوئی اور جس نے کسی دنیاوی غرض کی تحصیل یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے ارادہ سے ہجرت کی تو جس غرض اور نیت سے اس نے ہجرت کی اللہ کے نزدیک بھی اسکی ہجرت اسی کی خاطر سمجھی جائیگی)

لیکن بخاری اٹھا کر دیکھ لیجئے اس میں اس طرح الفاظ نہیں آئے ہیں بلکہ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى کے بعد فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا الخ فرمایا ہے اور فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اتنا جملہ ہی درمیان سے غائب ہے اسکے حل کرنے کے متعلق علماء نے بڑی بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے اور خوب خوب توجیہیں فرمائی ہیں حتیٰ کہ یہ بھی

کہا گیا۔ ہے کہ امام بخاریؒ بھول گئے انکو سہو ہوگیا اسلئے یہ جملہ درمیان سے رہ گیا، اب کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایسا زبردست تو انکا حافظہ کہ بخاری شریف جیسی کتاب جمع کر دی اور پھر حافظہ اتنا خراب کہ پہلی ہی حدیث میں سہو ہوگیا تو یہ بات نہیں تھی بلکہ بات یہ تھی جیسا کہ بعض شراح نے فرمایا ہے کہ جس طرح اور مصنفین کا قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی کتاب کو خطبہ (حمد و صلوٰۃ) سے شروع کرتے ہیں، اسی طرح بخاریؒ نے اس حدیث کو اپنی تصنیف کا خطبہ قرار دیا ہے اور اس میں تصحیح نیت پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اس کی توفیق بھی حق تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے اور اسی کو کسی کی نیت کے حسن و قبح کا علم بھی ہے اب جبکی نیت اپنے عمل سے ارضاء خالق ہے تو سبحان اللہ اسکا کہنا ہی کیا ورنہ سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا دار شخص سے اخلاص سے اسکو کچھ بھی سروکار نہیں اسکو بدنیتی کا وبال بھگتنا ہوگا کہنا بھی سامنے نکلے لیکن خود کو تزکیہ سے بچاتے ہوئے اور اپنے نفس کو متہم گردانتے ہوئے قربت محضہ والی شق کو قصداً ذکر نہیں فرمایا بلکہ امر کو حق تعالےٰ کے حوالہ فرمایا جو کہ مطلع سرائر ہے۔

دیکھئے ہیں کس قدر عمدہ اور لطیف نکتہ تو حذف کلام میں ہے اور بعض لوگ اسکو نسیان پر لے جارہے ہیں اور بخاری کی چوک پر اسکو محمول کرتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اسی طرح سے قرآن شریف میں بھی بہت سے مواقع ایسے جاتے ہیں کہ وہاں بظاہر ربط سمجھ میں نہیں آتا مثلاً دوسرے پارے میں سورۂ بقرہ میں اوپر دور سے نکاح و طلاق کا بیان چلا آرہا ہے اسکے بعد فرماتے ہیں کہ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ

آپس میں لطف و احسان سے غفلت مت کرو) یعنی طلاق وغیرہ کے حکام شرعی تو یہ ہیں مگر تم کو یہ چاہیئے کہ اپنے باہمی فضل و تعلق کو بھولو نہیں اسلئے اگر کسی بداخلاقی کا تحمل کرو اور اسکے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ کرو تو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے اس کلام سے درستگی تعلقات کی جانب ترغیب و تحریض فرمائی گئی ہے جو کہ بالکل ٹھیک ہے پھر اس کے بعد فرماتے ہیں حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ٥ (پابندی کرو سب نمازوں کی اور خصوصًا) درمیان والی نماز کی اور کھڑے رہا کرو اللہ کے سامنے ادب سے) اسکے متعلق علماء مفسرین کو تردد ہوا ہے کہ نکاح طلاق کا ذکر کرتے کرتے یہ صلوٰۃ کا ذکر کیسے آگیا اور آگے چل کر پھر عورتوں ہی کے متعلق احکام بیان فرماتے ہیں تو اسکا ربط محققین علماء نے یہ بیان فرمایا ہے کہ پہلے چونکہ عفو کی ترغیب فرمائی ہے اور اس پر برانگیختہ کیا اور ابھارا اور ترک فضل سے ممانعت فرمائی ہے تو یہ سب امور اس وقت انجام پا سکتے ہیں جبکہ انسان کے نفس کے اندر ملکات فاضلہ ہوں اور وہ ان خصائل فاضلہ سے متصف ہو اور انکے پیدا ہونے کا ذریعہ نماز ہے کیونکہ نص میں ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی رہتی ہے) پس نماز ہی ملکات فاضلہ کو مہیا کرتی ہے جب تک آدمی کا تعلق خالق سے نہیں صحیح ہوتا مخلوق کے ساتھ بھی اسکے تعلقات کشیدہ ہی رہتے ہیں اور جب خالق کا تعلق استوار ہو جاتا ہے تو مخلوق سے بھی تعلقات سنور جاتے ہیں۔

نیز ایک دوسرا ربط اسکا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نکاح وطلاق

۔۔ یہ امور ہیں جن کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے اور نماز
افضل العبادات ہے اسکا تعلق براہ راست خالق اور معبود سے
ہے پس تعلقاتِ خلق کے درمیان میں تعلق خالق کو اسلئے بیان کر دیا
کہ آدمی خالق کو چھوڑتا ہے تو وہ مخلوق ہی کی وجہ سے لہٰذا اس
۔۔ کا خیال اور دھیان رہے کہ مخلوقات کے تعلقات کہیں تمکو
خالق کے حقوق سے نہ غافل کر دیں کیونکہ ایسے مواقع پر بالخصوص
جبکہ باہمی الجھاؤ بڑھ جائے نماز وغیرہ سے غفلت کا ہوجانا بعید
نہیں حالانکہ یہ معراج المسلمین ہے اور اسکا ترک ہدمُ الدِّین
(دین کا ڈھا دینا) ہے۔ اسلئے تم کو اس امر کی جانب تنبیہ کی جاتی
ہے کہ اسکا بھی ہوش رہے۔

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ فرمائیے کلام میں ربط ہے یا نہیں؟
بھائی بات یہ ہے کہ ؎

دماغ ہو صاف بو کو سونگھیں
جو آنکھ کھل جائے سیر دیکھیں

علماء حقانی پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے علوم کا الہام ہوتا ہے
اور یہ اسی ربط کی برکت سے ہوتا ہے جو ان حضرات کو اپنے خالق
کے ساتھ ہوتا ہے یہ سب باتیں یہ حضرات حسن تقریر سے نہیں
فرماتے ہیں اور نہ ہی قابلیت کو اس میں کچھ زیادہ دخل۔ بڑے بڑے
بڑے قابل موجود ہوتے ہیں مگر ان پر یہ علوم بند رہتے ہیں کیونکہ یہ علوم
کھلتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے آج
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کی کمی نہیں ہے
مگر آپکی لائی شریعت کی خوشبو ان کو نہیں معلوم ہوتی اسلئے زکام ہوگیا
ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب

مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہٗ کا ارشادِ گرامی صاحبؒ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امت کے حالات کو منظوم کرکے انھیں لفظوں میں بیان فرمایا تھا کہ یا رسول اللہ امت بیمار ہے اسکو زکام ہوگیا ہے آپکی لائی ہوئی سنت اور شریعت کی خوشبو اسکو محسوس نہیں ہورہی ہے آپ کو تو یہ امت مانتی ہے مگر آپکی شریعت کو نہیں مانتی۔

اسی ربط کی برکت سے جو بزرگانِ دین کو اپنے خالق کے ساتھ ہوتا ہے ایک بزرگ نے جو یہاں سے بہت دور رہتے تھے ایک دن اپنی مجلس میں فرمایا کہ فلاں کا انتقال ہوگیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وہاں وہ بخشا جارہا ہے اب اسکو کیا کہیئے گا اور اس چیز کو کہاں سے حاصل کرلیجئے گا؟ یہ قوت بازو سے تو حاصل ہونے والی چیز نہیں ہے، بلکہ اسی ربط سے یہ رتبہ ملا کرتا ہے جس کو بیان کررہا ہوں۔

میرے خیال میں ربط کے مسئلہ پر اتنا واضح کلام ہوگیا کہ اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ غور فرمائیے گا تو بڑے کام کام کی باتیں آپ کو معلوم ہوں گی کیونکہ سمجھنے والے کیلئے اتنا کلی بس ہے اور جو نہ سمجھنا چاہے اسکے لئے دفتر کلی ناکافی ہے

سکوت اور چرب زبانی یہ کلی ایک ضروری مضمون تھا اسلئے ذرا مفصل اسکو بیان کردیا ورنہ مقصود مجھے دوسرا مضمون بیان کرنا تھا اسلئے اب اسکو سنیئے کل ہی کہنے والا تھا مگر وقت ختم ہوگیا تھا اسلئے نہ کہہ سکا وہ مضمون ہے

سکوت کے متعلق

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مَنْ سَکَتَ سَلِمَ وَ مَنْ سَلِمَ نَجَا یعنی جس شخص نے اپنی زبان کو بند کرلیا وہ ہر بلا ومصیبت سے سالم رہا اور جو سالم رہا وہ نجات پاگیا۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اَلْبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالْمَنْطِقِ بلا کلام کرنے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے اَلْحَیَاءُ وَالْعِیُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ یعنی حیا، اور عجز یعنی ہر بات میں بڑھ بڑھ کر نہ بولنا "یعنی زبان کو قابو میں رکھنا" یہ دونوں ایمان کے شعبے ہیں۔ اور فحش گوئی اور بیان یعنی چرب زبانی اور بیہودہ بکواس نفاق کے شعبے ہیں۔

دیکھئے جس طرح سے فحش گوئی اور تقریر ولسانی اور بیان کو نفاق کا شعبہ فرمایا ہے اسی طرح سے تامل اور غور وفکر کے بعد موقع ومحل کے مناسب کلام کرنا اور زیادہ زبان درازی نکرنے کو ایمان کا شعبہ قرار دیا ہے، اس سے تو آپ کے اس تقریر کی کچھ زیادہ تعریف نہیں نکل رہی ہے جبکہ آپ لوگ بہت دلدادہ اور طالب ومشتاق ہیں۔

اور سنئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلیغ رجال کو مبغوض رکھتے ہیں، حدیث میں یہ بھی آتا ہے اللہ تعالیٰ حبر سمین (موٹے عالم) سے بغض رکھتے ہیں۔ حضرت مولاناؒ نے ایک بار اسی حدیث کو سنایا ایک عالم صاحب کو اس سے پریشانی ہوگئی اسلئے کہ وہ خود بھی ذرا تن وتوش کے تھے حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں آپ کا موٹا پا مراد نہیں ہے بلکہ وہ مراد ہے جو آخرت کی

کی غفلت اور بے فکری کی وجہ سے اہل دنیا کو ہوا کرتا ہے۔
ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ایک عالم سے مجمع کے سامنے یہ دریافت فرمایا کہ میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم توراۃ میں یہ پاتے ہو کہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حبر سمین سے بغض رکھتا ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں توراۃ میں تو یہ مضمون ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا وَاَنْتَ الْحَبْرُ السَّمِین تم تو حبر سمین ہی ہو اس سے وہ بہت شرمندہ ہوا اور قوم ہنس پڑی پھر اسکے بعد قوم نے اس منصب ہی سے اسکو معزول کردیا اور اسکی جگہ کعب بن اشرف کو مقرر کیا۔ اب ظاہر ہے انسان عالم ہو کر بھی خدا کے خوف سے اور آخرت کی باز پرس سے غافل رہے اور بے فکری کے ساتھ دنیا میں زندگی گذارے اس سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور کون مبغوض ہوگا اور وہ عالم کیا ہے کہ اسکے علم سے نہ اسی کو نفع نہ دوسروں کو ؎

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
اوخویشتن گم است کرا رہبری کند

(جو عالم دنیا طلبی اور عیش پرستی میں لگا ہوا ہے وہ خود ہی گمراہ ہے دوسروں کی رہنمائی کیا کرے گا)

غفلت قلب کے ساتھ فصاحت بلاغت ایک مذموم شئی ہے

غرض جس فصاحت و بلاغت کی یہاں مذمت آئی اس سے مراد وہ ہے جو قلب کی غفلت کے ساتھ ہو اور اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ کُلُّ مُنَافِقٍ عَلِیْمُ اللِّسَان (سب سے مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اندیشہ زبان آور منافق سے ہے) کا مصداق ہو اور جس کے قلب میں حق تعالیٰ کی خشیت اور خوف آخرت موجود

ہے تو اسکا نصیح و بلیغ ہونا حق تعالیٰ کی جانب سے ایک انعام ہے وہ یہاں مراد نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے، اور بہت سے علماء حق کو منجانب اللہ یہ چیزیں ملا کرتی ہیں۔

میں نے آپ کے سامنے جو یہ حدیث پڑھی کہ اَلْبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالْمَنْطِقِ یعنی نطق اور گویائی کے ساتھ مصیبت ملی ہوتی ہے۔ اس مضمون کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں مثنوی شریف میں مولانا رومؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے اور اسکی شرح ایک حکایت سے فرمائی ہے مولانا روم کو اس چیز میں ملکہ اور کمال حاصل ہے بڑے سے بڑے مسئلے کو قصوں اور حکایتوں کے ضمن میں حل فرما دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

ایک شخص تاجر تھا سفر میں جارہا تھا دستور کے مطابق اس نے گھروالوں سے کہا کہ سب لوگ اپنی اپنی فرمائش مجھ سے کریں چنانچہ ہر شخص نے آکر اپنی اپنی فرمائش اس سے بیان کی وہ ایک طوطی بھی پالے ہوئے تھا اس کے پاس جاکر کہا کہ تو بھی کچھ فرمائش کر اس نے کہا کہ کیا فرمائش کروں لیکن آپ کا حکم ہے تو کہتی ہوں کہ سفر میں کہیں جنگل میں اگر طوطیوں کا پرا اُڑتا ہوا نظر آجائے تو ان سے کہنے گا کہ تم لوگ تو یہاں خوب چین و آرام کی اور آزادی کی زندگی بسر کر رہے ہو اور میں تن تنہا قفس میں بند ہوں اور اس نعمت سے محروم ہوں کچھ میری بھی خبر تم کو ہے؟

غرض سب کی فرمائشات لیکر وہ سوداگر سفر کے لئے روانہ ہوگیا اثناء سفر میں ایک جگہ درخت پر طوطیوں کا جھنڈ نظر آیا اس وقت اسکو اپنے طوطی کی فرمائش یاد آئی چنانچہ اس نے انکو

مخاطب کرکے اس کا پیغام کہہ سنایا اس بات کا سننا تھا کہ سب کی سب طوطی پھڑ پھڑا کے درخت سے زمین پر گریں اور مرگئیں یہ منظر دیکھکر تاجر کو بڑا ہی رنج ہوا اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگا کہ میں نے ناحق ان سے اس کا پیغام کہا مفت میں اتنی جانیں میرے سبب سے ضائع گئیں وہ تو جانور تھا مگر میں تو انسان تھا مجھے کسی بات کا انجام سوچکر کوئی کام کرنا تھا۔

جب سفر ختم کرکے اپنے گھر آیا اور سب کی فرمائشات سب کو دیں تو طوطی نے بھی پوچھا کہ آپ نے میری فرمائش بھی پوری کردی تھی اس نے کہا ہاں کردی تھی اور پھر طوطی سے سارا واقعہ بیان کردیا۔ اس طوطی نے جب یہ واقعہ سنا تو وہ بھی پنجڑے میں پھڑ پھڑائی اور مرگئی، سوداگر کو اسکے مرنے کا بہت ہی قلق ہوا کہ برسوں کا رفیق آج ہم سے جدا ہوگیا پھرا پنے اوپر ملامت کرنے لگا کہ ابھی ایک دفعہ صدمہ بھگت چکے تھے تجربہ ہوگیا تھا مگر پھر بھی اس سے سبق نہیں لیا اور انکی بات اس سے آکر کہدی یہ دوسری بار کی حماقت اسکو زیادہ کھلی مگر اب ہو ہی کیا سکتا تھا تیر کمان سے نکل چکا تھا، پنجرہ کو لیا اور طوطی کو کوڑے خانہ پر جاکر ڈال دیا اسکو پھینک کر ذرا مڑا ہی تھا کہ طوطی اڑکر درخت کے اوپر جا بیٹھی اسکو اپنی حماقت پر ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی آیا کہ یہ کیا مذاق رہا اس طوطی سے پوچھا کہ اب تو تو آزاد ہوگئی ہے ذرا یہ تو بتلاتی کہ آخر یہ راز کیا تھا؟

اس نے کہا کہ سنیئے! میں نے جو پیغام آپ کے ذریعہ ان طوطیوں کے پاس بھیجا تھا اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ کوئی تدبیر بتاؤ جس سے اب قید خانہ سے نجات پاجاؤں اسلئے وہ طوطیاں

پھڑ پھڑا کر گریں اور مرگئیں تو اس سے اشارہ اس طرف کرنا مقصود تھا کہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (مرنے سے پہلے موت اختیار کرلو) یعنی زبان اشارت سے یعنی بلسان حال مجھے یہ تعلیم دی کہ تو جو قید خانہ میں ہے تو اپنی زبان اور بولی کی بدولت ہے لہٰذا زبان بند کرلے اور چپ سادھ لے اور اپنے کو مانند مردہ کے بنالے نجات پاجائے گی کیونکہ مَنْ سَکَتَ سَلِمَ وَمَنْ سَلِمَ نَجَا (جو خاموشی اختیار کرتا ہے وہ معصیتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے اور جو گنا ہوں سے محفوظ رہتا ہے وہ نجات پا جاتا ہے) چنانچہ آپ نے جب انکا پیغام مجھکو پہونچایا تو میں نے بھی پنجرہ میں پھڑ پھڑا کرا پنے کو مردہ کے مانند بنالیا اور وہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی آپ نے مردہ سمجھکر مجھے پھینک دیا اس طرح سے میں رہا ہوگئی۔

اس قصے کو بیان کر کے مولانا رومؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تعلیم حالی تھی جو ان طوطیوں نے اس طوطی کو دیا، آگے فرماتے ہیں کہ حالی تعلیم قالی سے زیادہ نافع ہوتی ہے چنانچہ ایک بزرگ کی مجلس میں ایک شخص رویا ان بزرگ نے اُسکا آنسو لیکر اپنی آنکھ میں لگا لیا سب اہل مجلس رونے لگے۔ پس حال جو بدلتا ہے تو حال ہی سے بدلتا ہے قال سے نہیں، مولانا رومؒ فرماتے ہیں

قال را بگذار مرد حال شو　　　پیش مرد کاملے پامال شو

(باتیں بنانا چھوڑ دو اور صاحب حال بنو اور یہ جب ممکن ہے کہ کسی عارف کامل کے قدموں کا اپنے کو ڈال دو اور مٹادو)

اب آپ سمجھتے ہیں کہ تقریر سے حال بدل جائیگا تو بیشک قال کو بھی حال کے بدلنے میں دخل ہے لیکن جبکہ وہ قال کسی صاحب حال سے صادر ہو، بزرگوں کو اس طریق میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کیسا کیسا حال ملتا ہے

ب تو اسکو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ بشر حافیؒ ایک بزرگ تھے انکو حافی اسلئے کہا جاتا تھا کہ ہمیشہ ننگے پاؤں رہتے تھے اسکی وجہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہ سنی کہ ان پر ایک حال طاری تھا کہتے تھے کہ زمین اللہ تعالیٰ کا فرش ہے اسپر جوتا پہنکر چلنا بے ادبی ہے چنانچہ انھوں نے جب اللہ تعالیٰ کا اسطرح سے ادب کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسکے صلہ میں انکو اس طرح نوازا کہ پرندوں کو حکم دیدیا کہ وہ راستے میں بیٹ نہ کیا کریں ایک بار لوگوں نے دیکھا کہ راستے میں بیٹ پڑی ہے اب سے انھوں نے سمجھ لیا کہ شاید حضرت بشر حافیؒ کا انتقال ہوگیا تحقیق کی تو بات صحیح نکلی، یہی وہ ربط ہے جسے بزرگوں نے حاصل کیا ہے۔ حضرت بشر حافیؒ کے ننگے پیر رہنے کی ایک اور وجہ کسی کتاب میں دیکھی ہے وہ یہ تھی کہ آپنے جس وقت توبہ کی تھی اسوقت پاؤں میں جوتے نہیں تھے تو پھر اسکے بعد سے ساری عمر جوتا پہنا ہی نہیں یہ خیال کرتے تھے کہ جس ہیئت میں توبہ کی ہے اس میں تغیر نہیں ہونا چاہیئے اور جوتا پہن لینے کو تغیر خیال کرتے تھے

الفاظِ قرآن کی تلاوت بھی عبادت ہے

میں نے ایک دن یہ بیان کیا تھا کہ قرآن شریف کی تلاوت موجب ثواب ہے اور سبب ازدیادِ ایمان ہے خواہ معنی سمجھے یا نہ سمجھے اور اسکی وجہ یہ بیان کی تھی کہ شریعت میں الفاظ کا بھی تحفظ مطلوب ہے اور پھر یہ کہ معنی الفاظ ہی کے تابع ہوتے ہیں الفاظ کے بغیر معنی کا زور بھی ختم ہوجاتا ہے اسوقت ایک اور بات کہتا ہوں وہ یہ کہ صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ اسکے الفاظ کی تلاوت بھی تعبد ہے یعنی عبادت ہے اور اسکی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت میں ہر حرف کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے پھر آگے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی مزید توضیح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ اسی طرح سے ایک اور روایت میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جتنے اعمال بھی مجھ پر پیش کیے گئے ان میں سے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کوئی شخص قرآن شریف یاد کر کے اسکو بھلا دے، ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جو شخص قرآن کو یاد کر کے بھول جائے قیامت میں اللہ تعالیٰ اسکو اجذم اٹھائیں گے یعنی اسکے چہرے وغیرہ پر گوشت نہیں ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ قرآن شریف کی حفاظت کا ذریعہ تلاوت ہی تو

لہٰذا اسکی ضرورت میں کسی کو کیا کلام ہوسکتا ہے اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ الفاظ کی تلاوت پر بھی اجر ملتا ہے قرآن شریف کی اسی عظمت و توقیر کا یہ اثر تھا کہ پہلے زمانے میں ہمارا ہر ہر گھر مدرسہ تھا اور اب ان امور کی تعلیم مدارس میں بھی نہیں ہوتی بلکہ مشائخ کو سکھلانا پڑتا ہے۔

طہارت و پاکی طرف سے بے توجہی

اگلے زمانے میں والدین اپنی اولاد کو تلاوت قرآن کے علاوہ صلوٰۃ و طہارت اور پاکی و ناپاکی کے مسائل بھی تعلیم فرماتے تھے جسکی وجہ سے انکو بھی دین کی طرف میلان اور اسکا شوق ہوتا تھا لیکن اب تو ان سب باتوں کا کوئی اہتمام ہی نہیں رہ گیا ہے حالانکہ جسطرح نماز فرض ہے طہارت بھی فرض ہے طہارت میں اور نماز میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن آج حال یہ ہے کہ لوگ نماز وغیرہ کے احکام تو کچھ جانتے بھی ہیں مگر طہارت کے مسائل سے قطعی ناآشنا ہیں بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے نوجوان لوگ آج نماز پڑھنے لگ جائیں لیکن اصل چیز جس سے یہ لوگ گھبراتے ہیں وہ طہارت ہے جو بھی ادھر سے بھاگتا ہے اسی طہارت کی پابندی سے ڈر کر بھاگتا ہے۔ میں ایک مسجد میں تھا ایک شخص کو بلایا دوسرے آدمی نے کہا اسکو یہاں نہ بلائیے وہ پاک بھی نہ ہوگا تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ لوگ طہارت تک کا اہتمام نہیں کرتے۔

طہارت سے بے اعتنائی کی سزا

اس پر کہتا ہوں کہ سن لیجئے! جو لوگ طہارت کا اہتمام نہیں کرتے ان کے پاس شیطان آتا ہے لوگ مجھ سے تعویذ مانگتے ہیں تو میں ان سے یہی کہدیتا ہوں کہ تم لوگ طہارت کا اہتمام نہیں کرتے ناپاک رہتے ہو تو تمھارے پاس آسیب آویں تو کیا فرشتے آویں اَلْجِنْسُ يَمِيْلُ اِلَى الْجِنْس تم بھی نجس اور وہ بھی ناپاک اسلئے تمھارے ساتھ انکا جوڑ لگ گیا ہے بلکہ تم لوگ خود ہی آسیب ہوگئے جسکو لپٹ جاؤ اسکو مشکل سے چھوڑو۔

تم مسلمان ہو ایمان کی طہارت موجود، وضو اور غسل کا اہتمام رکھو ظاہری طہارت بھی حاصل ہو جائے پھر آسیب کا تمھارے پاس کام کیا؟ مگر اسکو نہیں سنتے۔

غرض یہ چور پکڑ گیا کہ ہمارے نوجوان نماز کا اہتمام جو نہیں کرتے تو طہارت کے عدم اہتمام کی وجہ سے نماز سے زیادہ ان کے لئے طہارت مشکل ہے۔

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تفصیل الدین

(۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب خداوندی سے) ڈرائیے) ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب خاندان والوں کو جمع کیا اور سب کے ساتھ صاحبزادی صاحبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کر کے فرمایا

يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (اے فاطمہ بنت محمد! اپنے کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ میں تم سے اللہ کے عذاب کو کچھ بھی دور نہ کر سکوں گا)

اور اپنی پھوپھی صاحبہ کو خطاب کر کے فرمایا

يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (اے اللہ کے رسول کی پھوپھی صفیہ اپنے کو نار جہنم سے بچاؤ میں تم سے اللہ کے عذاب کو ذرا بھی رفع نہیں کر سکوں گا) ۔

اسی طرح سب اعزہ سے فرمایا کہ اپنے آپ کو جہنم سے بچا لو میں تمہارے کام نہ آسکوں گا یعنی اگر نرے میرے بھروسہ پر رہو گے تو اس صورت میں میں کچھ کام نہ آؤں گا۔ ہاں خود بھی کچھ سرمایہ جمع کر لو تو بے شک آپ کام آئیں گے ۔

بس یہ درجہ ہے انتساب اور تبرکات کا کہ وہ بدون اپنے عمل کے تنہا کافی نہیں ہوتے باقی اپنے پاس کچھ عمل ہو تو پھر وہ ضرور نافع ہیں۔ انکی برکت کا انکار نہیں ہو سکتا اگر تبرکات نافع نہوتے تو سلف صالحین اسکا اہتمام نہ کرتے حالانکہ سلف سے اس کا اہتمام منقول ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرکات دیئے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چادرۂ مبارک ایک صحابی کو عطا فرمایا اور حج کے موقع پر اپنے بال تقسیم فرمائے اور بعض واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ تبرکات واقعی کام بھی آتے ہیں مگر نرے تبرکات کام نہیں آتے بلکہ اصل سرمایہ کے ساتھ یہ بھی مل جائیں تو نفع بڑھ جاتا ہے

اسکی تو ایسی مثال ہے جیسے کھانے کے ساتھ چٹنی اور مربہ اس سے کھانے کا لطف بڑھ جاتا ہے اگر کوئی شخص دوستوں کی دعوت کرے اور سارا دسترخوان چٹنی اور مربہ ہی سے بھر دے تو کیا یہ دعوت ہوگی یہ تو مسخرا پن ہوگا۔

اسی طرح جو چیزیں زوائد میں سے ہیں وہ سب ایسی ہی ہیں کہ ان پر حصولِ مقصود موقوف نہیں ہوتا اور وہ تنہا مقصود سے مُغنی (بے نیاز کرنے والی) نہیں ہوتیں ہاں ضروریات کے ساتھ جمع ہو جائیں تو مفید ہوتی ہیں دیکھو اگر دسترخوان پر چٹنی مربے نہوں تو وہ دعوت ضرور ہے اور اگر چٹنی مربہ ہی ہو کھانا نہ ہو تو اسے دعوت نہیں کہہ سکتے اور دونوں جمع ہو جائیں تو اعلیٰ درجہ کی اور لذیذ دعوت ہوگی

نفع تبرکات کی صورت

اسی طرح تبرکات نافع ضرور ہیں مگر انکی نافعیت کے لئے کچھ شرطیں ہیں (یعنی

ایمان وعمل صالح) جیسے گورنمنٹ اپنے وفاداروں کی رعایت کرتی ہے بشرطیکہ وہ بغاوت اور اقدام جرائم نہ کریں بلکہ تعلیم وتہذیب سے آراستہ ہوکر گورنمنٹ کی اطاعت بھی کریں تو انکا خیال دوسروں سے زیادہ کیا جاتا ہے اسی لئے سلف نے بزرگوں کی نیک اولاد کا ہمیشہ احترام کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگ بھی اولاد کا خیال رکھتے ہیں۔

میری ایک رشتہ کی پھوپھی تھیں جو بچیوں کو پڑھایا کرتی تھیں، ہمارے یہاں یہ رسم ہے کہ لڑکیاں گھروں ہی پر تعلیم پاتی ہیں انکے لئے کوئی زنانہ اسکول نہیں اور نہ یہ مناسب ہے (اس میں بہت مفاسد ہیں جن کا تجربہ رات دن ہوتا جاتا ہے) تو اسی طرح میری پھوپھی صاحبہ اپنے گھر پر لڑکیوں کو پڑھاتی تھیں اور کسی سے معاوضہ وغیرہ کچھ نہ لیتی تھیں ایک مرتبہ ان کے یہاں ایک سید کی لڑکی پڑھنے آئی وہ فرماتی تھیں کہ اسی روز رات کو میں نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا فرماتی تھیں کہ عمدۃ النساء دیکھو ذرا میری بچی کو محبت سے پڑھانا اسی طرح اور بہت سی بشارتیں اور منامات (خواب) ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اللہ کو اپنی اولاد کا خیال رہتا ہے اور آخرت میں اس نسبت سے یہ نفع ہوگا کہ حق تعالیٰ بزرگوں کی اولاد کو انہی بزرگوں کے درجے میں پہونچا دیں گے، چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (اور جو لوگ ایمان لائے اور انکی اولاد نے بھی ایمان میں انکا ساتھ دیا (یعنی وہ بھی ایمان لائے گو اعمال میں وہ اپنے آباء کے مرتبہ کو نہیں پہونچے) ہم انکی

اولاد کو بھی (درجہ میں) انکے ساتھ شامل کردیں گے اور ہم اُن (اہل جنت آباء) کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے)

اسمیں افراط وتفریط دونوں کا علاج کردیا گیا فرماتے ہیں کہ اور جو لوگ ایمان لائے اور انکی اولاد ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرتی رہے (یعنی کافر اور شریر نہو) تو ہم انکی اولاد کو بھی ان ہی کے ساتھ ملا دیں گے۔ یعنی گو عمل میں دونوں برابر نہوں مگر پھر بھی سب کو برابر کردیا جائے گا جیسے کوئی بادشاہ کہیں مہمان بنکر جائے اور اسکا بیٹا بھی اسکے ہمراہ ہو تو وہ بھی اسی جگہ ٹھہریگا جہاں بادشاہ ٹھہرے گا۔

اب یہاں کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید اس برابری کی صورت یہ ہو کہ اوپر کے درجے والوں کو نیچے کردیا جائے یا کچھ اُنکو گھٹا دیا جائے اور کچھ اِنکو بڑھایا جائے اور اوسط پورا کرکے درمیانی درجہ دے دیا جائے تو اسکا جواب دیتے ہیں:۔ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ کہ ہم بلند درجہ والوں کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے بس معلوم ہوگیا کہ برابری کی صورت یہ ہوگی کہ ناقص الاعمال کو کامل الاعمال کے درجہ میں بھیج دیا جائے گا۔ کاملین کے درجات میں کچھ کمی نہ کی جائیگی۔

اب اسکو سنکر شاید کسی کو ہوس ہوتی کہ پھر ہمکو عمل کی کیا ضرورت ہے تو آگے اسکا فیصلہ فرمایا ہے جس سے اس خیال کا استیصال ہوگیا فرماتے ہیں كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ کہ ہر شخص اپنے کئے ہوئے (اعمال) کے ساتھ مقید ہوگا۔ معلوم ہوا کہ عمل کی پھر بھی ضرورت ہے بدون عمل کے یہ دولت نصیب نہیں ہوسکتی۔

شرف نسب کی حیثیت یہاں سے یہ مسئلہ حل ہوگیا کہ شرف نسب

نافع ہے یا نہیں اس وقت اس بارہ میں غلو ہو رہا ہے بعض تو اسی کو اصل قرار دیتے ہیں اور بعض اسکو مٹاتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں اور دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ ذی نسب نہیں ہیں وہی زیادہ تر اسکو مٹاتے ہیں اور دونوں کا منشاء تکبر ہے جو لوگ نسب کو اصل قرار دیتے ہیں وہ بھی بڑا بننا چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنی بڑی چیز ہے ہمکو بڑا سمجھو اور جو اسکو مٹاتے ہیں وہ بھی بڑا بننا چاہتے ہیں کہ ہم شرفاء سے کسی بات میں کم نہیں ہیں کیونکہ شرافت نسب کوئی چیز نہیں بعض نے تو یہ کیا کہ نسبت ہی کا استیصال کر دیا اور بعض نے یہ کیا کہ اپنے کو کھینچ تان کر شرفاء میں داخل کر دیا۔

میں ایک مقام پر گیا وہاں کی چھوٹی قوموں نے اپنی چار قسمیں کرلیں، شیخ، سید، مغل، پٹھان اور اپنے محلہ کا نام بھی بدل دیا میں اس جگہ کا نام نہیں لینا چاہتا جب میں وہاں گیا تو مجھ سے بیان کی درخواست کی گئی تو اتفاقاً میں نے نسب ہی کا بیان کیا (حالانکہ مجھے اس واقعہ کی اطلاع نہ تھی نہ کسی نے مجھ سے کچھ کہا تھا) تو وہ لوگ بہت ناراض ہوئے جنھوں نے اپنے کو شرفاء میں داخل کیا تھا اور کہنے لگے کہ بھلا یہی مضمون بیان کرنے کے لئے رہ گئے تھے۔ وہ یہ سمجھے کہ وہاں کے شیخ زادوں نے یہ مضمون فرمائش کرکے بیان کرایا ہے اسلئے وہ شیخ زادوں سے بھی بہت خفا ہوئے (حالانکہ میری یہ بالکل عادت نہیں کہ فرمائشی مضمون بیان کروں بس وقت پر جو بات دل میں آجاتی ہے بیان کر دیتا ہوں)

غرض نسبت کے بارے میں یہ غلو ہو رہا ہے اور منشاء اسکا محض تکبر ہے جنھیں قدرت ہوتی ہے انکا تکبر زیادہ ظاہر ہوتا ہے اور جن کو قدرت نہیں انکے بھی برتاؤ سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ اپنے

کو بڑا بنانا چاہتے ہیں۔

چنانچہ میں ایک قصبہ میں (جسکا نام کاندھلہ ہے) گیا ہوا تھا وہاں ایک نائی نے مجھ سے مسئلہ پوچھا کہ جو شخص السلام علیکم کہنے سے چڑھے وہ کیسا ہے یہ سوال اس نے بھرے مجمع میں کیا تھا جہاں وہ رؤسا بھی موجود تھے جو اس شخص کے زعم میں السلام علیکم سے چڑھتے تھے وہ بڑے متفکر ہوئے کہ دیکھئے کیا فتویٰ لگتا ہے، میں نے کہا کہ جو السلام علیکم سے چڑھے وہ بہت برا اور جو السلام علیکم مساوات اور برابری جتانے کیلئے تان کر کہے اور لٹھ مار دے وہ اس سے بھی برا، چھوٹا آدمی بڑوں کو سلام کرے تو اسکا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بنکر نرمی سے السلام علیکم کہے لٹھ سا نہ مار دے بس اس طرح کہے جیسے بیٹا باپ کو السلام علیکم کہا کرتا ہے اس سے کوئی نہ چڑھے گا نہ کسی کو ناگواری ہوگی پس کہو السلام علیکم ہی مگر اس طرح کہو۔

جب سائل چلا گیا تو سارے رؤسا ہنسنے لگے اور کہا کہ صاحب بس تم نے اسکے مرض کو سمجھا۔ واقعی جب یہ سلام کرتا ہے تو لٹھ سا مارتا ہے جیسے کوئی برابری جتلاتا ہو اسی سے ہمکو ناگواری ہوتی ہے ورنہ آدمیت سے سلام کرے تو کون چڑھتا ہے۔ غرض شرفاء کو تو متکبر کہا ہی جاتا ہے مگر یہ غریب بھی کچھ کم نہیں ہوتے۔

ایک قصہ اس کے مقابل مجھکو یاد آگیا کہ ایک نائی کسی کا خط لیکر ایک قصبہ میں گیا وہاں جاکر اس نے السلام علیکم کہا تو شیخ زادوں نے اسے خوب پیٹا اس نے پوچھا کہ حضور پھر کیا کہوں؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت سلامت کہا کرو۔ اس کے بعد نماز جمعہ کا وقت آیا تو جب امام نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو اس نائی نے پکار کر کہا حضرت سلامت ورحمۃ اللہ، حضرت سلامت ورحمۃ اللہ۔

امام صاحب نے اسکو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے اس نے کہا کہ حضرت میرا قصہ سن لیجئے بات یہ ہے کہ میں نے یہاں کے رئیسوں کو السلام علیکم کہکر سلام کیا تھا تو انھوں نے مجھے بہت مارا اور یہ کہا کہ حضرت سلامت کہنا چاہیئے مجھے ڈر ہوا کہ اگر کہیں فرشتے بھی السلام علیکم سے خفا ہوگئے تو ان میں ایک فرشتہ ملک الموت بھی ہے وہ تو میری جان ہی نکال لیں گے اسلئے میں نے نماز میں بھی حضرت سلامت ہی کہا۔

اس پر امام صاحب نے وعظ میں ان رئیسوں کی خبر لی کہ یہ کیا واہیات بات ہے تم لوگوں کو طریق سنت سے منع کرتے ہو سو کچھ لوگ ایسے بھی ہیں

ایک اور قصہ یاد آیا کانپور میں ایک دفعہ میرے پاس دیہات کے ایک قاضی صاحب تشریف لائے اور السلام علیکم کہکر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں کہنے لگے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا فرمائیے، کہنے لگے اس "عملداری" اور "علاقہ" میں شرفاء اور غرباء میں بالکل مساوات ہوگئی البتہ صرف ایک فرق السلام علیکم کا رہ گیا تھا ہمارے مولویوں نے یہ بھی اٹھا دیا سب کے لئے وہی السلام علیکم میں نے کہا قاضی صاحب شرفاء اور غرباء میں جو فرق ہے تو یہ دینی امور میں ہے یا دنیوی امور میں۔ اگر دینی امور میں ہے تو جاکر اپنے شہر میں غرباء سے کہہ دیجئے کہ ظہر و عصر و عشاء کی تین رکعت پڑھا کرو (اور مغرب کی دو اور صبح کی ایک) اور اگر وہ مانیں تو تم چار کی پانچ اور تین کی چار اور دو کی تین پڑھا کرو تاکہ برابری نہ ہو جاوے وہ بہت ہی چپ ہوئے۔ پھر میں نے کہا کہ اب بتلائیے کہ السلام علیکم دین کا کام ہے یا دنیا کا؟ ظاہر ہے کہ دین کا

کام ہے پھر اس میں امیر و غریب کا فرق کیوں ہے؟ باقی دنیوی امور میں فرق کرنے سے ہم منع نہیں کرتے یہی فرق بہت ہے کہ تم سرھانے بیٹھے ہو اور غربار پائینتی پر بیٹھے ہیں (اگر کوئی غریب آدمی امیر کے برابر سرھانے چڑھکر بیٹھے گا تو ہم اسکو ضرور منع کریں گے)

غرض نسبت کے باب میں جانبین سے یہ غلو ہو رہا ہے کہ بعض نے اسی کو اصل قرار دے لیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بالکل کوئی چیز نہیں اسلئے میں اسکا فیصلہ کرتا ہوں جو اسی آیت کے مضمون سے اور اسی مقام سے مستنبط ہوتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اسوقت جو لوگ شریف ہیں اور اپنے کو صدیقی یا فاروقی یا سید کہتے ہیں تو وہ بتلائیں کہ انکے اسلاف میں شرف کہاں سے آیا؟ ظاہر ہے کہ یہ حضرات مُنْتَسَبْ اِلَیْہِم" جنکی طرف نسبت کیجارہی ہے" چونکہ دین میں کامل تھے اسلئے انکی طرف انتساب شرف کا سبب ہوگیا تو اصل وجہ شرف دین و ایمان ٹھہرا یہی سبب ہے ہمارے اسلاف کے شرف کا اور اسی وجہ سے انکی طرف انتساب بھی سبب شرف ہوگیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اسکے ساتھ وہ حضرات عالی خاندان بھی تھے مگر تنہا یہی سبب شرف نہیں (کیونکہ عالی خاندان تو ابوجہل و ابولہب بھی تھے مگر انکی طرف انتساب کسی کو بھی گوارا نہیں) بلکہ اسکے ساتھ چونکہ ان حضرات کا کمال دین بھی مل گیا ہے اس لئے انتساب میں شرف آگیا تو یہ بالکل بے اصل چیز نہیں ہے بلکہ شریعت نے اس شرف کا اعتبار کیا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔　　(جاری)

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

غیبت ایک عظیم گناہ

(۴)

گفتگو کا رخ بدل دو

جن حالات میں جس دور اور معاشرے سے ہم لوگ گذر رہے ہیں اسکے اندر یہ کام ہے تو مشکل اس میں کوئی شک نہیں لیکن اگر اس سے بچنا انسان کے اختیار سے باہر ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسکو حرام نہ کرتے اسلئے اس سے بچنا انسان کے اختیار میں ہے۔ جب کبھی مجلس کے اندر گفتگو کا موضوع تبدیل ہوتو اسکو واپس لے آؤ اور اگر کبھی غیبت کے اندر مبتلا ہو جاؤ تو فوراً استغفار کرو اور آئندہ نہ بچنے کے لئے دوبارہ عزم کو تازہ کرو۔

غیبت تمام خرابیوں کی جڑ

یاد رکھو یہ غیبت ایسی چیز ہے جو فساد پیدا کرنے والی ہے۔ جھگڑے اس کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں، باہمی نااتفاقیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں اور معاشرے میں اس وقت جو بگاڑ نظر آرہا ہے اس میں بہت بڑا دخل اس غیبت کا ہے۔ اگر کوئی شخص شراب پیتا ہو، العیاذ باللہ، تو جو شخص ذرا بھی دین سے تعلق رکھنے والا ہے وہ اسکو بہت بری نگاہ سے دیکھے گا اور اسکو برا سمجھے گا اور یہ سوچے گا کہ یہ شخص بری لت کے اندر مبتلا ہے اور جو شخص مبتلا ہو وہ خود یہ سوچے گا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہو رہی ہے میں ایک بڑے

گناہ کے اندر مبتلا ہوں لیکن ایک شخص غیبت کر رہا ہے تو اس کے بارے میں اتنی برائی کا احساس دل میں پیدا نہیں ہوگا اور نہ خود غیبت کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں کسی بڑے گناہ کے اندر مبتلا ہوں، اسکا مطلب یہ ہے کہ اس گناہ کی برائی دلوں میں بیٹھی ہوئی نہیں اور اسکی حقیقت وہ پوری طرح اعتقاد نہیں ہے ورنہ دونوں گناہوں میں کوئی فرق نہیں ہے اگر اسکو برا سمجھ رہے ہیں تو اسکو بھی برا سمجھنا چاہئے۔ اسلئے اسکی برائی دلوں میں پیدا کرو کہ یہ کتنی خطرناک بیماری ہے۔

اشارہ کے ذریعہ غیبت کرنا

ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود تھیں باتوں باتوں میں ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آگیا اب بہ تقاضائے بشری سوکنوں کے اندر آپس میں ذرا سی چشمک ہوا کرتی ہے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد ذرا چھوٹا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کردیا کہ وہ چھوٹے قد والی ٹھگنی ہیں زبان سے یہ نہیں کہا کہ وہ ٹھگنی ہیں بلکہ صرف ہاتھ سے اشارہ کردیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے عائشہؓ آج تم نے ایک ایسا عمل کیا کہ اگر اس عمل کی بو اور اسکا زہر سمندر میں ڈال دیا جائے تو پورے سمندر کو زہریلا اور بدبودار بنادے۔ اب آپ اندازہ لگائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کے معمولی اشارے کی کتنی شناعت بیان فرمائی ہے اور پھر فرمایا کہ مجھے کوئی شخص ساری دنیا کی دولت لاکر دے دے تو بھی میں کسی کی نقل اتارنے کو تیار نہیں جس میں دوسرے کا استہزاء ہو جس میں اسکی برائی کا پہلو نکلتا ہو۔

اب تو نقل اتارنا فنون لطیفہ

غیبت سے بچنے کا اہتمام کریں

کے اندر داخل ہے اور وہ شخص تعریف و توصیف کے کلمات کا مستحق ہوتا ہے جو دوسرے کی نقل اتارنے کا فن آتا ہو حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ کوئی شخص ساری دنیا کی دولت مجھے لا کر دیدے تب بھی میں نقل اتارنے کو تیار نہیں اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے اہتمام سے ان باتوں سے روکا ہے مگر ہم لوگوں کو معلوم نہیں کیا ہو گیا کہ ہم شراب پینے کو برا سمجھیں گے، زناکاری کو برا سمجھیں گے، لیکن غیبت کو برا نہیں سمجھتے اسکو شیر مادر سمجھا ہوا ہے، کوئی مجلس اس سے خالی نہیں۔ خدا کیلئے اس سے بچنے کا اہتمام کریں۔

غیبت سے بچنے کا طریقہ

اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسکی برائی ذہن نشین کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یا اللہ یہ غیبت بڑا گناہ ہے، میں اس سے بچنا چاہتا ہوں، لیکن مجلسوں میں دوستوں، احباب اور عزیز و اقارب سے باتیں کرتے ہوئے غیبت کی باتیں بھی ہو جاتی ہیں، اے اللہ میں اپنی طرف سے اس بات کا عزم کر رہا ہوں کہ آئندہ غیبت نہیں کروں گا لیکن اس عزم پر قائم و ثابت رہنا آپکی توفیق کے بغیر ممکن نہیں، اے اللہ اپنی رحمت سے مجھے ہمت عطا فرما [illegible] فرما دیجئے۔ عزم کر کے یہ دعا کر لیں۔ یہ کام آج ہی کر لیں۔

غیبت سے بچنے کا عزم کریں

دیکھو انسان جب تک کسی کام کا عزم و ارادہ نہیں کر لیتا اس وقت تک دنیا میں کوئی کام نہیں ہو سکتا اور دوسری طرف

شیطان ہر اچھے کام کو ٹلاتا رہتا ہے۔ اچھا ایک کام کل سے شروع کریں گے جب کل آگیا تو کوئی عذر پیش آگیا اب کہا کہ اچھا کل سے شروع کریں گے، اور وہ کل پھر آتی ہی نہیں لہذا جو کام کرنا ہو وہ ابھی کر لو اسلئے کہ جس کام کو ٹلا دیا وہ ٹل گیا۔

دیکھئے اگر کسی کو روزگار نہ مل رہا ہو تو وہ روزگار کیلئے بے چین ہوگا یا نہیں؟ کسی پر اگر قرضہ ہو تو وہ قرضہ ادا کرنے کے لیئے بے چین ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی بیمار ہے تو وہ شفا حاصل کرنے تک بے چین ہے یا نہیں؟ تو پھر کیا وجہ ہے آخر ہمارے اندر اس بات کی بے چینی کیوں نہیں کہ ہم سے یہ بری عادت نہیں چھوٹ رہی ہے؟ بے چینی پیدا کرکے دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھکر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ! میں اس برائی سے بچنا چاہتا ہوں اپنی رحمت سے اس برائی سے بچا لیجئے اور ہمیں استقامت عطا فرما دیجئے دعا کرنے کے بعد اس بات کا عزم کرکے اپنے اوپر پابندی عائد کریں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس سے کام نہ چلے تو اپنے اوپر جرمانہ مقرر کر لو مثلاً یہ عزم کریں کہ جب کبھی غیبت ہوگی تو دو رکعت نفل پڑھونگا یا اتنی رقم صدقہ کرونگا اس طرح کرنے سے رفتہ رفتہ انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ اس بیماری سے نجات حاصل کرنی چاہئے اور اسکی بے چینی ایسی ہی پیدا کرنی چاہیئے جیسے بیمار آدمی علاج کرانے کیلئے بے چین ہوتا ہے اسلئے کہ یہ بھی ایک بیماری ہے اور خطرناک ترین بیماری ہے اور جسمانی بیماری سے زیادہ خطرناک

ہے اسلئے کہ یہ بیماری جہنم کی طرف لے جارہی ہے لہٰذا خود بھی اس سے بچیں اور اپنے گھر والوں کو بھی بچائیں اس لئے کہ خاص طور سے خواتین کے اندر یہ وبا بہت زیادہ عام ہے جہاں چار عورتیں بیٹھیں بس کسی نہ کسی کا ذکر شروع ہوگیا اور اس میں غیبتیں شروع ہوگئیں۔ اگر خواتین اس پر عمل کرلیں اور اس گناہ سے بچ جائیں تو گھرانوں کی اصلاح ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ سب مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

"چغلی" ایک سنگین گناہ

ایک اور گناہ جو غیبت سے ملتا جلتا ہے اور اتنا ہی سنگین ہے بلکہ اس سے زیادہ سنگین ہے وہ ہے "چغلی" عربی زبان میں اسکو "نمیمہ" کہتے ہیں اردو زبان میں اسکا ترجمہ چغلی سے کیا جاتا ہے لیکن اسکا یہ صحیح ترجمہ نہیں ہے اسلئے کہ نمیمہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کی کوئی برائی دوسرے کے سامنے اس نیت سے کی جائے تاکہ سننے والا اسکو کوئی تکلیف پہونچائے اور یہ شخص خوش ہو کہ اچھا ہوا اسکو یہ تکلیف پہونچی، یہ ہے نمیمہ کی تعریف اور اس میں ضروری نہیں کہ جو برائی اس نے بیان کی ہو وہ حقیقت میں اسکے اندر موجود ہو چاہے وہ برائی اسکے اندر موجود ہو یا نہ ہو لیکن تم نے محض اس وجہ سے اسکو بیان کیا تاکہ دوسرا شخص اسکو تکلیف پہونچائے یہ "نمیمہ" ہے۔

چغلی غیبت سے بدتر ہے

قرآن و حدیث میں اسکی بہت زیادہ مذمت اور برائی بیان کی گئی ہے اور غیبت سے بھی زیادہ شدید اس وجہ سے ہے کہ غیبت میں

نیت کا برا ہونا ضروری نہیں کہ جس کی میں غیبت اور برائی کر رہا ہوں اسکو کوئی تکلیف اور صدمہ پہونچے لیکن نمیمہ میں یہ دونوں باتیں ضروری ہیں اس لئے یہ نمیمہ دو گناہوں کا مجموعہ ہے ایک تو اسمیں غیبت ہے دوسرے یہ کہ دوسرے مسلمان کو تکلیف پہونچانے کی خواہش اور نیت بھی ہے اسلئے اس میں ڈبل گناہ ہے اور اسی لئے قرآن و حدیث میں اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں چنانچہ فرمایا کہ

هَمَّازٍ مَّشَّاءٍۭ بِنَمِيمٍ . (سورۃ القلم: ۱۱)

کا فروں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دوسروں کے اوپر طعنے دیتا ہے اور چغلیاں لگاتا پھرتا ہے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ (بخاری کتاب الادب باب مایکرہ من النمیمۃ)

"قتات" یعنی چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ قتات۔ بھی چغلخور کو کہتے ہیں۔

عذاب قبر کے دو سبب

اور ایک حدیث مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک جگہ پر دیکھا کہ دو قبریں بنی ہوئی ہیں جب آپ ان قبروں کے قریب پہونچے تو آپ نے انکی طرف اشارہ کرتے ہوئے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَان ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر عذاب قبر منکشف فرما دیا تھا۔ یہ عذاب قبر ایسی چیز ہے کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قبر کے اندر عذاب ہوتا ہے

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے اس عذاب کی آوازیں ہم لوگوں سے چھپا لی ہیں، ورنہ اگر اس عذاب کی آوازیں ہم لوگ سنتے تو پھر تو کوئی انسان زندہ نہ رہ سکے اور زندگی میں کوئی کام نہ کر سکے اسلئے یہ انکی رحمت ہے کہ اسکو چھپا لیا ہے البتہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے کسی بندے پر اسکو ظاہر بھی فرما دیتے ہیں۔

بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہوا کہ ان دونوں قبروں پر عذاب ہو رہا ہے۔ پھر صحابۂ کرامؓ سے پوچھا کہ تمھیں معلوم ہے کہ ان دونوں کو کس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے؟ پھر فرمایا ان کو ایسی دو باتوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے کہ ان باتوں سے بچنا ان کے لئے کچھ مشکل نہیں تھا اگر یہ لوگ چاہتے تو آسانی سے بچ سکتے تھے لیکن یہ بچے نہیں اسکی وجہ سے یہ عذاب ہو رہا ہے۔ ایک یہ کہ ان میں سے ایک صاحب پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتے تھے، احتیاط نہیں کرتے تھے مثلاً ایسی جگہ پر پیشاب کر دیا جسکی وجہ سے جسم پر چھینٹیں آ گئیں خاص طور سے اس زمانے میں اونٹ بکریاں چرانے کا بہت رواج تھا اور ہر وقت ان جانوروں کے ساتھ رہنا ہوتا تھا جسکی وجہ سے اکثر انکی چھینٹیں پڑ جاتی تھیں۔ اس سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۴۹)

پیشاب کی چھینٹوں سے بچئے

یہ بڑی فکر کی بات ہے الحمد للہ ہمارے یہاں اسلام میں طہارت کے آداب تفصیل سے سکھائے ہیں کہ کس طرح طہارت کرنی چاہیئے لیکن آج مغربی تہذیب کے زیر اثر ظاہری

صفائی ستھرائی کا تو بڑا اہتمام ہے لیکن طہارت شرعیہ کے اہتمام کی طرف دھیان نہیں بیت الخلاء ایسے طریقوں سے بنائے جاتے ہیں کہ ان میں چھینٹوں سے احتیاط نہیں ہوتی

اور ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اِسْتَنْزِهُوا عَنِ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۸)

یعنی پیشاب سے بچو اس لئے کہ اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پیشاب کی چھینٹوں کے جسم پر لگ جانے اور کپڑوں پر لگ جانے کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے اسلئے اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے

چغلی سے بچئے

اور دوسرے صاحب کو اسلئے عذاب ہو رہا کہ وہ دوسروں کی چغلی بہت کیا کرتے تھے اسکی وجہ سے قبر میں عذاب ہو رہا ہے لہٰذا اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چغلی کو قبر کے عذاب کا سبب قرار دیا اسلئے یہ چغلی کا عمل غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے اسلئے کہ اس میں بدنیتی سے دوسروں کے سامنے برائی بیان کرتا ہے تاکہ دوسرا شخص اسکو تکلیف پہنچائے۔

(جاری)

مولانا محمد اسحٰق صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

کتاب الجمعہ
(تادیب و تہذیب)
(۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز بارہ گھڑیاں ایسی (مستجاب الدعوات) ہوتی ہیں کہ جو کوئی مسلمان بندہ (قسمت سے) انکو پالے تو جو کچھ بھی خدا سے اس میں مانگے گا اللہ پاک وہی عطا فرمائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان گھڑیوں کو عصر کے آخری وقت میں تلاش کرو۔ اسکو ابو داؤد، نسائی نے روایت کیا۔ یہ الفاظ نسائی کے ہیں۔ نیز حاکم نے روایت کیا اور علی شرط المسلم کہا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل جیسا کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے یہ ہے کہ

صحابہ کرام اور دیگر علمائے امت میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ امید افزا ساعت عصر کے بعد غروب شمس سے قبل ہے۔ چنانچہ یہی رائے امام احمدؒ اور امام اسحٰق کی ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبولیت دعا کی ساعت بعد نماز عصر ہے گو یہ بھی ممکن ہے کہ زوال کے بعد ہو (جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے)۔ چنانچہ اسکے بعد عمرو بن عوفؓ والی پہلی حدیث

(بطریق تائید) نقل کی ہے

حافظ ابوبکر بن منذر فرماتے ہیں کہ جمعہ کی اس ساعت میں قبولیت کی تعیین کے بارے میں علماء، امت اور حضرات صحابہؓ کا اختلاف ہے (منجملہ دیگر اقوال کثیرہ کے آٹھ صحیح تر قول اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں)۔ (۱) صبح صادق کے بعد سے آفتاب طلوع ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک۔ یہ حضرت ابوہریرہؓ سے ہم نے روایت کیا ہے (۲) حضرت حسن بصریؒ اور ابوالعالیہ کی رائے ہے کہ یہ ساعت زوال کے وقت ہے (۳) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ یہ اس وقت سے جب مؤذن جمعہ کی نماز کے لئے (دوسری) اذان دیتا ہے۔ (۴) حضرت حسن بصریؒ ہی سے ہم نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ وہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے ملیکر نماز کے فارغ ہونے تک ہے۔ (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ وقت ہے جس کو اللہ پاک نے نماز (جمعہ) کے لئے پسند فرمایا ہے۔ (۶) ابوالسوار فرماتے ہیں کہ لوگ زوال آفتاب اور نماز کے درمیان میں دعا کو مقبول سمجھا کرتے تھے (۷) ہم نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ ساعت آفتاب کے ایک بالشت ڈھل جانے کے بعد سے لیکر بقدر ایک ذراع ڈھل جانے کے درمیان میں ہے (۸) یہ ساعت نماز عصر اور غروب آفتاب کے درمیان میں ہے۔ یہ حضرت ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن سلامؓ اور طاؤسؒ کی رائے ہے۔ واللہ اعلم۔

ف: احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت بہت تھوڑا ہے حتیٰ کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

اسکی کمی انگلی کے پوروے سے اشارہ کر کے بیان فرمایا ہے۔ نیز اسکی تعبیر ساعت کے ساتھ جسکے معنی گھڑی کے ہیں خود اسکی قلت کی شاہد ہے اسکی تعیین کے بارے میں احادیث مختلف وارد ہیں اس وجہ سے صحابہؓ اور دیگر علمائے امت کے اقوال بھی اسکی تعیین کے بارے میں مختلف ہیں جنکی تعداد اڑتالیس تک پہونچتی ہے۔ چنانچہ ان میں سے آٹھ تو حافظ منذری نے بیان کئے۔ لیکن حقیقت میں اکثر اقوال انہی دونوں کے قریب آجاتے ہیں جو فی الواقع مختلف ہیں اور ان میں سے ایک کو حنفیہ نے لیا ہے اور دوسری کو شوافع نے (۱) عصر و مغرب کے درمیان؛ اسکے لئے اکثر احادیث شاہد ہیں۔ چنانچہ امام احمدؒ کی تصریح اسکے متعلق گذر چکی یہی اسحٰق کا مذہب ہے اور یہی حنفیہ اور حنابلہ کا مختار ہے (۲) خطبہ اور نماز کے درمیان میں یہ مختار شوافع ہے بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ دونوں وقتوں میں یہ ساعت ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ اور شاہ ولی اللہؒ صاحب کی یہی رائے ہے گویا ان حضرات نے تطبیق احادیث کو ملحوظ رکھا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ پاک نے رمضان شریف میں لیلۃ القدر کو مخفی رکھا ہے اسی طرح جمعہ کے دن میں ساعت اجابت کو بھی پوشیدہ رکھا تاکہ راغبین کا اکثر وقت اس کی تلاش کی وجہ سے عبادت میں گذرے اور جمعہ کا تمام دن عبادت میں صرف ہو۔ واللہ اعلم۔

جمعہ کے روز غسل کرنے کی ترغیب

غسل جمعہ کی فضیلت کے متعلق اس سے پہلے باب میں نبیشہ

نیز علیؓ، سلمان فارسیؓ، اوسؓ بن اوس، عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کی احادیث گذر چکی نیز ابوبکرؓ اور عمران بن حصینؓ کی حدیثیں بھی پہلے آچکی ہیں کہ جن میں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے روز غسل کریگا اسکے گناہوں اور خطاؤں کا کفارہ ہوجائیگا الیٰ آخر الحدیث۔

(یہ حدیث ضعیف ہونے کی وجہ سے ترجمہ نہیں کی گئی)۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز کا غسل خطاؤں کو بالوں کی جڑوں سے کھینچ لاتا ہے اسکو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے۔ روات اسکے ثقات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن ابی قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جمعہ کے روز غسل کررہا تھا کہ اتنے میں میرے والد ابو قتادہ تشریف لے آئے اور فرمانے لگے کہ یہ تم جنابت (ضرورت اور ناپاکی) کی وجہ سے غسل کررہے ہو یا جمعہ کیلئے میں نے عرض کیا کہ ضرورت کی وجہ سے فرمایا تو دوبارہ غسل کرلینا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ ایک جمعہ کو غسل کرنے سے دوسرے جمعہ تک انسان پاک صاف رہتا ہے۔

اسکو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اسناد انکی قریب حسن ہے نیز ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے اسکو سوائے ہارون یعنی ابن مسلم صاحب حنا کے اور کسی نے روایت نہیں کیا، مگر حاکم نے بلفظ طبرانی روایت کیا اور علیٰ شرط الشیخین تصحیح کی۔ نیز ابن حبان نے اپنی صحیح میں اسکو اس طرح روایت کیا کہ جو شخص جمعہ کے روز غسل کرلیتا ہے وہ آئندہ جمعہ تک طاہر رہتا ہے۔ (جاری)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ

چند نیکیاں اور ایصالِ ثواب

(۴)

جمعہ کے دن درود و سلام کا ثواب

درود و سلام بڑی محبوب اور بڑی مقبول عبادت ہے اور آخرت میں کاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہونے کا اہم ذریعہ ہے احادیث طیبہ میں اسکے بڑے فضائل آئے ہیں اُن میں جمعہ کے دن کے درود وسلام کی کثرت کرنے کی خاص تاکید و ترغیب ہے اور سب سے افضل درود ابراہیمی ہے اور سب سے چھوٹا درود صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ یا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ہے ان سے بھی درود شریف کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے ۔ اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ ہوں

شفاعت کرنا اور گواہ بننا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن اورشب جمعہ میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ جو شخص ایسا کرے گا میں قیامت کے دن اسکے لئے گواہ اور سفارشی ہونگا۔ (کنز ص ۴۸۹ ج ۱)

نورِ عظیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن

مجھ پر سو مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اسکے ساتھ (ایک ایسا) نور ہوگا کہ اگر وہ ساری مخلوق پر تقسیم کر دیا جائے تو ان سب کے لئے کافی ہو۔ (کنز ص ۵۰۷ ج ۲)

دو سو سال کے گناہ معاف

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص جمعہ کے دن دو سو مرتبہ مجھ پر درود شریف پڑھے اسکے دو سو سال کے گناہ (صغیرہ) معاف کر دیئے جائیں گے۔
(کنز ص ۵۰۷ ج ۲)

سو حاجتیں پوری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص جمعہ کے دن اور شب جمعہ میں مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اسکی سو حاجتیں پوری فرماتے ہیں ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی اور اللہ تعالیٰ اسکے اس درود کو مجھ تک پہونچانے کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرماتے ہیں جو اسکو میری قبر میں (اسطرح) پیش کرتا ہے جس طرح تمھاری خدمت میں تحفے پیش کئے جاتے ہیں اور بلاشبہ میری وفات کے بعد میرا علم ایسا ہی ہے جیسے میری زندگی میں ہے۔ (کنز ص ۵۰۷ ج ۲)

۱۵ منٹ میں دس قرآن کریم کا ثواب

قرآن کریم بڑی مبارک کتاب ہے اسکو دیکھنا عبادت ہے اس کی تلاوت

بڑے اجر وثواب کا باعث ہے اور اسکو سمجھنا اور اسکے احکام پر عمل کرنا اسکا اصل مقصد ہے اسلئے عمل اور تلاوت دونوں باتوں کا اہتمام کرنا چاہیئے اور عمل کے ساتھ روزانہ ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ قرآن کریم کی تلاوت بھی کرنی چاہیئے۔ ایک سال میں کم ازکم ایک قرآن کریم ختم کرنا اسکا حق ہے نیز احادیث طیبہ میں قرآن کریم کی بعض چھوٹی سورتوں کے بڑے فضائل آئے ہیں اسلئے اگر مسلمان روزانہ یہ سورتیں بھی پڑھ لیا کریں تو مختصر وقت میں مختصر تلاوت ہوجایا کرے اور حق تعالیٰ کے فضل سے ثواب عظیم بھی ملتا رہے۔

سورۂ فاتحہ

حدیث شریف میں سورۂ فاتحہ کو دو تہائی قرآن کریم کے برابر فرمایا ہے (کنزالعمال ص۱۵۵) اس لحاظ سے اسکو تین مرتبہ پڑھنے کا ثواب دو قرآن کریم پڑھنے کے برابر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ٥

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ
نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ

(جاری)

خبریں

گذشتہ ماہ نہایت رنج وغم کے عالم میں یہ خبر سنی گئی کہ محترم مطیع اللہ ماموں (فتحپور) اس عالم فانی سے رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف عرصہ سے بیمار ضعف ونقاہت میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا، وصال سے ہفتہ عشرہ پہلے بیماری نے شدت کی اور ہم سب کو سوگوار کرکے چلی گئی۔ مرحوم ابتدا ہی سے حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ سے تھے حضرتؒ کے وصال کے بعد بھی حضرت والا علیہ الرحمہ کے ادارہ کے مخلص ومعاون رہے ا آثار و یادگار کے تحفظ کیلئے سینہ سپر رہے۔

نہایت ذہین، معاملہ فہم، خوش مزاج اور خلیق انسان تھے۔ قانونی پیچیدگیوں موشگافیوں کے دانا۔ انکا پورا خانوادہ حضرت والا قدس سرہٗ سے گہری عقیدت رکھنے والوں محبت وتعلق کا یہ رشتہ آج تک قائم ہے۔ اللھم زد فزد

اسی تعلق کی مضبوطی اور جذبۂ ایثار کو دیکھکر حضرت اقدس شاہ قاری محمد مدظلہ العالی نے موصوف کو حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ کے آبائی وطن میں واقع خا کی مسجد و خانقاہ اور مدرسہ کے لئے قانونی امور کی نگرانی انھیں کے سپرد فرمائی تھی اپنے فرائض نہایت ذمہ داری اور خلوص کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

یہ صدمہ جملہ اہل ادارہ کے لئے، بالخصوص حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کے لئے باعث رنج والم ہے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ جملہ متعلقین اور اور اہل وعیال کو صبر جمیل عطا فرمائے، انکے برادران بالخصوص محترم الحاج زکی ا خانصاحب ساکن بمبئی کو (جن سے حضرت والا علیہ الرحمہ کا تقریباً پورا حلقہ واقف ـ صبر وضبط کی قوت اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ آمین۔

حامل مضامین تصوف و عرفان ، افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:۔ احمد مکین

شمارہ ۱۰ ۔ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۴۲۰ھ مطابق اکتوبر سنہ ۹۹ء جلد: ۲۲

قیمت فی پرچہ آٹھ روپیہ سالانہ زر تعاون اسّی روپیہ ششماہی پینتالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین۔ ۲۳/۲۵۔ بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر مولوی احمد متین : اسرار کریمی پریس حسین گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

اعلان

جنوری ۲۰۰۰ء سے رسالہ وصیۃ العرفان کا زرِ تعاون حسب ذیل ہوگا

سالانہ	نوّے ۹۰ روپیہ
ششماہی	پچاس ۵۰ "
فی پرچہ	آٹھ ۸ "

پیش لفظ :-

آہ! ماسٹر صغیر حسن صاحب مرحوم

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۝

سیدنا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بادشاہ مصر ہوئے تو اپنے رب کے حضور یوں دعا گو ہوتے ہیں :- "اے میرے رب زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے آپ ہیں۔ آپ ہی دنیا و آخرت میں میرے کارساز ہیں، آپ ہی نے مجھے بادشاہت عطا کی، (لیکن اس بادشاہت کی بنا پر ایسا نہ ہو کہ میرا حشر بادشاہوں کے ساتھ ہو) بلکہ میری وفات حالت اسلام میں ہو اور میں زمرۂ صالحین میں شامل رہوں"۔

شاید کہ یہی جذبہ ہمارے ماسٹر صغیر حسن صاحب مرحوم میں تھا، انکی تمنا بارآور ہوئی اور وہ کشاں کشاں خانقاہ وصی اللہی تک پہونچا دیئے گئے ؎

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

جناب صغیر حسن صاحب ہمارے حلقہ میں ماسٹر صاحب کے نام سے مشہور تھے حالانکہ ملازمت کے اعتبار سے پہلے تحصیلدار اور بعد میں اے۔ ڈی۔ سی (A.D.C) ہو کر ۱۹۶۵ء میں ریٹائر ہوئے، ملازمت کا اکثر حصہ انگریزوں کے زمام اقتدار میں گذرا اسلئے اصول و ضابطہ اور آفیسرانہ خو بدرجۂ اتم موجود تھی، خود ہی کہا کرتے اس زمانہ میں ہندوستانی کم اور صاحب بہادر بننے کی کوشش زیادہ رہتی، پینٹ شرٹ، سوٹ بوٹ اور ٹائی کریز کی درستگی کا خیال و اہتمام ہر دم رہتا، لیکن توفیق خداوندی دیکھئے کیسے تلب ماہیت ہوتی ہے یہی تحصیلدار صاحب حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی سے متعلق ہو جاتے ہیں، مجلس میں آمد و رفت شروع ہوتی ہے، اُنس بڑھتا جاتا ہے، تبدیلی گہری ہوتی جاتی ہے، اپنے اوقات کا زیادہ حصہ دینی ماحول میں گذارنے کے خواہش مند ہوتے ہیں، اپنے شیخ کے حکم سے مکتب میں اطفال کے پڑھانے

کی ذمہ داری لوجہ اللہ قبول کرتے ہیں، نگاہ اگر مکتب کی جانب اٹھتی ہے تو استاذ کی جگہ ایک خالص مولویانہ وضع کا متشرع آدمی نظر آئیگا، شرعی پاجامہ، لمبا کرتا اور سر کلاہ اشرفی سے آراستہ باوضع بزرگ شخصیت۔ نہ شرم نہ عار اور نہ تکلف نہ پرہیز اور نہ چٹائی اور بوریا نشینی سے احتراز۔ ایک عرصہ تک مدرسہ وصیۃ العلوم کے مکتب میں بغیر کسی مشاہرہ کے بچوں کو تعلیم دیتے رہے۔ اسی اثنا میں دفتر رسالہ وصیۃ العرفان میں ایک ایسے شخص کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی جو عصری زبان سے واقف ہو اور دفتری امور کی ذمہ داری ادا کر سکتا ہو یہ قرعۂ نیک فال بھی انھیں کے نام نکلا۔ مکتب سے دفتر میں آ گئے، فرض شناسی اور خوش سلیقگی کو دیکھتے ہوئے انھیں رسالہ وصیۃ العرفان کا پبلشر بنا دیا گیا۔ ماسٹر صاحب نے اپنی انتھک محنتوں سے رسالہ کو خود کفیل بنا دیا اور اپنے اوقات کا اکثر حصہ رسالے کے امور کی انجام دہی کیلئے انھوں نے وقف کر دیا تھا یہ ساری تگ و دو اور محنت و سعی بغیر کسی مشاہرہ کے محض رضائے الٰہی کی خاطر انجام دیتے اور تاحیات رسالہ کے پبلیشر رہے اگرچہ گذشتہ چند سالوں سے ضعف و نقاہت میں اضافہ کے باعث آمد و رفت سے معذور ہو گئے اور قویٰ بھی مضمحل ہو گئے تو دفتری امور کی انجام دہی سے سبک دوش ہو گئے۔

وسط مئی میں خانقاہ تشریف لائے، دفتر میں آ بیٹھے متعلق کا غذات کی دیکھ بھال کی لوگوں سے مل کر اپنے بڑے صاحبزادے کے یہاں کانپور روانہ ہوئے وہیں پر کچھ طبیعت خراب ہوئی صورت حال دگرگوں ہوتی گئی، چند یوم قبل سے سارے بچوں کو جو کہ مختلف شہروں میں تھے اپنے پاس بلا لیا، سب سے معافی تلافی کی، بظاہر ہوش و حواس درست، نماز و اذکار وغیرہ جاری، اہل خانہ کے گمان میں بھی نہیں ہے کہ یہ سفر آخرت کی تیاری ہے۔ بالآخر ۲ جون ۱۹۹۹ء کو بعد مغرب گفتگو وغیرہ کرتے ذکر و کلمۂ شہادت کا ورد کرتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

قارئین رسالہ سے گذارش ہے کہ مرحوم کی مغفرت اور ترقیٔ درجات کے لئے خصوصی طور پر دعاء فرمائیں نیز پسماندگان کیلئے صبر جمیل کی۔

مدیر

ضروری اعلان

تمام خریداران حضرات سے گذارش ہے کہ خط وکتابت کرتے وقت نیز منی آرڈر بھیجتے وقت اپنا پورا پتہ ساتھ ہی خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

منی آرڈر کی روانگی کے بعد بذریعہ خط نام و پتہ اور تعداد رقم سے مطلع ضرور کریں۔

جو منی آرڈر بذریعہ کمپیوٹر آتے ہیں وہ لوگ بالخصوص خط کے ذریعہ ضرور اطلاع دیں اس لئے کہ ان منی آرڈروں میں تمام تفصیلات غائب رہتی ہیں۔

مندرجہ ذیل منی آرڈر ہمیں ایسے موصول ہوئے ہیں جن میں پتے یا تو نامکمل ہیں یا بالکل نہیں ہیں۔ نامکمل پتوں پر خطوط لکھے گئے لیکن جواب نہیں ملا، منی آرڈر بھیجنے والوں نے بھی کوئی خط نہیں لکھا اسلئے یہ تفصیل شائع کیجارہی ہے تاکہ جن حضرات نے یہ منی آرڈر بھیجے ہیں وہ ہمیں فوراً مطلع کریں اور اپنا پتہ بھی تحریر فرمائیں تاکہ ہم تعمیل کرسکیں اگر کوئی جواب نہ آیا تو یہ رقم رسالہ کے مد میں خرچ کردی جائیگی۔

نام اور پتہ	رقم	تاریخ وصول	تفصیل
۱۔ قاری حبیب الرحمن رحمانی۔ مدرسہ حسینیہ تعلیم القرآن Haya ghat Bilaspur Darbhnga	70/-	-	۴ جنوری ۹۹ء کو خط لکھا گیا لیکن جواب نہیں آیا۔
۲۔ Sabnam - H/2 42 Sector 15 Rawrkela 769003	171/-	10-8.98	۲۵ اگست کو خط لکھا گیا لیکن جواب نہیں آیا۔
۳۔ ... گنیش وادی - کولہاپور	70/-	23.10-98	نام و پتہ غائب
۴۔ 〃 〃 〃	80/-	23.10-98	پوسٹ مین کے رجسٹر سے معلوم ہوا کہ گنیش وادی سے بک کرایا گیا۔
۵۔ مفتی سلیم احمد بہرائچی۔ امام مسجد لوکاپور ۱ اشتا ضلع سیہور - ایم-پی	80/-	5.4.98	۲۹ اپریل کو خط لکھا گیا کوئی جواب نہیں آیا۔
۶۔ جی۔ کے انیس احمد عظیم باغ - بنجارپور ضلع بھدرک	150/-	-	۱۶ جون کو شفیق الرحمن صاحب کو خط لکھا لیکن انھوں نے لاعلمی ظاہر کی
	621/-		

امانت علی عفی عنہ

دفتر رسالہ وحدة الفرقان - [illegible] بازار - الہ آباد

211003

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ

مجلسِ ششم

(علماء ربانیین کے کلام میں تکرار کا منشاء)

(۱)

فرمایا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ مقاصد قرآن چھ ہیں اور اس سلسلہ میں امام غزالیؒ کا قول آپ کو دکھلایا تھا کہ تین ان میں سے مہم ہیں اور تین متمم۔ مہمات یہ ہیں: تعریف المدعو الیہ (یعنی جس کی طرف دعوت دی گئی ہے یعنی اللہ تعالےٰ کا بیان اور اسکی تعریف) اور تعریف الصراط المستقیم (یعنی اسکا بیان کہ صراط مستقیم کیا کیا امور ہیں) اور تعریف الحال عند الرجوع الیہ تعالیٰ (یعنی اسکا بیان کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کے وقت کیا حال ہوتا ہے)۔

آپ کہیں گے کہ کل تو اسی مضمون کو بیان کر چکے ہو تو میں کہونگا کہ پھر کیا حرج کی بات ہے شاید کچھ لوگ آج نئے آئے ہوں وہ اس مضمون کو سن لیں گے، نیز یہ تو قرآن شریف کا بھی طرز ہے کہ وہ ایک ہی مضمون کو بار بار بیان کرتا ہے اللہ تعالےٰ خود فرما رہے ہیں کہ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا یعنی ہم نے قرآن میں ایک ہی مضمون کو جو بار بار بیان کیا ہے تو اس لئے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

امام بخاریؒ نے بھی اپنی کتاب میں ایک حدیث کو متعدد جگہ

مختلف ابواب میں لائے ہیں اور ہر جگہ اس سے ایک نیا حکم اور نیا مسئلہ مستنبط فرمایا ہے

اور بقیہ تین امور جو متمم ہیں وہ یہ ہیں:۔ تعریف احوال المطیعین (فرمانبرداروں کے احوال کا بیان) حکایت اقوال الجاحدین (منکرین کے اقوال کا بیان) اور منازل طریق۔

چنانچہ جو شخص منازل طریق کو بیان کرتا ہے وہ مربی کہلاتا ہے اور کسی مربی کے لئے شفیق ہونا ضروری ہے اور جب شفقت ہوگی تو اسے اس امر کا لحاظ کلی ضرور ہوگا کہ کلام مخاطب کے ذہن نشین کر دیا جائے اسلئے تکرار ناگزیر ہے۔ یہی حال حضرات مشائخ کا ہوتا ہے کہ وہ ایک بات کو بار بار اسلئے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ اسکو سمجھ لیں اسکا نام تربیت ہے یہ کوئی نماز نہیں ہے کہ ایک دفعہ پڑھ لی گئی تو ع

بس ہو چکی نماز مصلّی اٹھایئے۔

مشائخ جو ذکر کرنے کو بتاتے ہیں تو کیا صرف ایک بار اللہ کہہ لینے سے کام بن جاتا ہے یا ایک بار درود شریف پڑھنا کافی ہوتا ہے؟ بزرگوں نے تو لاکھوں لاکھ بار ذکر کیا ہے تب انھیں کچھ حاصل ہوا ہے۔

عرب میں ایک فصیح و بلیغ شخص تھا سحبان وائل اس کی تعریف میں البتہ یہ مشہور ہے ایک بار جو کلام کرتا تھا اسکو دہراتا نہ تھا' یہ تو ضابطہ کی بات ہوئی رابطہ کی بات نہوئی وہ شخص شفقت سے خالی تھا مربی یا شفیق ہوتا تو بار بار بیان کرتا ضابطہ کا معاملہ اور ہوتا ہے اور شفقت اور رابطے کا اور۔

سیدنا حضرت تھانوی کا واقعہ ایک صاحب سفر میں حضرت سے ملے اور یہ کہا کہ آپ نے شاید ہمکو

نہ پہچانا ہوگا میں وہی شخص ہوں جس نے فلاں موقع پر آپ سے یہ سوال کیا تھا، لیکن یہ تو فرمایئے کہ آپ نے ایسا خشک جواب کیوں مرحمت فرمایا تھا (ان صاحب نے کسی موقعہ پر حضرتؒ سے یہ دریافت کیا تھا کہ غیر مسلم سے سود لینا کیوں حرام ہے؟ حضرتؒ نے اس پر لکھدیا کہ انکی عورتوں سے زنا کیوں حرام ہے؟ اسی کو وہ خشک جواب سے تعبیر فرمارہے تھے) حضرتؒ نے فرمایا اتّاہ آپ سے تو بڑا نبی بے تکلفی نکلی۔ بات یہ ہے کہ ہر انسان کا سابقہ دو طرح کے لوگوں سے ہوتا ہے چنانچہ کسی سے تو وہ ضابطہ کا معاملہ کرتا ہے اور کسی سے رابطہ کا معاملہ کرتا ہے آپ کے معاملات بھی اپنے ملنے جلنے والوں سے دو طرح کے ہوتے ہوں گے تو پہلے میں آپ سے واقف نہ تھا اسلئے ضابطے کا جواب آپ کو دیدیا اب آپ سے تعلقات ہو گئے ہیں اب آپ کو ویسا جواب نہ دیا جائے گا لیکن ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ جس طرح سے اس ملاقات کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے ضابطہ کے معاملے کو رابطہ سے بدل دیا ہے اسی طرح سے آپ پر بھی یہ اثر ہونا چاہئے کہ اب آپ ایسا بیہودہ سوال دوبارہ نہ کیجئے گا۔

بہرحال میں کہہ یہ رہا تھا کہ تربیت میں اور شفقت کے لئے تکرار ضروری ہے کسی بات کو ایک بار کہہ دینا اور پھر باوجود ضرورت کے دوبارہ نہ کہنا یہ تو ضابطہ ہوا لیکن محبت کا تقاضا تو یہی ہے کہ باربار کہا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی بندوں کے ساتھ محبت و شفقت ہی کا ہے اسی جذبہ سے متاثر ہو کر ہم لوگ بھی کبھی کبھی ایک بات کو مکرر سہ کرر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کی سمجھ میں اچھی طرح سے آجاوے۔ اب تو آپکی سمجھ میں بھی آگیا ہوگا کہ میں اسکو کیوں بیان کر رہا ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ارشاد گرامی کی تشریح

دیکھئے یہ میرے سامنے تفہیماتِ الٰہیہ ہے سنیئے! اس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کیا فرماتے ہیں لکھتے ہیں کہ " اللہ تعالیٰ کی ان بڑی نعمتوں میں سے جنکا شکرادا کرنے کی بندے طاقت نہیں رکھتے ایک بڑی نعمت انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہے جو کہ غیب کے ترجمان ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے راستے کے ہادی ہیں اسی کو میں نے کہا ہے کہ منازل طریق بیان کرنے کے لئے جس طرح قرآن آیا ہے اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام بھی بھیجے گئے ہیں اور پھر آپؐ ہی کی نیابت میں علماء و مشائخ ہر زمانہ میں اسی کام کو انجام دیتے رہے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو ہدایت کرنا کچھ آسان کام نہیں نہ یہ چیز نری بکواس سے حاصل ہوسکتی ہے اور نہ ہی محض کتابوں کے مطالعہ سے اسکو حاصل کیا جاسکتا ہے اس میں ضرورت کسی اور ہی چیز کی ہوتی ہے اور وہ چیز عمل ہے اور عمل سے بھی مراد عمل قلب ہے ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم
کہ اصلے ندارد دم بے قدم

یعنی طریق میں قدم (عمل) درکار ہے نہ صرف دم (یعنی قول) کیونکہ صرف بیان وتقریر جسکے ساتھ عمل نہ ہو اسکی کچھ بھی حیثیت نہیں ہے۔

کوئی شخص مطالعۂ کتب کرے تو بہت سے بہت یہ سیر نظری ہوگی یعنی اسکو کتاب سے علم تو حاصل ہو جائے گا مگر عمل وہ کہاں سے لائے گا وہ تو کسی کی توجہ اور صحبت ہی کی برکت سے ہوگا۔ غرض سیر نظری کوئی چیز نہیں، مقصود یہ ہے کہ سیر قدمی کرو اور عمل سے وہاں پہنچو۔ مثلاً ہم کو الہ آباد جانا ہے تو اسکے لئے ہم کتاب (یعنی ٹائم ٹیبل) دیکھکر یہ تو معلوم کر سکتے ہیں کہ فلاں وقت یہاں سے گاڑی جاتی ہے

اور فلاں فلاں اسٹیشن راستے میں پڑتے ہیں اور اتنے بجے گاڑی الہ آباد پہنچ جاتی ہے اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ کتاب سے اگر صرف اس بات کا علم ہو جائے تو کیا آپ اس سے واقعی الہ آباد پہنچ جائیں گے؟ یہی مثال سیر نظری کی ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ ٹکٹ لیکر ریل پر سوار ہو جائیے اور وہ یہاں سے چل کر رکتی رکاتی وقت مقررہ پر آپ کو الہ آباد پہنچا دے۔ یہ سیر قدمی ہوئی اسکو آپ لوگ کبھی جانتے ہیں کہ دہلی پہنچنے کے لئے ٹائم ٹیبل کافی نہیں ہے لیکن افسوس ہے کہ دین کے باب میں یہ سمجھتے ہیں کہ صرف کتاب کافی ہے۔

تمام بزرگوں نے دین کے باب میں کبھی اسی سیر قدمی کو معتبر مانا ہے اور اسی کی ترغیب دی ہے۔ یہی فرمایا ہے کہ قول کافی نہیں ہے قول کو چھوڑو عمل کرو اسی کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے کہ وہ اپنے عمل سے لوگوں کو سیر قدمی کرا دیں اگرچہ سیر نظری کتاب اللہ کے ذریعہ ان لوگوں کو حاصل ہو سکتی تھی پس ان حضرات کی بعثت اسلئے ہوتی ہے تاکہ اسکے بعد جو ہلاک ہو وہ بینہ (و حجت) قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کے لئے ورثہ بنائے جنہوں نے انکے علوم پھیلائے اور انکی سنت اور طریق کو زندہ کیا اور انکیں کی لائی ہدایت کی جانب لوگوں کو دعوت دی۔ چنانچہ انبیاء کی سب سے بڑی سنت منازل طریق ہی کا بیان کرنا تھا۔ آپ تو سمجھتے ہونگے کہ سنت بس یہی ہے کہ مسجد میں داخل ہوئے تو داہنا پاؤں رکھ لیا اور نکلے تو پہلے بایاں پیر

نکالا اور پاخانہ میں اسکے برعکس کر لیا تو ٹھیک ہے یہ امور کلی سنت ہیں لیکن بڑی سنت وہ ہے جبکو آگے شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَمُعظَمُ مَا دَعَتُ اِلٰی اِقَامَتِہٖ الرُّسُلُ اُمُوۡرٌ ثَلَاثَۃٌ تَصُحِیۡحُ الۡعَقَائِدِ فِی الۡمَبۡدَءِ وَالۡمَعَادِ وَالۡمُجَازَاۃِ۔ وَتَصۡحِیۡحُ الۡعَمَلِ فِی الطَّاعَاتِ۔ وَتَصۡحِیۡحُ الۡاِخۡلَاصِ وَالۡاِحۡسَانِ یعنی حضرات انبیا علیہم السلام نے جن امور کے قائم کرنے کی دعوت دی ہے ان میں کے بڑے بڑے امور تین ہیں ایک تو کائنات اور انسان کی پیدائش اور آخرت اور جزا و سزا کے متعلق عقائد کی تصحیح کرنا اور اس شعبہ کو علماء امت میں سے متکلمین نے لیا ہے۔ دوسری چیز جنکی رُسل نے دعوت دی ہے وہ طاعات مقربہ میں عمل کی تصحیح کرنا ہے یعنی جو اعمال کہ اللہ تعالےٰ سے قریب کرنے والے ہیں انکو کس طرح ادا کیا جائے کہ مقصد حاصل ہو سکے۔ اس شعبہ کی کفالت حضرات فقہاء نے فرمائی ہے اور تیسری چیز اخلاص اور احسان کی تصحیح ہے جبکی کفالت حضرات صوفیہ صافیہ نے فرمائی ہے

احسان و اخلاص اصل دین ہے

اس کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہی اخلاص و احسان اس دین حنیفی کی اصل ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے پسند فرمایا ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ ؕ یعنی یہ لوگ نہیں حکم کیے گئے تھے مگر اس کا کہ عبادت کو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی طریقہ ہے ان درست مضامین کا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اعمال کا دارومدار

نیت پر ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں کہ احسان کیا ہے آپؐ نے فرمایا کہ احسان اسکو کہتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی ہر عبادت اس طرح سے کرو گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ حاصل نہو تو یہ تو سمجھو ہی کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

"اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ تیسری قسم جملہ مقاصد شرعیہ سے اَدَق اور بہت باریک ہے اور تمام شرائع کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے لفظ کے مقابلہ میں معنی اور جسم کے مقابلے میں روح۔ حضرات صوفیہ نے اسکو لیا اور پہلے خود مہتدی (ہدایت یاب) ہوئے پھر ہادی (اور رہنما) بنے خود بھی پیا ہے اور دوسروں کو بھی پلایا ہے اور سعادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے اور اسکا بڑا حصہ سمیٹا پس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے انکی خوبی اور کیا ہی عام ہے انکا نفع اور کیسا تام ہے انکا نور"۔

اب علماء و مشائخ کے ذمہ اس نور کا باقی رکھنا ضروری ہے سنا ہے کہ حال ہی میں ایک عالم صاحب نے طلباء اور علماء کے مجمع میں یہی تقریر کی ہے کہ اس زمانے میں روحانیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے آپ لوگوں کو اسے تلاش کرنا چاہیئے اور اس نور کو باقی رکھنا چاہیئے۔

آگے شاہ صاحبؒ اسی نور کے متعلق فرماتے ہیں کہ :۔

"جبکہ حق تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ اس امت کے علماء اس نور کو باقی رکھنے میں سعی کریں جو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے اخذ کیا جاتا ہے اور اسکی اشاعت کریں اور لوگوں کو اسکے ذریعہ ہدایت حاصل کرنے پر ابھاریں جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا

ہے فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ الخ یعنی ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ انکی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت دین حاصل کرنے کے لئے (مراکز علم کی طرف) نکل جایا کرے۔

پس اللہ تعالیٰ کے اس منشار کے پیش نظر لوگوں میں خلیفہ مقرر کرنے اور مبلغین کے بھیجے جانے کا ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں رواج قائم ہوگیا تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور ان لوگوں کے ہاتھوں پر وہ تمام چیزیں پوری ہوں جنکا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں اِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ میں فرمایا تھا یعنی یہ کہ ہم ہی اسکی حفاظت کریں گے۔

ہدایتِ عمل محض کتاب سے حاصل نہیں ہو سکتی دیکھئے شاہ صاحب نے انبیار علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اور شعبہائے دین کی تقسیم اور ان میں باہم ترتیب اور اَلْاَهَمَّ فَالْاَهَمَّ کو تھوڑی سی عبارت میں کس طرح مفصل بیان فرمادیا' یہی منازل طریق کی توضیح ہے جس کو میں آپکو سمجھانا چاہتا ہوں آپ تو صرف لفظ کہکر چل دیتے ہیں حالانکہ علمار نے اسکو سمجھانے میں کتنی محنت اٹھائی ہے۔ بات یہ ہے کہ منازل طریق کا پہچاننا اور دوسروں کو سمجھانا آسان نہیں ہے۔ اکبر الہ آبادی کہتے ہیں ؎

انھوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں

بس دوسرا مصرعہ نہیں پڑھوں گا اس سے معلوم ہوا کہ دین بھی سیکھا جاتا ہے تب آتا ہے اور شیخ سکھلاتا ہے اب تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین کے سیکھنے اور سکھلانے کی کیا ضرورت ہے وہ تو خود بخود آجاتا ہے شاہ صاحب تو یہ فرما رہے ہیں کہ انبیار کی بعثت کا مقصود ہی دین

سکھلانا ہوتا ہے اور آپ کے اکبر حسین مرحوم بھی یہی کہہ رہے ہیں لیکن دین کو جتنا اس جج بیچارے نے سمجھا ہے اتنا بھی آج کے بہت سے پڑھے لوگوں نے نہیں سمجھا کیونکہ یہی جج صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہ بات آپ کسی مولوی کی زبان سے نہ سنیئے گا کیونکہ اس زمانے میں طریق کا انکار عام ہے اور مشائخ کا منصب اور مرتبہ کتب تصوف کو دیدیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "تصوف کی کتابیں شیخ کے لئے ہیں مرید کے لئے نہیں جس طرح سے طب کی کتابیں طبیب کے لئے ہیں مریض کے لئے نہیں" کتاب دیکھ کر آپ دنیا کے حالات تو معلوم کر سکتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ کا راستہ کتاب کے ذریعہ طے نہیں کیا جا سکتا بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ کوئی کتنا ہی بڑا اعقلمند ہو اس راہ میں جب تک کہ اپنے آپ کو بیوقوف نہیں سمجھ لیتا اسکے لئے فتح باب اور کشود کار ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس راستہ کو طے کرنے کے لئے کسی کو استاد اور راہبر بنانا ناگزیر ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں جاحدین یعنی منکرین کے اقوال جو بیان کئے ہیں تو اسی لئے کہ لوگ اُن سے احتیاط کریں اور اسکی تفصیل کا بیان فقہار کے ذمہ ہے۔ اسی طرح سیرت میں جو کتابیں لکھی جاتی ہیں تو وہ احوال مطیعین کے بیان میں ہیں اور اسکی تفصیل علمار سیر کے ذمہ ہے باقی رہے منازل کے احوال تو انکا بیان صوفیار کرام کے ذمہ ہے جس کا طریقہ ان حضرات (یعنی علمار و مشائخ) کے یہاں یہ مقرر ہے کہ وہ اپنے بعد اس کام کے باقی رکھنے کے لئے خلیفہ مقرر

کر جاتے ہیں جو انکے بعد اس کام کو جاری رکھتے ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے

خلافت کی اقسام

آگے شاہ صاحبؒ ضرورت خلافت بیان کرکے اسکی اقسام کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

خلافت کی دو قسمیں ہیں ظاہرہ و باطنہ، ظاہرہ تو یہ ہے مثلاً اقامت جہاد کرنا، قضا اور حدود کو جاری رکھنا اور عشر و خراج کا انتظام کرنا۔ اس بار کو عادل سلاطین نے اٹھایا، اور دوسری قسم خلافت کی باطنہ ہے یعنی کتاب و حکمت کی تعلیم کرنا اور لوگوں کے قلوب کا تزکیہ نور باطن کے ذریعہ ایسے ایسے مواعظ سے کرنا جو کہ قلوب کو ہلا دیں اور کانوں کو کھڑ کھڑا دیں اور ایسی صحبتوں سے جو اپنے اندر مقناطیسی جذب رکھتی ہوں لوگوں کو انکے ذریعہ حق تعالےٰ کی طرف متوجہ کر دینا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ہ "حقیقت میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا جبکہ ان میں انھیں کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا جو انکو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ اس سے پہلے صریح غلطی میں تھے"۔

چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علماء (امت) انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور یہ فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ مجھکو تم میں کسے کسی ادنیٰ پر۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ادنیٰ سے مراد عابد ہے۔ پس اس عابد

پر عالم کو اس لئے فضیلت دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالم تھے اور معلّم بنا کر بھیجے گئے تھے اور یہ شخص بھی ان دونوں صفات میں آپ کا متبع ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خلیفہ وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے ان تینوں مقاصد عظیمہ کو جمع کیا ہو، نیز کتاب وسنت کا بھی حافظ ہو اور سلوک باطن اور سالک کی تربیت کے جو اصول ہیں ان میں اسکو تجربہ ہو اور مہارت تامہ رکھتا ہو۔

یہ میں منازل طریق کا بیان آپ کے سامنے کر رہا ہوں جس کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ آپ زیادہ سے زیادہ مطیعین کے احوال کو جان سکتے ہیں، اسی طرح سے جاہدین کے اقوال بھی معلوم کر سکتے ہیں لیکن منازل طریق کو نہیں سمجھ سکتے

منازلِ طریق کو بتانے والے دوسرے ہی لوگ ہوتے ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے یا انکے متبعین کی۔

(جاری)

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ

مکتوباتِ اصلاحی

(مکتوب نمبر ۸۶۸)

حال: ۔ گزارش خدمت آنکہ خادم حضرت والا سے رخصت ہوکر مئو سوا دو بجے دن بخیریت پہونچا اسکے بعد حافظ ۔۔۔۔ صاحب سے ملا اور حضرت والا کی خیریت و مزاج، پیام و سلام عرض کرنے کے بعد وہاں کے حالات و تاثرات دریافت کیا اور پھر متعدد آدمیوں سے حالات پوچھے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ کام ہوا خواص و عوام سبھی متاثر نظر آئے ۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: حضرت والا مختصر طور پر انھیں لوگوں کے الفاظ نقل کئے دیتا ہوں کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ "تڑپا کے چلے گئے" اور کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ "بسمل بنا کے چلے گئے" غرضیکہ جس سے ملا ہر ایک نے ایک عجیب انداز سے اپنے اشتیاق قلب کا اظہار کیا، ہر ایک کی آنکھیں پرنم اور دل بے چین پایا۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: اور اپنے دل پر کافی اثر پڑا۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: اور دل میں یوں کہا چلو معلوم ہوتا ہے سب کے دل پر چھا گئے ہیں تحقیق: الحمدللہ۔

حال: حضرت والا! کیا عرض کروں ایک بات اور بہت ہی عجیب لوگوں نے محسوس کیا کہ مئو کے علماء کا ایک جگہ پر مجتمع ہونا (دارالعلوم اور مفتاح العلوم سکے) یہ سب حضرت والا ہی کی برکت ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

سال: عوام وخواص سبھی لوگ اسکو تعجب کی نظر سے دیکھ رہے ہیں
تحقیق: الحمدللہ۔
سال: اسکے بعد شام کو کوپا گنج یکہ سے چلا اس سواری پر کوپا گنج کے کچھ ہندو بیٹھے ہوئے تھے نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ "مولانا صاحب چلے گئے کیسی چہل پہل تھی جو چلی گئی" ۔ اب قصبہ میں پہونچا جو لوگ مجھکو جانتے تھے کہ الہ آباد گیا تھا انکا کیا کہنا جو لوگ نہیں جانتے تھے وہ صورت دیکھکر سمجھ گئے کہ الہ آباد سے آرہا ہے بس جیسے لپٹ گئے اور بیاختہ پوچھتے ہیں کہ حضرت والا کا مزاج بتاؤ اور اس انداز سے پوچھ رہے تھے کہ کافی لطف اندوز ہو رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ بیخود ہیں ۔ تحقیق: الحمدللہ۔
سال: اے اللہ ہمیں اور ہم تمام لوگوں کی اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ حضرت والا کی کامل محبت وعقیدت سے مالا مال کردے تحقیق: آمین
سال: حضرت والا کا سایہ ہم لوگوں کے سروں پر ہمیشہ ہمیش قائم رکھ۔ آمین ثم آمین ۔ تحقیق: آمین
سال: حضرت والا! ان آنکھوں نے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا تحقیق: بیشک
سال: بس ایک محویت کا عالم ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔
سال: اور الحمدللہ لوگوں میں دینی بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ تحقیق: الحمدللہ
سال: حضرت والا! کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی زبان سے یہ کہہ رہے کہ بڑی جلدی لوگوں میں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔

تحقیق: پھر غلط کیا کہہ رہے ہیں؟
سال: دعاء فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی نظر بد سے بچاویں اور ان لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہدایت دیویں ۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔
سال: اے اللہ! ہمارے حضرت والا کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرما تحقیق: آمین

حال: حضرت والا دعاء فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کے حال میں استقلال ومداومت عطا فرمادیں اور خلوص وسچی لگن نصیب فرمادیں اور ہمارے ہر کام میں خواہ دین کا ہو یا دنیا کا برکت دیدیں اور اپنی مرضیات اور خوشنودی کی معرفت عنایت فرمادیں۔ تحقیق: آمین۔

(مکتوب نمبر ۸٦۹)

حال: یہ ناکارہ غلام حضور کی دعاء سے بخیر ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اور حضرت کی خیریت بدرگاہ رب العزت نیک مطلوب ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اس عاصی غلام کو تھوڑے عرصہ سے ایک مرض یہ پیدا ہوگیا ہے کہ کاش ہمارے پاس کبھی کچھ مال ہوتا تو ہم فراغت سے اپنے بال بچوں کے ساتھ گذر کرتے اور دیگر اخراجات حج وغیرہ کرتے یہ نفس کو ایک شامت لاحق ہوگئی ہے، میں اسکو کافی سمجھاتا ہوں کہ اس خیال سے باز آ، خدا کو جسکو جتنا دینا منظور ہوتا ہے دیتا ہے اسکے لئے بیکار اپنے دل کو پریشان کرتے ہو تب رک جاتا ہے مگر پھر کبھی نہ کسی وقت اسکو ابھارتا ہے۔ اسکے لئے دعاء فرمائی جائے کہ خدا تعالیٰ مجھکو اس عذاب سے بچاکر ایسی قناعت عطا فرمائے جیسی انھوں نے اپنے خاص بندوں کو عطا کی تھی۔ تحقیق: آمین

حال: حضور چند مصیبتوں میں گرتا رہوں دعاء فرمائی جائے کہ خدا مجھکو امن دے۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

حال: حضور میں نے ایک خواب دیکھا ہے اسی روز سے بہت زیادہ پریشانی معلوم ہوتی ہے اسکے لئے جو تعبیر اور تدبیر ہو تبلائی جائے وہ خواب یہ ہے کہ ایک روز میں اندھیری رات میں عشاء کی نماز کے لئے مسجد جارہا تھا راستہ میں ایک چھوٹا لڑکا گندہ کپڑا پہنے

ہوئے ہم سے آگے جا رہا تھا کئی دفعہ میں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا، اس پر میں اسکی گردن پکڑ کر مسجد کیطرف بڑھتا گیا اور اسکا نام پوچھتا گیا، وہ لڑکا طاقت ور تھا مسجد کے قریب پہونچ کر میں نے اسکو گرا کر دو دفعہ پاؤں سے مارا اور اسکی پشت پر کھڑے ہوکر پوچھا کہ اب بتلاؤ تم کون ہو؟ وہ مجھکو گالیاں دے کر کہنے لگا کہ میں سنیچر کا ایک گڈھ (یعنی ایک شیطان) ہوں اس پر میں نے اسکو اور دو چھڑی ماری، اتنے میں اقامت شروع ہوگئی میں دوڑتا ہوا نماز میں جا کھڑا ہوا، اسکے بعد آنکھ کھل گئی۔ اسوقت سے بہت ہی پریشانی معلوم ہوتی ہے کہ نہ معلوم کیا معاملہ ہے۔

تحقیق: تم غالب ہوئے شیطان پر۔

حال: حضور میرے لیے دعاء فرمائی جائے کہ حق تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرماکر مجھکو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں

حال: اور مسلمان بناکر اپنے پاس بلائے۔ تحقیق: آمین

مکتوب نمبر ۸۷

حال: اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ اندنوں اوقات بہ نسبت پرسکون گذر رہے ہیں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قلب کو سکون کلی عنایت فرمائیں

تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

حال: گھر کے لوگوں کے لئے دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو دیندار بنادیں۔ تحقیق: آمین۔

حال: گھر کا ماحول دینی نہ ہونے کے سبب لگا ہے بہت تکلیف ہوتی ہے روزانہ دعاء کرتا ہوں کہ یا اللہ سب کو دیندار بنادے۔ تحقیق: آمین

ل : اور میرے اندر پختگی عنایت فرما تاکہ لوگوں کی بے دینی سے
متاثر نہ ہوسکوں ۔ تحقیق : آمین ۔
ال : الحمدللہ اس بات کا ہر وقت خیال رہتا ہے کہ ہر کام دین و
شریعت کے مطابق ہو ۔ تحقیق : الحمدللہ ۔
ال : دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قائم رکھیں ۔
تحقیق : دعا کرتا ہوں ۔

(مکتوب نمبر ۸۷۱)

ال : اللہ تعالیٰ حضرت والا کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم
رکھے ۔ آمین ۔
حضرت والا معمولات پابندی سے ادا کرتا ہوں اور تہجد کی نماز
بھی پڑھتا ہوں لیکن بعض دن سو جاتا ہوں تو اسکی قضا بعد نماز فجر
ادا کرلیتا ہوں ۔
حضرت والا سے التجا ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ معمولات
کی پابندی کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائیں اور اپنے نیک
بندوں میں شمار کرلیں ۔

تحقیق

آپ کا خط موصول ہوا حالات معلوم ہوئے ، میں آپ کو کیا لکھوں
آپ تو خود ہی میری اصلاح کرتے تھے بلکہ اور اہل برادری کے خطوط
کے جوابات آپ ہی کے قلم سے لکھے جاتے تھے ۔
مگر بحکم حضرت والا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یوں تو ہر شخص محبت د

تعلق کا دعویٰ کرتا ہے مگر جو شخص جانچ پر اپنے دعوے میں ٹھیک اتر جائے اسی کا اعتبار ہے۔ آپ حضرت والا کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے بلکہ زیادہ تر آپ کا قیام حضرت ہی کی خدمت میں رہتا تھا اس سے سمجھا جاتا تھا کہ حضرت والا سے آپ کو اُنس اور محبت ہے مگر حضرت نے جب آپکو پرکھنا چاہا تو آپ بھاگ نکلے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب آمد و رفت صرف رسمی اور حقیقت واخلاص سے خالی تھی۔ یہاں تو آپ جب تک تھے نہ آپ کا کوئی معمول تھا نہ وظیفہ نہ تہجد اب بمبئی پہونچتے ہی تہجد بھی پڑھنے لگے اور معمولات پر پابندی سے کاربند ہیں یہ کیا بات ہے؟

(مکتوب نمبر ۸۷۳)

حال: احقر ذریعہ معاش اختیار کرنے کے بارے میں عرصہ سے متردد ہے مقامی مدرسہ کے تعلیمی انتظامی امور کی نزاکت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی بے رغبتی نیز آجکل کی موجودہ تجارتوں میں عوام وخواص کے رزق حرام و حلال میں فرق نہ کرنے کے ساتھ ساتھ رزق حلال کے حصول کو مشکل بتلانے کی وجہ سے کبھی یہ ارادہ ہوتا ہے کہ مدرسہ کے تعلیمی و انتظامی امور کو سنبھالتے ہوئے تجارت موجودہ میں حصہ لیکر رزق حلال کے حصول کی حتی الامکان سعی کی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رزقِ حلال کے حصول کے ذرائع پیدا فرمائیں جیساکہ فلاں ۔۔۔۔ کے لئے مختلف ذرائع پیدا فرمائے اور ہر ایک پر فوقیت عطا فرمائی۔ کیونکہ رزق حلال ہی صفائی قلوب اور عبادت کی مقبولیت کی اصلی شے ہے۔

انھیں باتوں کے پیش نظر والد صاحب کی رائے اپنی پیرانہ سالی

. جہ سے یہ ہے کہ تم تجارت میں حصہ لو اور ایسے طریقہ سے تجارت
، دہ دین بن جائے ۔ اور کبھی یہ ارادہ ہوتا ہے کہ دینی تعلیم کے
ل کرنے کے بعد تجارت میں لپٹ جانا یہ اسکے مقتضٰی کے خلاف ہے
عدی علیہ الرحمہ کے قول "رزق بیش از مقسوم خلاف عقل است"
قدر سے زیادہ رزق کا حاصل ہو جانا خلاف عقل ہے) سے کبھی
تقاضا ہو رہا ہے کہ خالص دینی مشغلہ ہی اختیار کیا جائے کیونکہ
قدر رزق مقدر ہو چکا اتنا بہرصورت ملے گا لیکن ابھی تک کسی ارادہ
ستقلال نہیں ہو رہا ہے۔ حضرت والا جس صورت کے اختیار کرنے
احقر کی دینی و دنیاوی فلاح نظر آوے اسکو منتخب فرما دیں اور اس
کامیابی کے ساتھ ساتھ برکت کی دعا فرمائیں
یق : دعا کرتا ہوں ــــ بھائی اسمیں انتخاب بڑا مشکل کام ہے، کیا
م و تعلم میں اپنا کام چلا سکتے ہو؟ اور اسکو کہاں تک نباہ سکتے ہو ؟
ب سمجھو اور جواب دو ۔

(مکتوب نمبر ۸۷۳)

: بحمد اللہ و بہ برکت حضرت والا معمولات کی پابندی ہو رہی ہے ۔
یق : الحمد للہ
: حق تعالیٰ برکت و رسوخ عطا فرمائیں ـ تحقیق : آمین
: حضرت والا سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ حق تعالے
قامت و استدامت عطا فرمائیں ۔ تحقیق : آمین
: نیز آں مخدوم سے تعلق و محبت زیادہ سے زیادہ عطا فرمائیں ۔
یق : آمین ۔
: اب اپنی ایک حالت عرض کرنی ہے کہ نادم نفل روزے رکھنے

سے بہت گھبراتا ہے رمضان کے روزے تو بحمد اللہ بشوق ورغبت پورے رکھ لیتا ہوں لیکن نفل روزے سے طبیعت بہت ہچکچاتی ہے
تحقیق : کچھ حرج نہیں
حال : اوائل عمر میں تو کچھ شوق تھا اب تو دو تین سال سے ستہ شوال بھی نہ رکھ سکا اب کے سال البتہ محرم کی نو دس کو روزہ رکھنا نصیب ہوا بہرحال نفل روزے مجھ سے نہیں ہوتے۔ خیال ہوتا ہے کہ ہر ماہ کم از کم ایک روزہ تو رکھنا چاہیئے۔ آئندہ جو ارشاد ہوگا انشاء اللہ عمل کروں گا۔
تحقیق : کچھ حرج نہیں۔
حال : آجکل بحمد اللہ حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب قدرے کشش بھی محسوس ہوتی ہے ۔ تحقیق : الحمد للہ۔
حال : تلاوت کے وقت بھی حق تعالیٰ کی جانب کشش ہوتی ہے۔
تحقیق : الحمد للہ۔
حال : خیال ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا کچھ سراپا ہمیں معلوم ہو سکتا ہے تو بس قرآن ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ تحقیق : بیشک۔
حال : حق تعالیٰ اس حالت میں استقامت نصیب فرمائیں اور اس سے بھی اچھا حال نصیب فرمائیں، حضرت دعاء فرمائیں کہ حق تعالیٰ مجھ پر اب کامیابی کے دروازے کھول دیں اور بامراد فرمائیں۔ تحقیق : آمین
حال : اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ وَاَتْمِمْ عَلَیْنَا نِعْمَتَکَ وَاَسْبِغْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلِکَ وَاجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْن
تحقیق : آمین۔
حال : آجکل آنمخدوم کا خیال اکثر آیا کرتا ہے حق تعالیٰ آنحضرت سے سچی محبت عطا فرمائیں نیز امسال بھی حاضر خدمت ہونے کا موقع عطا فرمائیں۔ تحقیق : آمین

کیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

تفصیل الدین

(۶)

چنانچہ دنیا میں تو اس طرح اعتبار کیا گیا ہے کہ حدیث میں ہے
ہے کہ نکاح اَکْفَاء (یعنی ہمسروں اور برابری والوں) میں کیا کرو
ر شریعت نے کسی شریف زادی کا کفو غیر شریف کو نہیں مانا
ر آخرت میں بھی اتنا نفع ہے کہ جو شخص ان شرفاء کی اولاد میں
گا وہ اگر ایمان اور عمل صالح اختیار کرے تو اسکو دوسروں سے
ر زیادہ ملے گا اور جنت میں وہ اپنے اسلاف کے درجہ میں ہوگا
اعمال اس درجہ کے نہوں لیکن یہ نفع کچھ عرفی شرفاء کے ساتھ ہی
صوص نہیں بلکہ اگر کوئی نائی اور حجام بھی ولی ہو تو اسکے بیٹے
بھی وہی نفع حاصل ہوگا جو ان شرفاء کے بیٹوں کو ہوگا۔ غرض
رافت نسبت میں آخرت کا بھی نفع ہے مگر اصطلاحی شریف
کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو بھی مقبول عند اللہ ہوگا اسکی طرف
تساب نافع ہوگا۔

پس یہ کہنا غلط ہے کہ شرف نسب نافع نہیں، نافع ضرور ہے
ر وہ شرف انتسابی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو شریف عند اللہ ہو
سکی طرف انتساب نافع ہے خواہ وہ تمہاری اصطلاح کے
وافق شریف ہوں یا نہ ہوں۔ پس آخرت میں تو شریف اور
یر شریف میں اس طرح تفاوت ہوگا باقی دنیا میں تو تفاوت

ہے ہی کہ غیر شریف کو شریف زادی کا کفو نہیں مانا گیا (تیز عقل فہم تہذیب و اخلاق وغیرہ میں بھی شریف و غیر شریف کا تفاوت ظاہر ہوجاتا ہے)۔

مگر اسکا یہ اثر نہ ہونا چاہیئے کہ تم دوسروں کو ذلیل سمجھو بس ایسا تفاوت سمجھنا چاہیئے جیسے چھوٹے بھائی یا بڑے بھائی یا باپ اور بیٹے میں یا حاکم و محکوم میں ہوا کرتا ہے اس تفاوت کا یہ اثر نہیں ہوا کرتا کہ بڑا بھائی چھوٹے کو یا باپ بیٹے کو حقیر سمجھنے لگے یہ فیصلہ ہوا اس اختلاف کا۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا اصل میں مَیں یہ ذکر رہا تھا کہ نرا انتساب کافی نہیں بلکہ اسکے ساتھ ایمان و عمل صالح بھی ضروری ہے چنانچہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ الخ (اور جو لوگ ایمان لائے اور انکی اولاد نے بھی ایمان میں انکا ساتھ دیا (یعنی وہ بھی ایمان لائے گو اعمال میں وہ اپنے آبار کے مرتبے کو نہیں پہونچے) ہم انکی اولاد کو بھی (درجہ میں) انکے ساتھ شامل کردیں گے اور ہم ان (اہل جنت آبار) کے عمل میں کوئی چیز کم نہ کریں گے) سے یہ مضمون صاف طور سے نکل آیا پس اب کسی کو اس پر قناعت نہ کرنا چاہیئے کہ ہم بزرگوں کی اولاد یا سلسلہ میں ہیں یا ہمارے پاس انکے تبرکات ہیں بلکہ ایمان و عمل کا اہتمام کرنا چاہیئے اسکے ساتھ اس انتساب کی برکت بھی کام دے گی ورنہ بیکار ہے۔

یہی مضمون اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ انکے لئے خلائق کے دل میں محبت پیدا

کردے گا) سے بھی مستفاد ہوتا ہے کیونکہ اس میں مقبولیت کا مدار ایمان اور عمل صالح ہی کو ٹھہرایا گیا ہے معلوم ہوا کہ انکے سوا اور کوئی شئے مدار کار نہیں بلکہ زائد کی قبیل سے ہیں۔ بہر حال مقصود مقام یہ ہے کہ اس آیت کے اول جز میں طریق حصول مقصود ہے اور اسکی فہرست بتلائی گئی ہے جس کے دو جزو ہیں ایک ایمان ایک عمل صالح اور اسوقت میں اسی طریق کی تفصیل کرنا چاہتا ہوں سو ایمان کی تفصیل کے لئے تو باب العقائد دیکھنے کی ضرورت ہے اگر میں تمام عقائد کی تفصیل کروں تو اسکے لئے ایک جلسہ ناکافی ہے اسلئے میں اسوقت پوری تفصیل تو ذکر کرنا نہیں چاہتا صرف اقسام اولیہ ذکر کرنا چاہتا ہوں جن میں آجکل لوگوں نے غلطی کر رکھی ہے۔

عقائد کی غلطیاں

تو سمجھئے کہ آجکل لوگوں کو عقائد کے باب میں دو قسم کی غلطیاں واقع ہو رہی ہیں ایک تو وہ لوگ ہیں جو عقائد کو ضروری سمجھتے ہیں مگر ضرورت کو اسی میں منحصر کرتے ہیں یعنی اعمال کی ضرورت نہیں سمجھتے چنانچہ عام طور سے یہ عقیدہ ہے کہ جو توحید و رسالت کا قائل ہو اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا معتقد ہو بس وہ جنتی ہے اب اُسے کسی عمل کی ضرورت نہیں۔

پھر بعض نے اور انتخاب کیا ہے کہ ایمان کا بھی اختصار کرلیا کیونکہ ایمان کی حقیقت تو یہ ہے اَلتَّصْدِیْقُ بِمَا جَاءَ بِهٖ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ۔ یعنی حضور اللہ علیہ وسلم نے جو جو خبریں دی ہیں انکی تصدیق کرنا، اللہ واحد ہے، قیامت آنے والی ہے، وزن حق ہے، حساب کتاب حق ہے، دوزخ

جنت حق ہے، تقدیر کا مسئلہ حق ہے، فرشتوں کا وجود حق ہے پل صراط پر چلنا حق ہے، نماز کی فرضیت حق ہے زکوٰۃ اور روزہ حج سب کی فرضیت حق ہے کیونکہ یہ طاعات گو اعمال ہیں مگر ان کی فرضیت کا اقرار کرنا ایمان میں داخل ہے یعنی ایک تو نماز کا پڑھنا اور روزہ رکھنا زکوٰۃ دینا اور حج کرنا یہ تو عمل ہے اور ایک انکی فرضیت کا اعتقاد رکھنا یہ ایمان کا جزو ہے بدون اس اعتقاد فرضیت کے ایمان کا تحقق نہیں ہو سکتا۔

تو ایمان نام تھا ان سب چیزوں کی تصدیق کا مگر آج کل لوگوں نے اس میں بھی انتخاب کر لیا ہے بعضے وزن اعمال کو ضروری نہیں سمجھتے، بعضے پل صراط کی تصدیق کو ایمان میں داخل نہیں سمجھتے کوئی تقدیر کے مسئلے کا انکار کرتا ہے وعلیٰ ھذا اور پھر بھی وہ اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

تھوڑے دنوں پہلے یہ حالت تھی کہ ان عقائد میں کسیکو اختلاف نہ تھا گو فروع میں اختلاف تھا کیونکہ اختلاف کی دو قسمیں ہیں ایک تو ایسے امور میں اختلاف جن میں اختلاف کی گنجائش ہے یہ تو فروع ظنیہ میں ہوتا ہے جیسا کہ مجتہدین میں اختلاف ہوا یا انکے بعد انکے اتباع میں ہوا ہے۔ یہ تو سب اعمال کے درجہ میں اختلاف ہے عقائد میں کسی کو اختلاف نہ تھا اور اگر عقائد میں بھی کسی نے اختلاف کیا ہے تو وہ عقائد مہمہ مقصودہ میں نہ تھا بلکہ عقائد مہمہ کی فروع میں تھا مگر کچھ دنوں سے ایک ایسا اختلاف پیدا ہوا ہے جس کے ذکر کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا یعنی اب ان امور میں بھی اختلاف ہونے لگا ہے جن میں کچھ دن پہلے کسی کو شبہہ بھی نہ تھا مگر اس وقت اس نئی تعلیم کی بدولت بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ علم دین نہ ہونے یا دین

سے محبت اور علماء کی صحبت نہونے کی بدولت عقائد میں بھی اختلاف ہونے لگا ہے

خرابی کی وجہ

ہمارے بزرگوں میں گو علم دین تو عام طور پر کامل نہوتا تھا عالم دو چار، پانچ دس ہی ہوتے تھے مگر یہ دو چیزیں انکے پاس بڑے کام کی تھیں یعنی دین کی محبت اور علماء کی صحبت مگر اس وقت ہمارے بھائیوں نے علم دین کو چھوڑا ہی تھا ساتھ میں ان دونوں کو بھی چھوڑ دیا اور یہی وجہ ہے ہماری خرابیوں کی کیونکہ جو شخص طبیب کے پاس نہ جائے گا اس کو صحت نہیں ہوسکتی اور طبیب کے پاس وہ جائے گا جس کو صحت مطلوب ہو تو آجکل ہمارے بھائیوں کو دراصل دین ہی سے محبت نہیں اسلئے اطباءِ دین کے پاس نہیں جاتے ۔ اسی لئے انکے ایمان و دین کو قسم قسم کے روگ لگ جاتے ہیں جنکی انکو خبر بھی نہیں ہوتی اور سب سے بڑی بیماری یہ ہے کہ بیمار کو بیماری کی اطلاع بھی نہ ہو اور اس سے سخت یہ ہے کہ وہ تندرستوں کو بیمار سمجھنے لگے جیسے ایک نکٹا ناک والوں کو ناکو کہتا تھا، یہی حالت ہمارے بھائیوں کی ہے کہ وہ پرانے لوگوں کو جوا یمان میں کامل ہیں تندرست تو کیا سمجھتے انکے لئے ایسے ایسے لقب تجویز کرتے ہیں کہ وہ اپنے جواب ہی کی فکر میں پڑ جاویں عجب الٹا زمانہ آگیا ہے ۔

صاحبو! پرانے زمانے میں بھی لوگ گنہگار تو ہیں فاسق بھی ہیں مگر انکی حالت یہ ہے کہ اہل علم کے سامنے جھک جاتے ہیں اگر انکو عذاب آخرت سے ڈرایا جائے تو ڈر جاتے ہیں، وہ اپنے کو اہل الرائے نہیں سمجھتے اسی لئے انکا ایمان سلامت ہے ۔ باقی جہاں نئی تعلیم ہے اور نری تعلیم ہی تعلیم ہے وہاں تو ایمان کی خیر صلاّ ہے

نہ ان میں دین کی محبت ہے نہ اہل دین کی عظمت ہے ہر شخص اپنے کو صاحب رائے سمجھتا ہے اور علماء سے مسائل دینیہ میں مزاحمت کرتا ہے۔ باقی جہاں نئی تعلیم کے ساتھ یہ دونوں دولتیں بھی ہوں یعنی دین کی محبت اور اہل اللہ کی صحبت، تو وہاں اس سے دین کا کچھ ضرر نہیں ہوتا بلکہ وہاں دنیا کے ساتھ دین بھی جمع ہو جاتا ہے اسی محبت اور علم دین کی نسبت کہتے ہیں ؎

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است
صراحئ مے ناب و سفینۂ غزل است

صراحئ مے ناب " شراب خالص کی صراحی" سے محبت مراد ہے یہ انکی خاص اصطلاح ہے اور سفینۂ غزل " غزل کی بیاض" سے علم دین مراد ہے۔ جس کا ایک طریق تو تعلم ہے، اگر یہ میسر نہو تو صحبت اہل اللہ ہے اگر یہ بھی نہو تو دین کی کتابوں کا مطالعہ ہے مگر کتاب کے لئے بھی صحبت کی ضرورت ہے نری کتب بینی سے دین کا صحیح علم حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کسی عالم سے سبقاً سبقاً نہ پڑھا جائے خواہ وہ کتاب اردو زبان ہی میں کیوں نہو جیسے اردو میں طب کی کتابیں دیکھ کر کوئی شخص طبیب نہیں بن سکتا جب تک کسی طبیب کے پاس رہ کر نہ پڑھے۔

پھر اس زمانہ میں تو لوگ کتابیں بھی ایسی مختلف دیکھتے ہیں کہ خدا کی پناہ بس جو کتاب سامنے آئی دیکھنے لگے چاہے اسکا مصنف محقق ہو۔۔ یا غیر محقق، پھر مختلف لوگوں کی کتابیں دیکھکر خود ہی فیصلہ بھی کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اس مسئلہ کو دوسرے سے اچھا لکھا ہے اور غضب یہ ہے کہ اپنے فیصلے کو معتبر بھی سمجھتے ہیں بھلا اگر کوئی ایسا شخص جو قانون گورنمنٹ سے ناواقف ہو

کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے لگے تو کیا اسکا فیصلہ معتبر ہوگا ہرگز نہیں پھر حیرت ہے کہ جو شخص خدا کے قانون سے ناواقف ہے اسکے فیصلے کو معتبر مانا جائے اور اگر ایسا ہے تو پھر وکلاء اور بیرسٹروں کی کیا حاجت ہے بس ہر شخص قانون کو دیکھکر فیصلہ کر لیا کرے مگر یہاں سب اس پر متفق ہیں کہ قانون سلطنت کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں بلکہ جس نے اسکو باقاعدہ پڑھا ہوا ور اس میں امتحان دیکر پاس ہوگیا ہو اسی کی رائے معتبر ہے۔ مگر حیرت ہے کہ قانون الٰہی کے سمجھنے کے لئے کسی امتحان کے پاس کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر شخص اسمیں رائے زنی کرنے کے لئے تیار ہے، اردو کی کتابیں دیکھکر فیصلہ کرنے کو آمادہ اور فیصلہ بھی کیسے صحیح اصول پر مبنی کہ جو سمجھ میں نہیں آیا اس کی نفی کردی بس ہمارے بھائیوں نے یہی ایک سبق یاد کر لیا ہے جیسے ایک استاد نے اپنے ایک بیوقوف شاگرد کو سکھلا دیا تھا کہ جو مسئلہ تجھ سے پوچھا جائے اگر معلوم ہو تو بتلا دیا اور جو معلوم نہو تو کہدیا اس میں اختلاف ہے (اس سے جہالت کا عیب چھپا رہیگا لوگ سمجھیں گے ان کو معلوم تو ہے مگر اختلاف کی وجہ سے ایک شق کو معین نہیں کرتے اور مختلف فیہ مسائل بکثرت ہیں اسلئے اکثر مواقع میں یہ جواب صحیح ہوگا مگر وہ بیوقوف تو تھا ہی اس نے بعض متفق علیہ مسائل میں بھی کہدیا کہ اس میں اختلاف ہے بالآخر اسکی حماقت ظاہر ہوکر رہی)

خودرائی کا مرض اسی طرح ہمارے بھائیوں نے ایک سبق پڑھ لیا ہے کہ جو بات انکی سمجھ میں نہ آئی کہدیا کہ یہ عقل کے خلاف ہے اسلئے قابل قبول نہیں اور لگے نصوص میں تحریف وتاویل کرنے چنانچہ ان کے نزدیک پل صراط بھی خلاف عقل ہے اور اور بہادری معادیات (آخرت کے متعلق امور) اور معجزات

خلاف عقل ہیں تو اس طرح انھوں نے عقائد میں بھی اختصار و انتخاب کرنا شروع کیا (اب ایمان کے معنی وہ نہ رہے جو پہلے تھے یعنی تصدیق بِمَاجَاءَ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تمام باتوں کو ماننا اور اسکی تصدیق کرنا) بلکہ یہ معنی ہوں گے کہ تَصْدِیْقٌ بِمَا وَافَقَ الْعَقْلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ النَّبِیُّ یعنی انکے نزدیک ایمان کہتے ہیں اس چیز کے ماننے کو جو حضورؐ کی بیان کردہ باتوں میں سے انکی عقل کے مطابق ہو)

میں کہتا ہوں یہاں دو مقدمے ہیں ایک یہ کہ جو بات شریعت میں عقل کے خلاف ہے تو وہ کسکی عقل کے خلاف ہے تمھاری عقل کے یا سب عقلاء کی عقل کے ، دوسری شق تو مسلم نہیں کیونکہ علماء راسخین جنکی عقل کے سامنے اہل دنیا کی عقل کچھ حقیقت نہیں رکھتی ان کو خلاف عقل نہیں کہتے اور ہر زمانہ میں ان مسائل کو اسی صورت پر تسلیم کرتے چلے آئے ہیں جس صورت میں شریعت میں تعلیم دی گئی ہے ۔ چنانچہ حضرات صحابہ و تابعین و علماء و صلحاء امت سب انکا اعتقاد ظاہر کے مطابق رکھتے آئے ہیں ۔ اگر یہ کہو کہ تمھاری عقل کے خلاف ہے تو اس صورت میں صغریٰ تو مسلم مگر یہ کبریٰ مسلم نہیں کہ جو تمھاری عقل کے خلاف ہو وہ غلط اور نا قابل قبول ہے کیونکہ قوانین سلطنت میں بہت سی باتیں تمھاری عقل میں نہیں آتیں مگر تم قانون دانوں کی عقل پر اعتماد کرکے ان کو تسلیم کرتے ہو ۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

غیبت ایک گناہ عظیم

(آخری قسط)

راز فاش کرنا چغلی ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ دوسروں کا کوئی راز فاش کر دینا بھی چغلی کے اندر داخل ہے۔ ایک آدمی یہ نہیں چاہتا کہ میری یہ بات دوسروں پر ظاہر ہو وہ بات اچھی ہو یا بری ہو اس سے بحث نہیں، مثلاً ایک مالدار آدمی ہے اور وہ اپنی دولت کو چھپانا چاہتا ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ دوسروں کو یہ معلوم ہو کہ میرے پاس اتنی دولت ہے۔ اب آپ نے کسی طرح سن گن لگا کر پتہ لگا لیا کہ اسکے پاس اتنی دولت ہے اب آپ ہر شخص سے کہتے پھر رہے ہیں کہ اسکے پاس اتنی دولت ہے۔ یہ جو اسکا راز آپ نے افشاء کر دیا یہ بھی چغلی کے اندر داخل ہے اور حرام ہے۔ یا مثلاً ایک شخص نے اپنے گھریلو معاملات کے اندر کوئی پلان یا منصوبہ بنا رکھا ہے آپ نے کسی طرح پتہ چلا کر دوسروں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا یہ چغلی ہے۔ اسی طرح کسی کا کسی قسم کا راز ہو اسکی اجازت کے بغیر دوسروں پر افشاء کرنا چغلی کے اندر داخل ہے ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ (ابوداؤد کتاب الادب باب فی نقل الحدیث نمبر ۴۸۶۹)

مجلسوں کے اندر جو بات بھی کی جاتی ہے وہ بھی امانت ہے۔ مثلاً کسی شخص

نے آپ کو محرم راز سمجھکر، راز دار سمجھکر مجلس میں آپ سے ایک بات کہی اب وہ بات آپ جاکر دوسروں سے نقل کر رہے ہیں تو یہ امانت میں خیانت ہے اور یہ بھی چغلی کے اندر داخل ہے۔

زبان کے دو اہم گناہ

بہر حال زبان کے دو گناہوں میں سے آج دو اہم گناہوں کا بیان کرنا مقصود تھا یہ دونوں گناہ بڑے عظیم اور سنگین ہیں انکی سنگینی آپ نے احادیث کے اندر سنیں لیکن جتنے یہ سنگین ہیں آج انکی طرف سے اتنی ہی بے پروائی اور غفلت ہے۔ مجلسیں ان سے بھری ہوئی ہیں، گھران سے بھرے ہیں، زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے رکنے کا نام نہیں لیتی، خدا کے لئے اسکو لگام دو اور اسکو قابو کرو اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس کو چلانے کی فکر کرو ورنہ اسکا انجام یہ ہے کہ اسکی وجہ سے گھر کے گھر تباہ ہو رہے ہیں، آپس میں ناچاقیاں ہو رہی ہیں، فتنے ہیں، عداوتیں ہیں، دشمنیاں ہیں، خدا جانے کتنے گناہوں اور فتنوں کا ذریعہ ہے اور آخرت میں تو اسکی وجہ سے جو عذاب ہونے والا ہے وہ اپنی جگہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے اس کی شناعت اور قباحت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسپر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

زبان کی حفاظت کیجئے

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ و نستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ واشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم وتسلیمًا کثیرًا کثیرا - امابعد

تین احادیث مبارکہ

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاخر فلیقل خیرا اولیصمت -

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من کان یومن باللّٰہ والیوم الاخر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسکو چاہیئے کہ یاتو وہ اچھی اور نیک بات کرے یا خاموش رہے۔

دوسری روایت بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ انہ سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ان العبد یتکلم بالکلمۃ

ما یتبین فیھا یزل بھا فی النار ابعد ما بین المشرق والمغرب۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک انسان سوچے سمجھے بغیر جب کوئی کلمہ زبان سے کہہ دیتا ہے تو وہ کلمہ انسان کو جہنم کے اندر اتنی گہرائی تک گرا دیتا ہے جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ اور بُعد ہے۔

ایک تیسری حدیث بھی اس معنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان العبد یتکلم بالکلمۃ من رضوان اللہ تعالیٰ لا یلقی بھا بالا یرفعہ اللہ بھا فی الجنۃ وان العبد لیتکلم بالکلمۃ من سخط اللہ تعالیٰ لا یلقی بھا بالاً یھوی بھا فی جھنم

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات ایک انسان اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا کوئی کلمہ کہتا ہے یعنی ایسا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے لیکن جس وقت وہ کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے اسوقت سکو اس کلمہ کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا اور لاپروائی سے وہ کلمہ زبان سے نکال دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی بدولت جنت میں اسکے درجات بلند فرما دیتے ہیں اور اسکے برعکس بعض دفعہ

ایک انسان زبان سے ایسا کلمہ نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہوتا ہے اور وہ شخص لاپرواہی میں اس کلمہ کو نکال دیتا ہے لیکن وہ کلمہ اس کو جہنم میں لیجاکر گرا دیتا ہے۔

زبان کی دیکھ بھال کریں

ان تینوں احادیث میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آدمی زبان کے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے اور اس زبان کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں خرچ کرنے اور اس کے ناراضگی کے کاموں سے اسکو بچائے جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ ہم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ اہتمام کی چیز یہ ہے کہ گناہوں سے بچیں گناہ سرزد نہ ہوں ان گناہوں میں یہاں زبان کے گناہوں کا بیان شروع ہوا ہے چونکہ زبان کے گناہ ایسے ہیں کہ بعض اوقات آدمی سوچے سمجھے بغیر بے پرواہی کی حالت میں باتیں کرلیتا ہے اور وہ باتیں اسکے لئے سخت ترین عذاب کا موجب ہوتی ہیں اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زبان کو دیکھ بھال کر استعمال کرو اگر کوئی اچھی بات زبان سے کہنی ہے تو کہو ورنہ خاموش رہو۔

زبان ایک عظیم نعمت ہے

یہ زبان جو اللہ تعالےٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے ایمیں ذرا غور کرو کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے، یہ کتنا بڑا انعام ہے جو اللہ تعالےٰ نے ہمیں عطا فرمادیا اور بولنے کی ایسی مشین عطا فرمادی کہ جو پیدائش سے لیکر مرتے دم تک انسان کا ساتھ دے رہی ہے اور چل رہی ہے اور اس طرح چل رہی ہے کہ آدمی نے اِدھر ذرا ارادہ کیا اُدھر اس نے کام شروع کردیا اب چونکہ اس مشین کو حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت اور مشقت نہیں کی، کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا اسلئے اس نعمت

کی قدر معلوم نہیں ہوتی، اور جو نعمت کبھی بیٹھے بٹھائے بے مانگے مل جاتی ہے اسکی قدر نہیں ہوتی۔ اب یہ زبان کبھی بیٹھے بٹھائے مل گئی اور مسلسل کام کر رہی ہے، ہم جو چاہتے ہیں اس زبان سے بول پڑتے ہیں۔ اس نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھیں جو اس نعمت سے محروم ہیں، زبان موجود ہے مگر بولنے کی طاقت نہیں ہے آدمی کوئی بات کہنا چاہتا ہے مگر کہہ نہیں سکتا، دل میں جذبات پیدا ہو رہے ہیں مگر انکا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس سے پوچھو وہ بتائے گا کہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے۔

اگر زبان بند ہو جائے

اس بات کا ذرا تصور کرو کہ خدا نہ کرے اس زبان نے کام کرنا بند کر دیا اور اب تم بولنا چاہتے ہو لیکن نہیں بولا جاتا اس وقت کیسی بے چارگی اور بے کسی کا عالم ہوگا۔ میرے ایک عزیز جنکا ابھی حال ہی آپریشن ہوا ہے انھوں نے بتایا کہ آپریشن کے بعد کچھ دیر اس حالت میں گزری کہ سارا جسم بے حس تھا، پیاس شدید لگ رہی تھی سامنے آدمی موجود تھے میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے پانی پلا دو مگر زبان نہیں چلتی آدھا گھنٹہ اسی طرح گذر گیا۔ بعد میں وہ کہتے تھے کہ میری پوری زندگی میں وہ آدھا گھنٹہ جتنا تکلیف دہ تھا ایسا وقت کبھی میرے اوپر نہیں گذرا۔

زبان اللہ کی امانت ہے

اللہ تعالیٰ نے زبان اور دماغ کے درمیان ایسا کنکشن رکھا ہے کہ جیسے ہی دماغ نے یہ ارادہ کیا کہ فلاں کلمہ زبان سے نکالا جائے اسی لمحہ زبان وہ کلمہ ادا کر دیتی ہے اور اگر انسان کے اوپر چھوڑ دیا جاتا کہ تم خود اس زبان کو استعمال کرو تو اسکے لئے پہلے یہ علم سیکھنا پڑتا کہ زبان کی کس حرکت سے "الف" نکالیں، زبان کو کہاں لیجا کر "ب" نکالیں تو پھر انسان ایک

معصیت میں مبتلا ہوجاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر انسان کے اندر یہ بات رکھدی کہ جو لفظ وہ زبان سے ادا کرنا چاہ رہا ہے تو بس ارادہ کرتے ہی وہ لفظ فوراً زبان سے نکل جاتا ہے۔ لیکن اب ذرا اسکو استعمال کرتے ہوئے یہ تو سوچو کہ کیا تم خود یہ مشین خرید کر لے آئے تھے؟ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس نے تمھیں عطا کی ہے، یہ تمھاری ملکیت نہیں بلکہ تمھارے پاس امانت ہے اور جب انکی دی ہوئی امانت ہے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اسکو انکی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے یہ نہ ہو کہ جو دل میں آیا بک دیا بلکہ جو بات اللہ تعالےٰ کے احکام کے مطابق ہے وہ نکالو اور جو بات اللہ کے احکام کے مطابق نہیں وہ بات مت نکالو، یہ سرکاری مشین ہے اسکو اسکی مرضی کے مطابق استعمال کرو۔

زبان کا صحیح استعمال

اللہ تعالیٰ نے زبان کو ایسا بنایا ہے کہ اگر کوئی شخص اس زبان کو صحیح استعمال کرلے جیسا کہ آپ نے ابھی اوپر ایک حدیث میں پڑھا کہ ایک شخص نے ایک کلمہ بے پروائی میں زبان سے نکال دیا مگر وہ کلمہ اچھا تھا تو اس کلمہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نجانے کتنے اسکے درجات بلند فرما دیتے ہیں اور اسکو کتنا اجر و ثواب حاصل ہوجاتا ہے جب ایک انسان کافر سے مسلمان ہوتا ہے تو وہ اسی زبان کی بدولت ہوتا ہے زبان سے کلمۂ شہادت پڑھ لیتا ہے

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس کلمۂ شہادت پڑھنے سے پہلے وہ کافر تھا مگر اس کے پڑھنے کے بعد وہ مسلمان ہوگیا پہلے جہنمی تھا اب جنتی بن گیا پہلے اللہ کا مبغوض تھا اب محبوب بن گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت

میں شامل ہوگیا۔ یہ عظیم انقلاب اس ایک کلمہ کی بدولت آیا جو اس نے زبان سے ادا کیا۔

زبان کو ذکر سے تر رکھو

ایمان لانے کے بعد ایک مرتبہ زبان سے کہدیا "سبحان اللہ" تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ اسکے ذریعہ میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے یہ کلمہ کتنا چھوٹا ہے لیکن اسکا ثواب اتنا عظیم ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم یہ دو کلمے زبان پر تو ہلکے پھلکے ہیں کہ ذرا سی دیر میں ادا ہو گئے لیکن میزان عمل میں بہت بھاری ہیں اور رحمان کو بہت محبوب ہیں۔ بہرحال یہ مشین اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ اگر ذرا سا اسکا رخ بدل دو اور صحیح طریقہ سے اسکو استعمال کرنا شروع کردو تو پھر دیکھو یہ تمھارے نامۂ اعمال میں کتنا اضافہ کرتی ہے اور تمھارے لئے جنت میں کس طرح گھر بناتی ہے اور تمھیں کس طرح اللہ تعالیٰ کی رضامندی عطا کراتی ہے۔ اسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اللہ کے ذکر سے اس کو تر رکھو پھر دیکھو کس طرح تمھارے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔

ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! کونسا عمل افضل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمھاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے رہو

(بخاری کتاب الدعوات باب فضل الذکر حدیث نمبر ۲۳۷۲)

(جاری)

مولانا محمد اسحٰق صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

کتاب الجمعہ

(تادیب وتہذیب)

(۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے روز غسل کیا اور سر دھویا پھر جو عمدہ ترین خوشبو میسر تھی وہ لگائی اور جو اچھے کپڑے پاس تھے وہ پہنے اور مسجد میں نماز جمعہ کے لئے گیا اور (جہاں جگہ ملی وہیں بیٹھ گیا) نمازیوں کو انکی جگہ سے نہ ہٹایا پھر (خاموشی کے ساتھ) خطبہ سنا (نماز پڑھی) تو اسکے اس جمعہ سے لیکر آئندہ جمعہ تک (۷ یوم) اور تین دن اور زائد (کل دس یوم) کے گناہ معاف ہو جائینگے۔ اسکو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

حافظ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موید ہے مکحول اور ان کے ہمخیال حضرات کیلئے جو گذشتہ حدیث میں غَسَّل واغْتَسَلَ کے معنی سر دھونے اور غسل کرنے کے بتلاتے ہیں (اس میں ہر دو اُمور کی علٰحدہ علٰحدہ تصریح موجود ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے روز غسل اور مسواک کرنا ہر بالغ مسلمان مرد پر واجب ہے اور جس قدر میسر ہو خوشبو بھی لگانی چاہیئے۔ اسکو مسلم وغیرہ نے روایت کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ (جمعہ کا دن اللہ پاک نے مسلمانوں کے لئے عید بنایا ہے لہٰذا جو شخص جمعہ کے لئے آئے غسل کر کے آئے اور اگر خوشبو پاس ہو تو وہ بھی لگائے اور مسواک کرنے کو بھی ضروری سمجھو۔ اسکو ابن ماجہ نے باسناد حسن روایت کیا آئندہ ابواب میں اور ایسی احادیث بھی آتی ہیں جو اس باب کے لئے مفید اور موید ہیں۔

جمعہ کیلئے سویرے اور اول وقت جانے کی ترغیب اور بغیر عذر تاخیر کرنے پر تہدید

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خوب اچھی طرح غسل کرے پہلی ساعت میں نماز جمعہ کے لئے مسجد گیا تو گویا اس نے ایک اونٹ خدا کے راستے میں خیرات کیا اور جو دوسری ساعت میں پہونچے تو گویا اس نے ایک گائے خیرات کی، اور جو تیسری ساعت میں گیا تو گویا اس نے ایک سینگوں والا مینڈھا خیرات کیا اور جو چوتھی ساعت میں پہونچا تو گویا اس نے ایک مرغی خدا کے راستے میں خیرات کی، اور جو پانچویں ساعت میں پہونچا تو گویا اس نے ایک انڈا خیرات کیا۔ حتیٰ کہ جب امام منبر پر آبیٹھتا ہے تو ملائکہ خطبہ سننے کے لئے (مسجد کے دروازوں سے) آجاتے ہیں (اور رجسٹر میں نام درج ہونے کا بند ہو جاتا ہے)۔ اسکو امام مالکؒ، بخاریؒ مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

نیز بخاری، مسلم، ابن ماجہ کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جمعہ کے روز فرشتے مسجد کے دروازے پر آکر کھڑے ہو جاتے

ہیں اور نمبروار پہلے آنے والوں کے نام لکھتے رہتے ہیں۔

سب سے پہلے دوپہری میں آنے والا تو اس شخص کے برابر ہے جو مکہ میں ایک اونٹ ذبح کرنے کے لئے بھیجے اسکے بعد آنیوالا بمنزلہ اس شخص کے ہے جو گائے ذبح کرنے کے لئے بھیجے پھر اسکے بعد آنے والا ایسا ہے جیسے کوئی ایک مینڈھا مکہ میں ذبح کرنے کے لئے بھیجے اور اسکے بعد آنے والا بمنزلہ ایک مرغی خیرات کرنیوالے کے، اور اسکے بعد آنے والا مثل ایک انڈا خیرات کرنے والے کے ہے حتیٰ کہ جب امام منبر پر آجاتا ہے تو ملائکہ اپنے صحیفے (رجسٹر) بند کر لیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اسکو اسیطرح روایت کیا۔

نیز انکے یہاں ایک روایت میں اس طرح بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے جلد جمعہ کے لئے آنیوالا تو اس شخص کے مانند ہے جو مکہ میں ایک اونٹ ذبح کرنے کے لئے بھیجتا ہے اور اسکے پیچھے آنے والا ایک گائے بھیجنے والے کے مانند ہے اور جو اسکے بعد آئے تو ایک بکری بھیجنے والے کے مانند ہے اور جو اسکے بھی پیچھے پہونچے وہ ایک پرندہ خیرات کرنے والے کے مانند ہے۔

اور ابن خزیمہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز مسجدوں کے تمام دروازوں پر دو دو فرشتے بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ نمبروار جلدی آنے والوں کے نام لکھتے رہتے ہیں (سب سے پہلا شخص) اونٹ صدقہ کرنے والے کے برابر ہے پھر دوسرا گائے اور تیسرا بکری چوتھا پرندہ اور پانچواں انڈا خیرات کرنے والے کے برابر ہے حتیٰ کہ

جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو صحیفے لپیٹ دیئے جاتے ہیں۔

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول جمعہ کی مثال بیان کی (جنکا ذکر دوسری احادیث میں آچکا ہے) پھر جمعہ کے لئے سویرے جانے (کے ثواب) کی مثال گائے کے پھر بکری کے پھر مرغی کے (صدقہ کرنے کے) ثواب کے برابر بیان فرمائی (یہ پہلی ہر دو حدیثوں کا اختصار ہے) اسکو ابن ماجہ نے باسنادِ حسن روایت کیا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے روز تمام مسجدوں کے دروازوں پر فرشتے آبیٹھتے ہیں انکے پاس صحیفے (رجسٹر) ہوتے ہیں ان میں (سویرے آنے والے) لوگوں کے نام نمبروار لکھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب امام منبر پر آجاتا ہے تو صحیفے لپیٹ دیئے جاتے ہیں (اور نام درج ہونے بند ہو جاتے ہیں)۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے ابوامامہ! تو کیا جو شخص خطبہ شروع ہونے کے بعد آتا ہے اسکا جمعہ نہیں ہوتا؟ فرمایا ہاں ہاں جمعہ تو ہوتا ہے مگر (سویرے آنیوالوں کے رجسٹر میں) نام نہیں لکھا جاتا۔ اسکو امام احمد نے اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا طبرانی کی سند میں مبارک ابن فضالۃ واقع ہے اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جمعہ کے روز ملائکہ تمام مسجدوں کے دروازوں پر آبیٹھتے ہیں اور پہلے دوسرے، تیسرے (علیٰ ہٰذا) نمبروار آنے والوں کے نام لکھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب امام منبر پر آجاتا ہے تو یہ رجسٹر بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اس روایت کے رواۃ تمام ثقہ ہیں۔

(جاری)

حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہ

چند نیکیاں اور ایصال ثواب

(۴)

آیۃ الکرسی

حدیث پاک میں اسکو چوتھائی قرآن کریم کے برابر فرمایا ہے (کنز العمال ص ۵۶۲ ج ۱)

اس لحاظ سے چار مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کریم پڑھنے کے برابر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ
وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط
مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ
مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج وَلَا يُحِيْطُوْنَ
بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ج وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ ج وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○

سورۃ القدر

حدیث پاک میں اسکو چوتھائی قرآن کریم کے برابر فرمایا ہے (کنز) اس لحاظ سے چار مرتبہ اس سورۃ کو

پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کریم پڑھنے کے برابر ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

سورۃ الزلزال

حدیث شریف میں اسکو آدھے قرآن کریم کے برابر فرمایا ہے (ترمذی) اس طرح دو مرتبہ اسکو پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کریم پڑھنے کے برابر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

سورۃ العادیات

از روئے حدیث یہ سورۃ آدھے قرآن کریم کے برابر ہے

(ابوعبید تفسیر مواہب الرحمٰن ص ۲۶۷ ج ۷) ۔ اس طرح دو مرتبہ اس سورت کو پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کریم کے برابر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝

سورۃ التکاثر

یہ سورۃ ایک مرتبہ پڑھنے کا ثواب از روئے حدیث ایک ہزار آیات پڑھنے کے برابر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

(جاری)

خبریں

جناب مولانا فضل الرحمن محمد عارف صاحب مدظلہٗ، کھولوا ڑ ضلع سورت، پر وسط اگست میں شدید دورۂ قلب پڑا مرض کے شدید ہونے کی بنا پر کئی روز مقامی اسپتال میں زیر علاج رہنا پڑا بحمد اللہ علاج سے فائدہ ہے لیکن ضعف ونقاہت بدستور باقی ہے۔ مولانا مدظلہٗ کے خط سے بیماری کی اطلاع ملی، اس خط میں انھوں نے جملہ اہل ادارہ بالخصوص حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم سے نیز قارئین رسالہ وصیۃ العرفان سے کلی صحت اور شفا یابی کے لئے دعا کی درخواست فرمائی ہے۔ مولانا محترم رسالہ کے قدیم قاری ہیں اور صالح ومتقی عالم دین ہیں اس ادارہ کے مخلص معاون بھی ہیں لہٰذا جملہ قارئین سے گذارش ہے کہ مولانا محترم کی صحتِ عاجلہ وکاملہ کیلئے خصوصی دعا فرمائیں

مولانا حمزہ حسنی صاحب کے خط سے اس حادثۂ فاجعہ کی اطلاع ملی کہ انکی والدۂ محترمہ (اہلیہ مولانا سید ثانی حسنی علیہ الرحمہ اور مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب مرحوم کی صاحبزادی، حضرت مولانا علی میاں صاحب کی بھتیجی) ۲۰ ربیع الثانی بروز سہ شنبہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے

مدرسہ وصیۃ العلوم میں ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا اور دعائے مغفرت کی گئی۔

حامل مضامین تصوف و عرفان، افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر:۔ احمد مکین

شمارہ: ۱۱-۱۲۔ رجب، شعبان ۱۴۳۰ھ مطابق نومبر، دسمبر ۲۰۰۹ء جلد: ۲۲

قیمت فی پرچہ آٹھ روپیہ سالانہ زرِ تعاون اسّی روپیہ ششماہی پینتالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین۔ ۲۳/۲۵۔ بخشی باز

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ مولوی احمد متین، اسرار کریمی پریس حسین گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

جنوری ۲۰۰۰ء سے رسالہ وصیۃ العرفان کا زر تعاون حسب ذیل ہوگا

سالانہ	————	نوّے ۹۰ روپیہ
ششماہی	————	پچاس ۵۰ 〃
فی پرچہ	————	نو ۹ 〃

پیش لفظ

۱۵ شعبان مدارس اسلامیہ کے مشاغل و مصروفیات کے اختتام کا ہوا کرتا ہے، بحمد اللہ مدرسہ عربیہ" وصیۃ العلوم" (الہ آباد) میں تعلیمی سلسلہ پوری سرگرمی کے ساتھ تمام سال جاری رہا، طلباء عزیز پورے سال تعلیم میں مشغول اور اساتذہ کرام تدریس میں منہمک رہے۔ مکتب سے لیکر عربی ششم تک کی جماعتیں زیر تعلیم رہیں، امسال بھی ایک جماعت تکمیل دورۂ حدیث شریف کے لئے مرکزی درس گاہوں کے لئے عازم سفر ہوگی، نیز تقریباً دس بچے دولت حفظ کلام اللہ سے مالامال ہوئے ہیں۔

حضرت مصلح الامت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ چشمۂ فیض بزرگوں کی دعا، اور اصحاب خیر کی توجہ اور اعانت سے جاری ہے اللہ کا شکر ہے کہ آج تک اعتماد علی اللہ اور توکل کے انھیں خطوط پر قائم ہے جس پر حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ نے رکھا تھا۔ بلاشبہہ یہ مدرسہ توکل علی اللہ کی ایک زندہ مثال ہے کہ اتنا بڑا ادارہ صرف خدائے واحد کی ذات پر اعتماد کرکے چل رہا ہے، نہ تو حصول زر کے لئے جلسہ ہے نہ جلوس اور نہ سفیر و اسفار اور نہ ہی تحریک و ترغیب۔ صرف ایسے حضرات اسکی خدمت کر رہے ہیں جو نام و نمود کی خواہش سے بے نیاز ہوکر ایسی خاموشی سے اس کارخیر میں حصہ لیتے ہیں کہ دوسرے ہاتھ تک کو خبر نہ ہو۔ حضرت اقدس قدس سرہٗ سے محبت و عقیدت رکھنے والے بھی دامے، درمے اور سخنے اسکی مدد و اعانت کیلئے کمربستہ رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ جملہ معاونین و مخلصین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

حضرت اقدس مصلح الامۃ قدس سرہٗ خود بھی اس ادارہ کی ترویج

ترقی اور بقا کیلئے اپنے مخلصین و محبین کو ہدایت فرماتے چنانچہ ایک خط میں جناب شاکر حسین خانصاحب مرحوم کو ہدایت فرماتے ہیں اور انکے توسط سے اپنے متعلقین اور اہل الہ آباد کو خطاب فرماتے ہیں :-

خانصاحب سلمہٗ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو میرے جوابات ملے ہونگے امید ہے کہ اس سے ضرور آپ کو بصیرت ہوئی ہوگی ؟ میں نے جو بنیاد دین کی الہ آباد میں رکھی ہے اسکا باقی رکھنا ترقی دینا اہل الہ آباد کا فرض ہے خاص کر جو لوگ مجھ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں انکا اہم فریضہ ہے کہ میری تعلیمات کو جاری رکھیں اور میری اصلاحی چیزوں کی خصوصیت پہچانیں اور لوگوں کو اتحاد و اتفاق رکھنے کی برابر ہدایت کرتے رہیں ۔

والسلام ۔ (وصی اللہ عفی عنہٗ)

یقیناً حضرت والا قدس سرہٗ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ روز بروز یہ ادارہ مائل بہ ترقی ہے ۔ حضرت والا کے ارشادات و تعلیمات سے لوگ آج بھی ... فیض کر رہے ہیں ۔ حضرت اقدس قاری صاحب مدظلہٗ العالی کے زیر انتظام و سرپرستی مسجد و مدرسہ و خانقاہ و ادارہ اپنے حقوق کما حقہٗ ادا کر رہے ہیں ۔ دعا فرمائیں اللہ تبارک و تعالیٰ اس چشمۂ فیض کے فیض کو تا ابد جاری رکھے اور بندگان خدا اس سے سیراب ہوتے رہیں ۔

حضرت اقدس قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ العالی کا ناسازگاری صحت کی بنا پر پورے سال قیام الہ آباد میں رہا جسکی بنا پر واردین و صادرین کی آمد و رفت برابر خانقاہ میں ہے ۔ انشاء اللہ رمضان المبارک میں قیام الہ آباد میں ہی رہے گا ۔ قارئین سے گذارش ہے کہ حضرت والا کی صحت و عافیت کے لئے خصوصی دعا فرمائیں ۔

اہم انتباہ : اس امر کا بارہا اعلان کیا جا چکا ہے کہ مدرسہ عربیہ "وصیۃ العلوم" الہ آباد کی جانب سے کوئی سفیر مقرر نہیں ہے اگر آپ کے پاس کوئی صاحب اس مدرسہ کی رسید لیکر چندہ کیلئے پہونچیں تو اس مدرسہ کیلئے رقم دینے سے احتراز فرمائیں، خود بھی ہوشیار رہیں اور احباب کو بھی مطلع فرما دیں۔ البتہ مختلف شہروں میں کچھ مخلصین اپنے طور پر احباب سے مدرسہ کیلئے رقمیں وصول کر کے الہ آباد روانہ کر دیتے ہیں جنھیں بذریعہ خط رقم کی وصولیابی سے مطلع کر دیا جاتا ہے۔

رقم اگر بذریعہ منی آرڈر ارسال کرنا ہے تو وہ حضرت قاری صاحب مدظلہ کے نام روانہ کی جائے اور منی آرڈر کوپن پر رقم کی بابت تصریح کر دی جائے اگر بذریعہ بینک ڈرافٹ بھیجنا ہے تو صرف مندرجہ الفاظ سے بنائیں "مدرسہ وصیۃ العلوم" MADRASA WASIATUL ULOOM

گذارشات : چند سال قبل مسجد و مدرسہ کے بالمقابل ایک زمین فروخت ہو رہی تھی بحمد اللہ وہ زمین برائے مدرسہ حاصل کر لی گئی اور اسپر تعمیر کا کام شروع ہوا ہے دعا فرمائیں اللہ تعالے اسکو پایۂ تکمیل تک پہنچائے

نیز مسجد کے متصل آگے کی جانب ایک مکان فروخت ہو رہا ہے جو مسجد و مدرسہ کی ضروریات کیلئے نہایت ہی موزوں ہے۔ قیمت بہت زیادہ ہے ہم لوگوں کی بساط سے باہر اسکے لئے بھی دعا فرمائیں اللہ اپنے گھر کی توسیع کے لیے غیب سے سامان فرما دیں اور اس مشکل اور دشوار امر کو ہمارے لئے آسان اور سہل بنا دے۔ آمین

گرانی سے سابقہ فرد واحد کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اسکے اثرات عالمگیر ہیں ہر شعبۂ حیات متاثر ہے مشکلات، مصائب اور ناسازگاری

حالات کی شکایت ہر زبان پر ہے مگر ان سب کے باوجود زندگی کے لوازمات بڑھتے جارہے ہیں، سادگی وکفایت شعاری کا تصور مٹتا جارہا ہے، خوب سے خوب تر کے حصول کا جذبہ دن رات کے سکون کو درہم برہم کئے ہوئے ہے جب دولت کو حاصل زندگی سمجھا گیا اس نے بجائے راحت پہنچانے کے انسان کو مشین بنادیا ہے اور ہر وقت حرکت میں رکھتا ہے سکون کے چند لمحے بھی میسر نہیں۔ آج انسان معاشرہ کے خود ساختہ بلند معیار تک پہنچنے کے لئے پست سے پست حرکت کے ارتکاب سے گریز نہیں کرتا۔ کسی بھی رسم ورواج کو گرانی یا مہنگائی کے سبب ترک کرنے پر آمادہ نہیں بلکہ روز بروز نت نئے خرچ کے اضافے ہو رہے اور یہ تمام اضافے ہنسی خوشی برداشت کئے جارہے ہیں معاشرہ میں اپنا توازن برقرار رکھنے کے لئے، اپنا مقام و مرتبہ قائم رکھنے کیلئے۔ لیکن اس بھاگ دوڑ اور گراں بار زندگی میں اگر کسی چیز سے غفلت اور بے فکری برتی جارہی ہے تو وہ ہے آخرت کی زندگی۔ اسکی تیاری سے غفلت میں برابر اضافہ ہوتا جارہا ہے، آج کتاب زندگی سے جذبۂ دین حاشیہ پر چلا گیا ہے لہذا اس معاملہ میں گرانی، ناسازگاری حالات، فرصت اور وقت کی کمی کو ہم شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ امور خیر میں خواہ وقت خرچ ہو یا محنت و رقم صرف ہو تو گراں بار ہوتے ہیں اور تساہلی اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر ہم غور کریں تو اہل ایمان کی زندگی کا مقصد آخرت کی فکر اور خدا و رسول کے رضا و خوشنودی کی تلاش ہے کامیاب وہی شخص ہے جو اس حیات کے وقفہ کو سفر کا وقفہ سمجھتا ہے اور اس سفر میں بس بقدر ضرورت توشہ کو ضروری خیال کرتا ہے، اس وقفہ کو اپنی اور اپنی آل و اولاد کی عاقبت کے بنانے اور سنوارنے میں صرف کرتا ہے۔ (مدیر)

اعلان

(رسالہ کے زرتعاون میں اضافہ)

رسالہ "وصیۃ العرفان" کا زرتعاون فی الحال اسّی روپیہ ہے لیکن تیزی سے بڑھتی ہوئی گرانی کی وجہ سے اضافہ ناگزیر ہوگیا ہے۔ دوسرے تمام معیاری رسالوں نے اپنا زرتعاون بہت پہلے سے بڑھا رکھا ہے لیکن ہم نے اپنا زرتعاون ابھی تک نہیں بڑھایا ہے کیونکہ مقصود رسالہ کے نفع کو عام کرنا ہے وہ اسی وقت ممکن ہے جب رسالہ کا زرتعاون کم سے کم ہو لیکن حالات کی ناسازگارنی سے مجبور ہوکر ہم اگلے سال جنوری ۲۰۰۰ء سے رسالہ کا زرتعاون نوّے ۹۰ روپیہ مقرر کررہے ہیں۔ ششماہی زرتعاون پچاس ۵۰ روپیہ ہوگا اور فی رسالہ نو ۹ روپیہ قیمت ہوگی۔ غیر ممالک کا زرتعاون دس پونڈ ہی رہیگا۔ امید ہے کہ خریدار حضرات ہماری مجبوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس معمولی اضافہ کو قبول فرمائینگے ــــــ تمام حضرات سے گذارش ہے کہ آئندہ سال ۲۰۰۰ء کیلئے اپنا زرتعاون مبلغ نوّے ۹۰ روپیہ دسمبر ۱۹۹۹ء تک ارسال فرمادیں۔

ایک گذارش: بہت سے خریدار حضرات نے رسالہ "وصیۃ العرفان" کا سالانہ زرتعاون ۱۹۹۹ء کا ابھی تک نہیں ادا کیا ہے حالانکہ ہم اپنا رسالہ برابر انکو ارسال کررہے ہیں، اب سال ختم کے قریب ہے ایک بار ہم جولائی میں سب کو اطلاع دے چکے ہیں اطلاع پہونچنے کے بعد بہت سے حضرات نے اپنا زرتعاون بھیجدیا ہے لیکن اب بھی کافی لوگوں کا زرتعاون باقی ہے اسلئے ایسے تمام حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنا زرتعاون مبلغ اسّی روپیہ جلد از جلد ارسال فرمادیں یہ انکا رسالہ کے ساتھ بہت بڑا تعاون بھی ہوگا اور اپنے واجب الذمہ قرض سے سبکدوشی بھی ہوگی ــــ اگلے سال کا رسالہ صرف انھیں حضرات کو ارسال کیا جائیگا جنکا زرِتعاون وصول ہوجائیگا۔

جن حضرات کا زرتعاون اب تک نہیں آیا ہے انکی فہرست (صرف خریداری نمبر) ہم درج کررہے ہیں، خریداری نمبر پتے کے اوپر لکھا ہوتا ہے اسے دیکھکر

ملالیں اور اگر ابتک بھی چندہ ادا نہیں کیا ہے تو اولین فرصت میں اسکو بھیجنے کی کوشش کریں اور ساتھ ہی ساتھ ۲۰۰۰ء کا زرتعاون نوے روپیہ بھی ارسال فرمائیں۔ والسلام

(امانت علی عفی عنہ)

خریداری نمبر

1284	895	705	426	6
1289	897	708	431	59
1328	899	741	449	70
1338	902	766	461	71
1344	903	777	529	72
1361	908	797	539	87
1374	922	802	576	100
1383	984	805	597	121
1401	1002	813	611	178
1416	1007	817	618	226
1419	1083	825	625	294
1424	1087	845	638	343
	1110			
1460	1112	852	641	404
1465	1141	869	647	407
1472	1191	885	657	412
1473	1201	889	689	415
1474	1269	893	694	418
1479				
1480				
1496				

مصلح الامت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مجلس ہشتم

علماء ربانیین کے کلام میں تکرار کا منشاء

(۲)

قرآن میں سب سے اہم چیز تصدیق رسالت کا بیان میں کہتا ہوں کہ امام غزالیؒ نے مقاصد قرآن جن چھ امور کو قرار دیا ہے وہ ٹھیک ہیں لیکن انھیں کی برکت سے میں یہ کہتا ہوں کہ قرآن میں سب سے اہم جس چیز کا بیان ہے وہ رسالت کی تصدیق ہے اسی پر سب کا دار و مدار ہے۔ چنانچہ توحید بھی اسی پر موقوف ہے کیونکہ ہم کو جو توحید کا علم ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ ہی سے ہوا اسلئے آپکی تصدیق سب کی اصل اور سب سے اہم ہے جس درجہ آپکی تصدیق ہوگی اسی قدر انسان کو مقاصد قرآن کی معرفت ہوگی۔ اسی رسالت کو اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

یعنی اگر تم کو اس کتاب کے مُنزّل من اللہ ہونے میں شبہہ ہو (جسے ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے) تو تم بھی اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ۔ ظاہر ہے کہ تم نہ لاسکو گے اور عاجز رہ جاؤ گے تو

اسی سے سمجھ لو کہ یہ قرآن بشری طاقت سے بالا تر ہے لہٰذا ضرور مُنَزَّل من اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب رسول ہی پر نازل ہوئی ہے پس آپ ؐ کی رسالت کی تصدیق کرو۔

منازل طریق کی وضاحت غرض منازل طریق کو حق تعالیٰ ہی بیان فرما سکتے ہیں یا انکا کوئی نائب اسکے علاوہ اپنی عقل سے جو بھی راہ تجویز کیجائے گی وہ گمراہی ہوگی۔

مپندار سعدیؔ کہ راہ صفا توان رفت جز برپئے مصطفےٰ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند برفتند و بسیار سرگشتہ اند

دریں بحر جز مردِ داعی نرفت گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت

(اے سعدیؔ یہ مت سمجھنا کہ باطن کے تزکیہ و تصفیہ کے راستے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر گامزن ہو سکتے ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جس کسی نے بھی جو راستہ اختیار کیا وہ کبھی بھی (قرب خداوندی اور رضاء الٰہی کی) منزل مقصود کو نہیں پہونچ سکا۔ جو لوگ اس (پیروی سنت کے) راستے سے بھٹک گئے ہیں وہ بہت چلے ہیں اور بڑی ریاضتیں کی ہیں، بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں لیکن بہت حیران و پریشان ہوئے ہیں۔ معرفت خداوندی کے اس بحر نا پیدا کنار میں "مرد داعی" یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی داخل نہیں ہوا ہے لہٰذا جو بھی راعی کے پیچھے اور انکے نقش قدم پر نہ چلا وہ کھو گیا اور گمراہ ہو گیا)

سیدنا رفاعیؒ کا ارشاد گرامی کوئی عالم ہو یا صوفی سب کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ضروری ہے۔ اگر کوئی عالم یا صوفی شریعت کا اتباع

نہیں کرتا تو اسکے متعلق سید نا رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

"میرے نزدیک جو صوفی، فقیہ و عالم کی حالت پر انکار کرے یعنی اسکو برا کہے وہ یقیناً مبتلائے قہر ہے، اور جو فقیہ صوفی کی حالت پر انکار کرے وہ کلبی راندۂ درگاہ ہے۔ ہاں اگر کوئی عالم صرف اپنی زبان سے حکم کرتا ہو، شریعت کی ترجمانی نہ کرتا ہو یا صوفی اپنے طور پر راستہ طے کر رہا ہو، شریعت کے موافق نہ چلتا ہو تو پھر ایک دوسرے کو برا کہنے میں کسی پر کوئی گناہ نہیں"

(البنیان المشید ص ۱۴)

پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ منازل طریق کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں منحصر ہے تو خواہ کوئی عالم ہو یا صوفی ہو سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ضروری ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں دین و دنیا دونوں کے لئے ہیں

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر موقع پر ایسی ادعیہ ارشاد فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ربط پیدا کرنے کے لئے وہی کافی و وافی ہیں مثلاً آپؐ سے یہ دعا ثابت ہے فرماتے ہیں :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰی بِقَضَائِكَ وَ تَقْنَعُ بِعَطَائِكَ

یعنی اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے ایسا نفس جو تجھ پر اطمینان رکھے جو تیرے ملنے کا یقین رکھے اور تیرے حکم پر راضی رہے اور تیرے عطیہ پر قناعت کرے۔

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اگر یہ دعا ر تعلیم نہ فرمائی ہوتی تو آپ کہاں سے اسکو جانتے اسی لئے کہا گیا ہے

پے نبرد سے ہیچکس تا منزل حق الیقیں
گر نبودے ذات پاکت اندریں رہ مقتدیٰ

مقام حق الیقین تک کوئی شخص راہ طے ہی نہ کرسکتا اگر آپ کی ذات پاک اس راہ میں اسکی رہنمائی نہ فرماتی ۔

اور سنیئے دنیا کے متعلق کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے کس طرح سوال کرتے ہیں اور اس سے مقصود امت کو تعلیم دینا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی دینی و دنیوی سب حاجات کا اسی طرح سوال کیا کریں ۔ ارشاد فرماتے ہیں :۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ فَضْلِکَ وَلَا تَحْرِمْنَا رِزْقَکَ وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مَا رَزَقْتَنَا وَاجْعَلْ غِنَاءَ نَا فِیْ اَنْفُسِنَا وَاجْعَلْ رَغْبَتَنَا فِیْ مَا عِنْدَکَ

(یعنی اے اللہ نصیب کر ہمیں اپنا کچھ فضل اور نہ محروم رکھ ہمیں اپنے رزق سے اور برکت دے ہمیں اس رزق میں جو تو نے ہمیں دیا ہے ۔ اور کر غنا ہماری ہمارے دلوں میں اور کر دے رغبت ہماری اس چیز میں جو تیرے پاس ہے (مراد اس سے ثواب ہے) یعنی ہمیں نیک کاموں کی توفیق عطا فرما اور اس سے ہمارا مقصود ثواب آخرت بنا)

دیکھیئے کبھی آپ نے یہ دعا ر بھی فرمائی ہے! اب یہ دعا ر کرنا اتباع سنت ہوا ۔ یہ سب منازل طریق ہی ہیں جسے انبیا رعلیہم السلام تعلیم فرماتے ہیں اور یہی سب سے اہم ہے ۔ اتباع سنت کے طور پر مشائخ کا بھی یہی منصب ہے ۔ اسکے اندر عبادات، اخلاق، معاشرت سب داخل ہیں ۔ چنانچہ ایک صوفی کے لئے یہ ضروری ہے کہ عبادت کے ساتھ ساتھ اخلاق اور معاشرت وغیرہ سب درست کرے

یس کا نام بزرگی ہے، باقی بزرگوں کے پاس جانے سے جو لوگ
براہیں تو اسلئے کہ ڈرتے ہیں کہ ہماری دنیا چھڑا دیں گے۔

ضرت مصلح الامت کا ایک واقعہ

ایک لڑکا میرے پاس آتا تھا اسکا باپ اس پر بہت ناراض
رتا تھا مگر وہ چھپ چھپا کر میرے پاس آتا تھا اسی نے مجھ سے اپنے
پ کا یہ حال بیان کیا کہ میرے یہاں آنے پر بہت خفا ہوتے ہیں
ں نے دل میں سوچا کہ آخر کیا بات ہے میں تو کسی برائی کی تعلیم
ہیں کرتا کسی کا گھر نہیں بگاڑتا پھر یہ آخر کیوں خفا ہوتے ہیں مگر خود
ی سمجھ میں بات آئی کہ یہ دنیا دار لوگ ہیں سوچتے ہونگے کہ یہ وہاں
ئے گا تو نماز روزہ ہی میں لگا رہے گا۔
مارے کام کاج رہ جائے گا اسلئے میں نے اس لڑکے سے کہا کہ دیکھو
ب تم یہاں آنا چاہتے ہو تو تم کو دہری محنت کرنا پڑیگی دین سیکھو تو
س پر بھی عمل کرو اور معمولات بھی ادا کرو لیکن اسکی وجہ سے دنیا
کے کام میں کچھ بھی کمی نہ آنے پائے اس نے اسکو منظور کر لیا چنانچہ یہی کرتا
تھا کہ میرے پاس بھی آتا تھا اور اپنی کھیتی باڑی کا کام بھی پہلے سے
یادہ کرنے لگا۔ باپ نے جب یہ دیکھا تو خوش ہو گیا پھر اسکے
بعد خود سے تقاضا کر کے اسے بھیجنے لگا اور مجھے سلام کہلانے لگا
رض دین اور بزرگی کوئی بری چیز نہیں ہے جبکہ ان دنیا داروں کو
معلوم ہو جائے کہ اس سے دنیا بھی ملا کرتی ہے اور دنیا کی محبت
گویا انسان کی فطرت ہی میں ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اسکی
ضرورت بھی ہے اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین
کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھی دعا تعلیم فرمائی ورنہ ہم اللہ تعالیٰ سے
دین اور آخرت تو کیا مانگتے دنیا اور اپنی ضرورت کی چیزوں کا

کبھی سوال کرنا ہمیں نہ آتا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کمال ہے کہ ان امور کو جن کو دنیا کہا جاتا ہے انھیں دعار کے رشتہ میں منسلک فرماکر اسکو بھی اللہ تعالیٰ سے قرب اور ربط کا ذریعہ بنا دیا، یہی دعا آپ دل سے کر لیجئے اللہ تعالیٰ سے ربط ہو جائیگا دنیا کی دعار بھی دنیا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کی وجہ سے ربط بالخالق ہے اور عین دین ہے۔

اور سنئے ارشاد فرماتے ہیں :۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ تَوَكَّلَ عَلَيْكَ فَكَفَيْتَهٗ وَاسْتَهْدَاكَ فَهَدَيْتَهٗ وَاسْتَنْصَرَكَ فَنَصَرْتَهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْيَتَكَ وَذِكْرَكَ وَاجْعَلْ هِمَّتِیْ وَهَوَایَ فِيْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى ۔	یا اللہ! کر دے مجھے ان لوگوں میں سے جنھوں نے توکل کیا تجھ پر پس تو انکو کافی ہوگیا اور انھوں نے ہدایت مانگی تجھ سے پس تو نے انھیں ہدایت دی اور انھوں نے مدد چاہی تجھ سے پس تو نے انھیں مدد دی، اے اللہ کر دے میرے دل کے خیالات کو اپنا خوف اور اپنی یاد اور کر دے ہمت میری اور خواہش میری اس چیز میں جسے تو اچھا سمجھے اور پسند کرے

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِیْ بِعَيْنِكَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنِیْ بِرُكْنِكَ الَّذِیْ لَا يُرَامُ وَارْحَمْنِیْ بِقُدْرَتِكَ عَلَیَّ فَلَا اَهْلِكُ وَاَنْتَ رَجَائِیْ	اے اللہ! نگہبانی کر میری اپنی اُس آنکھ سے جو کبھی سوتی نہیں اور آڑ میں لے لیجئے مجھے اپنی اس قوت کے جسکے پاس کوئی پھٹک نہیں سکتا اور رحم کر مجھ پر بوجہ اپنی اس قدرت کے جو تجھکو مجھ پر حاصل ہے تاکہ میں پھر ہلاک نہ ہو سکوں اور تو ہی میری امیدگاہ ہے۔

ایک طویل دعار کے آخر میں فرماتے ہیں :۔

وَاَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِیْ	اور مانگتا ہوں میں تجھ سے بطفیل تیرے ان نام کے

وَضَعْتَهُ عَلَى الْاَرْضِ فَاسْتَقَرَّتْ
وَعَلَى السَّمٰوٰتِ فَاسْتَقَلَّتْ
وَعَلَى الْجِبَالِ فَرَسَتْ وَاَسْئَلُكَ
بِاسْمِكَ الَّذِيْ اسْتَقَرَّ بِهٖ
عَرْشُكَ وَاَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ
الطَّاهِرِ الْمُطَهَّرِ الْمُنَزَّلِ فِيْ
كِتَابِكَ مِنْ لَّدُنْكَ وَبِاسْمِكَ
الَّذِيْ وَضَعْتَهُ عَلَى النَّهَارِ
فَاسْتَنَارَ وَعَلَى اللَّيْلِ
فَاَظْلَمَ وَبِعَظْمَتِكَ وَ
كِبْرِيَائِكَ وَبِنُوْرِ وَجْهِكَ
اَنْ تَرْزُقَنِيَ الْقُرْاٰنَ
الْعَظِيْمَ وَتُخَلِّطَهُ بِلَحْمِيْ
وَدَمِيْ وَسَمْعِيْ وَبَصَرِيْ
وَتَسْتَعْمِلَ بِهٖ جَسَدِيْ
بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ فَاِنَّهُ
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

جس کو تو نے زمین پر رکھا تو وہ ٹھہر گئی اور آسمانوں
پر رکھا تو وہ تھم گئے اور پہاڑوں پر رکھا تو وہ جم گئے
اور سوال کرتا ہوں میں تجھ سے بطفیل تیرے اس نام کے کہ
ٹھہرا ہوا ہے اس سے عرش تیرا اور سوال کرتا ہوں میں
تجھ سے بطفیل تیرے اس نام کے کہ پاک ہے اور
ستھرا ہے جو تیری کتاب میں تیرے یہاں سے اتارا
گیا ہے اور بطفیل تیرے اس نام کے کہ جسکو تو نے دن پر
رکھا تو روشن ہو گیا اور رات پر رکھا تو وہ اندھیری ہو گئی
اور بطفیل تیری عظمت کے اور بطفیل تیری کبریائی کے اور
بطفیل تیرے نور ذات کے یہ کہ نصیب کرے تو مجھے
قرآن عظیم اور پیوست کر دے تو اسے میرے گوشت میں
اور میرے خون میں اور میری شنوائی میں اور میری بینائی
میں، اور اس پر عامل بنا دے تو میرے جسم
کو اپنی قدرت اور قوت سے کیونکہ نہیں ہے
پھرنا معصیت سے اور قوت عبادت
کی مگر تیرے ذریعہ سے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ
اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ
بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِيْ
كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا
مِّنْ خَلْقِكَ اَوِاسْتَاْثَرْتَ بِهٖ

یا اللہ! مانگتا ہوں میں تجھ سے بحق ہر اس
نام کے جو تیرا ہے کہ تو نے جس کے ساتھ اپنی ذات کو
موسوم کیا یا اسکو اپنی کتاب میں اتارا ہے یا تو نے اُسے
اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب میں
ہی اسکو رہنے دیا ہے یہ کہ کر دے تو

فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ بَصَرِيْ وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ

قرآنِ عظیم کو بہار میرے دل کی اور نور میری آنکھ کا اور کشائش میرے غم کی اور دفعیہ میری فکر کا

اسی طرح ایک دعا میں ارشاد فرماتے ہیں :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ تَعْجِيْلَ عَافِيَتِكَ وَدَفْعَ بَلَائِكَ وَخُرُوْجًا مِنَ الدُّنْيَا اِلٰى رَحْمَتِكَ يَا مَنْ يَكْفِيْ عَنْ كُلِّ اَحَدٍ وَّلَا يَكْفِيْ مِنْهُ اَحَدٌ يَا اَحَدَ مَنْ لَا اَحَدَ لَهٗ يَا سَنَدَ مَنْ لَا سَنَدَ لَهٗ اُنْقَطَعَ الرَّجَاءُ اِلَّا مِنْكَ نَجِّنِيْ مِمَّا اَنَا فِيْهِ وَاَعِنِّيْ عَلٰى مَا اَنَا عَلَيْهِ مِمَّا نَزَلَ بِيْ بِجَاهِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَيْكَ اٰمِيْنَ۔

اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے تیری عافیت عاجلہ اور تیری بلا کا دفعیہ اور نکلنا دنیا سے تیری رحمت کی طرف، اے وہ کہ کافی ہے سب کے عوض اور نہیں ہے کافی اس کے عوض میں کوئی۔ اے کس بیکسوں کے اے سہارے بے سہاروں کے قطع ہوگئی امید مگر تجھ سے، نجات دے مجھے اس حال سے کہ میں اس میں ہوں اور مدد کر میری نازل شدہ بلا پر صدقہ اپنی ذات پاک کے اور بطفیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حق کے جو تجھ پر ہے۔ آمین۔

سبحان اللہ! حضور **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا نہیں چھڑائی** صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اسلئے انھوں نے ان دعاؤں کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ سے ربط پیدا کردیا۔ ان دعاؤں کو پڑھئے اور اور اللہ تعالےٰ سے دین بھی لیجئے اور دنیا بھی اسی کا نام ہے ہم خرما و ہم ثواب۔

میں یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے دنیا کہاں چھڑائی بلکہ ان تعلیمات میں تو اللہ تعالیٰ سے دین کے ساتھ رزق، صحت اور عافیت، دفع ہم اور غم جو ساری ہی دنیاوی چیزیں ہیں ان سب کی تحصیل کو مطلوب قرار دیا۔ بات یہ ہے کہ اور دوسرے دنیا دار دنیا کو غفلت کے ساتھ کماتے ہیں اور غفلت ہی کے ساتھ اسکو خرچ کرنا چاہتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ ان امور کو بھی طلب فرمایا اور قلب کو ان میں مشغول ہو کر حق تعالیٰ سے غافل بھی نہ ہونے دیا اسی لئے کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے راستہ طے کرنا آسان ہے ورنہ۔ع۔ برفتند و بسیار سر گشتہ اند۔ ہی کا مصداق ہوگا۔

دیکھئے ان دعاؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت میں اخلاق میں اور معاشرت میں اور اخلاص میں غرض سب ہی چیزوں میں آپکی جانب رجوع کرنا پڑے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت اللہ تعالیٰ سے بھی تعلق پیدا فرما دیا اور خود اپنے سے بھی اسلئے کہ جب کوئی ان دعاؤں کو پڑھیگا تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اسکے قلب میں آئیگی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان دعاؤں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک کس طریقہ سے پہونچا دیا۔ آپ سے یہ ادعیہ جو منقول ہیں وہ آپکے عالم نزول کی ہیں یعنی اس حالت کی ہیں جب آپؐ کو اپنا عبد ہوتا اور حق تعالیٰ کا معبود ہونا پوری طریقے سے مستحضر ہے جسکے متعلق صوفیہ لکھتے ہیں کہ یہ حالت عروج سے افضل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عین نزول میں عروج ہے۔ اولیاء کرام اس حالت کا تحمل نہیں کر سکے۔ جب عروج میں بہت کچھ ترقی کی تو اَنَا الْحَق کہہ دیا (میں حق ہوں)

سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی (میری ذات پاک ہے، میری کسقدر عظیم ہے) کہدیا۔ لیکن نزول میں جو کہ اکمل حال ہے صرف انبیاء علیہم السلام ہی بڑھے رہے۔ باقی اولیاء کرام کا تو یہ حال رہا کہ اگر عروج میں ہوئے تو نزول غائب اور نزول میں ہوئے تو عروج غائب۔ نزول میں عروج یہ انبیاء علیہم السلام کا ہی حصہ تھا۔

بہرحال دعاؤں کا طریق بھی نہایت سہل اور آسان ہے مگر جب آپ اسکو سمجھیں اور اس پر چلیں تب۔ اور آپ کو کوئی سمجھانے والا اور چلانے والا ملے تب۔ انتہٰی۔

ماہ شوال کے چھ روزے

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے اسکے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث پاک میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ نفلی روزوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے انکے رکھنے کی ترغیب اور اسکا ثواب عظیم بتلایا ہے، اجر و ثواب دینے کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے یہ کرم فرمایا ہے کہ ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا دینے کا وعدہ فرمالیا ہے جب کسی شخص نے رمضان المبارک کے تیس ۳۰ روزے رکھے اور پھر شوال میں چھ ۶ روزے اور رکھ لئے تو یہ چھتیس ۳۶ روزے ہوگئے، اور چھتیس کو دس ۱۰ سے ضرب دینے سے تین سو ساٹھ ۳۶۰ ہو جاتے ہیں، قمری حساب سے ایک سال تین سو ساٹھ ۳۶۰ دن کا ہوتا ہے لہٰذا چھتیس روزے رکھنے پر اللہ جل شانہٗ کے نزدیک تین سو ساٹھ روزے شمار ہونگے اور اسطرح پورے سال روزے رکھنے کا ثواب ملیگا۔ اگر کوئی شخص ہر سال رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ چھ نفلی روزے بھی شوال میں رکھ لیا کرے تو وہ اجر و ثواب کے اعتبار سے ساری عمر روزے رکھنے والا مان لیا جائیگا فسبحان اللہ الکریم۔

مصلح الامت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ

مجلس نہم

(انبیاء علیہم السلام کی بعثت)

امام غزالیؒ نے یہ جو فرمایا کہ مقاصد قرآن چھ ہیں تین مہم اور تین متمم اسکے متعلق کلام کرچکا ہوں، اب یہ سمجھئے کہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اُن بڑی نعمتوں میں سے جن کا شکر ادا کرنے کی بندے طاقت نہیں رکھتے ایک بڑی نعمت حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت بھی ہے کیونکہ یہ حضرات غیب کے ترجمان ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے راستہ کے ہادی ہیں اور ان حضرات کو دنیا میں سلئے بھیجا جاتا ہے تاکہ اب جو ہلاک ہو وہ بیّنہ (اور خدائی حجت قائم ہونے) کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بیّنہ یعنی بصیرت کے ساتھ زندہ رہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے جن امور کے قائم کرنے کی دعوت دی ہے ان میں بڑے بڑے امور تین ہیں ایک تو مبدأ و معاد، جزا و سزا کے متعلق عقائد کی تصحیح کرنا، چنانچہ اس فن کی تفصیلات اہل اصول یعنی حضرات متکلمین نے فرمائی۔ دوسری چیز طاعات مقربہ میں عمل کی تصحیح کرنا نیز سنت کے مطابق ضروری طرق انتفاع کو بیان کرنا۔

اور اس فن کی کفالت حضرات فقہاء نے فرمائی۔ تیسری چیز اخلاص اور احسان کی تصحیح جو کہ اس دین حنیفی کی اصل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے پسند فرمایا

اخلاص و احسان کی اہمیت

آگے فرماتے ہیں "اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ تیسری قسم جملہ مقاصد شرعیہ سے ادق ہے اور سب سے زیادہ عمیق ہے اور تمام شرائع میں اسکی حیثیت ایسی ہے جیسے جسم کے لئے روح اور لفظ کے لئے معنی۔

اس فن کی کفالت حضرات صوفیہ نے فرمائی یعنی یہ حضرات پہلے خود اس سے مہتدی ہوئے پھر دوسروں کے لئے ہادی بنے۔ خود پیا اور دوسروں کو پلایا، سعادت کی بلند چوٹی پر فائز ہوئے اور بڑے حصہ کو سمیٹا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے انکی خوبی اور کیا ہی عام ہے انکا نفع اور کیسا تام ہے انکا نور"

اسی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے شاہ صاحبؒ کے فرمانے سے یہ معلوم ہوا کہ عقائد کی تصحیح، عمل کی تصحیح اور اخلاص واحسان کی تصحیح یہ تینوں چیزیں انبیاءؑ کی بعثت سے مقصود تھیں اور ان تینوں میں ایسا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم لوگوں میں ہوا کرتا ہے کہ ایک دوسرے کی بالکل ضد اور مقابل ہو جاتے ہیں بلکہ سب کے سب دین کے ماتحت ہیں اسی لئے ہر شعبہ والے دوسرے شعبے والوں سے مدد لیتے ہیں چنانچہ حضرات صوفیہ فقہاء سے مسائل پوچھتے ہیں اور حضرات فقہا حضرات مشائخ کا احترام فرماتے ہیں اور نور باطن کی تحصیل میں انکی جانب رجوع کرتے ہیں۔ حضرت مولاناؒ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی یہ مسئلہ دیوبند یا سہارنپور سے پوچھ لو۔ اور

یہ حضرات کیوں نہ مراجعت فرماتے شریعت کے احکام تو خدا تعالےٰ کے ہیں اسکے سکھلانے اور بتانے کیلئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں بقراط و سقراط انکے آگے طفل مکتب ہیں۔ شیخ الاسلام شیخ فتح اودھی تین روز متواتر سماع میں مشغول رہے ایک سکر کی کیفیت طاری تھی لیکن نماز پانچوں وقت ادا کرتے رہے تین روز کے بعد جب سکون ہوا تو لوگوں سے پوچھا کہ اس مدت میں نماز ادا کی گئی؟ عرض کیا گیا کہ ہاں حضرت نے نماز ادا فرمائی، پھر انھوں نے اپنے ایک خلیفہ کے پاس یہ بات دریافت کرنے کے لئے کسی کو بھیجا کہ کہ اس حالت کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ انھوں نے جواب میں لکھا کہ حقیقت میں نماز تو وہی ہوئی جو حضرت مخدوم نے ادا کی لیکن شریعت کی رعایت کیوجہ سے دوبارہ پڑھ لیویں ـــــ سبحان اللہ! شریعت کی اور شیخ کے پاس ادب کی کیسی رعایت انھوں نے فرمائی۔ آپ کو اس وقت

طریق مرکب ہے محبت حق اور اتباع سنت سے یہی سمجھانا چاہتا ہوں کہ

طریق مرکب ہے دو چیزوں سے اول محبت حق اور دوسرے اتباع سنت اس میں شک نہیں کہ مقصود اسمیں اصل اللہ تعالیٰ کی محبت ہی ہے لیکن اسکا ذریعہ اتباع سنت ہے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (اگر تم لوگ اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو) نص میں وارد ہے اب لوگ اسی میں فیل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت تو حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن اتباع سنت سے بھاگنا چاہتے ہیں محبت کی باتیں انکے سامنے کیجئے تو خوب جھومتے ہیں مگر سنت کو لیکر چلنا مشکل ہے۔

اکبر الہ آبادی مرحوم نے اسی کو کہا ہے ؎

اٰمَنُوا میں تو سب آگے ہیں　　عَمِلُوا الصّٰلِحٰت مشکل ہے

حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ شریعت نازک جام ہے اور بزرگی لوہالاٹ ہے شریعت کا جام نازک ہونا تو سمجھ میں آتا تھا کہ اس میں، قدم قدم پر جائز و ناجائز کا سوال ہے لیکن بزرگی کا لوہالاٹ ہونا اس وقت سمجھ میں نہیں آیا تھا بعد میں سمجھ میں آیا کہ یہ بزرگ لوگ کیسا ہی قول و فعل کر جائیں، خلاف شرع امور کا ارتکاب کر بیٹھیں، اَنَا الحَقُّ زبان سے نکالدیں سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمَ شَانِیْ کہدیں انکی بزرگی میں ذرا فرق نہیں آتا کہدیا جاتا ہے کہ یہ مغلوب الحال لوگ ہیں علماء چاہے ان پر فتویٰ کفر لگادیں لیکن انکی بزرگی قائم رہتی ہے بات یہ ہے کہ علماء کے ذمہ شریعت کا تحفظ ہے اسکے حدود سے جو کوئی تجاوز کرے گا وہ تو فتوی لگا ہی دینگے اور وہ لوگ اس میں حق بجانب ہیں اب آخرت میں اللہ تعالے ان بزرگ کو بخشدیں اور انکے اس عذر کو قبول فرمالیں کہ "ہم نے جو کچھ کیا اور کہا وہ آپ ہی کی محبت میں مغلوب ہوکر کہا" تو یہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے جنکی شریعت ہے وہی اگر کسی کے حدود شرع سے تجاوز کرنے کو معاف فرمادیں تو فرما سکتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ علماء بھی انکو کچھ نہ کہیں اسلئے کہ اگر اسی طرح ایک ایک بات معاف کردی تو پھر شریعت کا سارا نظام ہی درہم برہم ہوجائے گا اور شرع اور غیر شرع میں کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہیگا یہی وجہ ہے کہ مغلوب الحال بزرگ بھی اپنا کام کرتے رہے اور علماء ظاہر بھی اپنا فرض انجام دیتے رہے چنانچہ جس عالم نے منصور کے قتل کا فتویٰ دیا تھا قتل کے بعد جب خون کے قطروں سے انا الحق کی صدا آنے لگی تو لوگوں نے انھیں محجوج کیا ان عالم صاحب کو اس پر طیش آگیا انھوں نے اپنی دوات الٹ دی

تو روشنائی کے ہر قطرے سے انا الحق کی آواز آنے لگی اور انھوں نے یہ کہا کہ کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ ہم ان چیزوں سے خالی ہیں ایسا نہیں ہے لیکن شریعت کا حکم جاری کرنے پر مجبور ہیں" ظاہر شرع میں قول کفر ہے اس سے انھوں نے یہ ثابت کیا کہ اس حال پر قابو نہ پانا اور زبان سے کچھ کہدینا نقص کی دلیل ہے۔ چنانچہ مشائخ میں سے بھی حضرات کہ کامل ہوئے ہیں انکا یہی فیصلہ ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق ردودلوی فرماتے ہیں کہ :-

"منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بہ فریاد آمد اینجا مردانند کہ دریا ہا فرو برند و آروغ نیارند۔

(یعنی منصور ابن حلاج اس راہ کے بچے تھے کہ ایک قطرۂ شراب محبت سے چلا اٹھے یہاں ایسے ایسے لوگ ہیں کہ دریا کے دریا پی ڈالتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے)

میں کہتا ہوں کہ علماء نے منصور کے خلاف جو فتویٰ دیا تو یہ عین احترام شرع تھا اور ایسا کرنا ضروری تھا انھوں نے جو کچھ کیا وہ بالکل اپنے منصب کے مطابق کیا، لیکن یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ مشائخ اہل حق سے اس قسم کے کلمات جو صادر ہوئے ہیں تو اسکا منشا بھی معاذ اللہ کفر وفسق نہ تھا بلکہ محبت تھی کیونکہ یہ حضرات اس قسم کی باتیں ویسے ہی زبان سے نہیں نکالتے اور نہ ہوش وحواس میں کہتے ہیں بلکہ جب محبت میں بیہوش ہی ہو جاتے ہیں تب ہی انکی زبان سے کچھ نکلتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

من نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو

چوں نگویم چوں مراد لدار می گوید بگو

(میں خود انا الحق نہیں کہتا ہوں بلکہ میرا محبوب کہتا ہے کہ "انا الحق" کہو

جب محبوب ہی کہتا ہے کہ کہو، تو آخر کیسے نہ کہوں) ۔

اور چونکہ جنکی شریعت ہے انھیں کی محبت میں ایسا کہتے ہیں اسلئے امید ہے کہ وہ انکو معاف بھی فرما دیگا ۔ لیکن شریعت کا مدار چونکہ ظاہر پر ہے اسلئے احکام شرع تو ظاہری الفاظ ہی پر جاری ہونگے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت بھی کوئی چیز ہے اور اسکے کچھ تقاضے ہیں، جب انسان محبت میں قدم رکھتا ہے تو سب کچھ بھول جاتا ہے محبت ماسوائے محبوب کو دل سے بھلا دیتی ہے اس لئے جو لوگ حقیقی صوفی ہوئے ہیں وہ معذور قرار دیئے گئے ۔ اور جس طرح سے علماء نے مشائخ اہل حق کی تائید کی ہے چنانچہ انکی خلاف شرع بات پر نکیر کرنے کے باوجود انکا احترام کیا ہے اسی طرح سے مشائخ نے بھی علماء کا احترام کیا ہے حتیٰ کہ علماء کی تکفیر پر بھی انکو معذور قرار دیا ہے چنانچہ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ :۔

" ہمارے لئے علماء عصر کے ساتھ واقعہ تکفیر کا پیش آیا اور ہم انکو اس باب میں معذور قرار دیتے ہیں کیونکہ انکے نزدیک اس جماعت میں سے ہر ہر واحد کے صادق ہونے کی کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی تو وہ ہر ایک کو صادق کیسے سمجھ لیں اور انکو شریعت سے یہی خطاب ہے کہ غلبۂ ظن پر عمل کریں اور انکو غلبۂ ظن اسی کا ہوا اور منجملہ انکے عذروں کے انکا یہ مقولہ بھی ہے کہ اگر ہم اس جماعت کے تمام دعووں کی تصدیق کرنے لگیں تو شریعت میں خلل واقع ہو جائے اسی لئے ہم نے سد باب کردیا غرض ان علماء نے یہ کام خوب کیا اور ہم اس فعل کو انکے لئے مسلّم رکھتے ہیں اور اس میں انکی تصویب کرتے

ہیں اور انہیں انکے لئے اجر کامل کا حکم کرتے ہیں"

یہ حضرات اس کہنے پر اسلئے مجبور ہیں کہ شریعت کا پورا التزام ان حضرات کے قلوب میں ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ جس طرح سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین اور ملبوسات وغیرہ تبرک ہیں اسی طرح سے بلکہ اس سے بھی بڑھکر آپؐ کی شریعت تبرک ہے چنانچہ اسکی بھی حفاظت مثل دیگر تبرکات کے نہ صرف علماء ہی پر بلکہ عام امت پر واجب ہے پس اسی حفاظت کے پیش نظر مشائخ بھی یہ فرمانے پر مجبور ہیں کہ "میزان شرع کی جوکہ دنیا میں موجود ہے (یعنی شریعت) علماء کے ہاتھ میں ہے پس جب کبھی کوئی ولی شرع کی .. میزان مذکورہ سے مکلف ہوتے ہوئے خارج ہوگا اسپر اعتراض واجب ہوگا۔ پھر اگر اس پر اسکا کوئی حال غالب ہوگا تو ہم اسکے حال کو اسکے لئے مسلم رکھیں گے اور اس پر اعتراض نہ کرینگے۔ کیونکہ اہل عقل میں کوئی ایسا نہیں جو اس میں اسکی اتباع کرے"۔

دیکھئے یہ حضرات بھی میزان شرع سے خارج ہونے والے پر نکیر کو واجب قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ صاحب حال کو معاف بھی کر دیتے ہیں اور معذور سمجھتے ہیں۔ اسیئے حضرتؒ فرماتے تھے کہ شریعت ایک نازک جام ہے کہ ذرا سی ٹھیس لگے ٹوٹ جائے اور بزرگی اور مقبولیت ایک ٹھوس چیز ہے وہ جا نہیں سکتی۔ باقی کامل وہ ہے جو محبت و شریعت دونوں کا حامل ہو ؎

برکفے جام شریعت، برکفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

یعنی ایک ہاتھ میں شریعت کا جام ہے اور دوسرے ہاتھ میں عشق کا سندان ایک دوسرے کو باہم ٹکراتے ہیں مگر مجال نہیں کہ جام ٹوٹ

جائے اور کوئی دوسرا شخص آسانی سے اسپر قادر نہیں ہو سکتا اس سے یا تو شریعت کا جام ہی ٹوٹ جائے گا یا محبت کا دامن چھوٹ جائے گا۔

کامل و محقق ہونے کا معیار

اس سے معلوم ہوا کہ اتباع سنت اور اتباع شریعت اگرچہ اصل ہے لیکن اسکے ساتھ ساتھ محبت کا بھی کوئی مقام ہے چنانچہ جو حضرات صرف ظاہر شرع کے پابند ہوتے ہیں اور محبت سے عاری ہوتے ہیں انھیں زاہد خشک کہا جاتا ہے اور جو محبت میں مغلوب ہو جاتے ہیں اور شریعت کا بھی پاس و لحاظ نہیں جاتا انکا حکم تو آپ کو معلوم ہی ہوا کہ یہ ناقص لوگ ہیں یعنی اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ تک تو پہونچے ہیں مگر فَاتَّبِعُوْنِیْ تک نہیں پہونچے البتہ جو حضرات کہ جَامِعٌ بَیْنَ الشَّرِیْعَۃِ وَالْمَحَبَّۃِ ہوتے ہیں وہ کامل اور اور محقق سمجھے جاتے ہیں۔

پس محبت کا نہونا بھی نقص ہے اور اتباع شریعت میں کمی کرنا بھی نقص ہے۔ چنانچہ ان مجذوب صفت لوگوں سے یہی ہوتا ہے جنکی وجہ سے ان پر انکار کیا جاتا ہے تو اب اگر یہ انکار کوئی محقق کرے تو اسکو تو حق بھی ہے لیکن جو شخص کہ خود محبت سے بالکل عاری ہو وہ ان حضرات پر مغلوبیت اور بیہوشی کا کیا اعتراض کر سکتا ہے کیونکہ یہ حضرات بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ اگر ایک خامی ہم میں ہے کہ ہم عاقل نہیں ہیں یعنی بیہوش اور دیوانے ہیں تو ایک خامی آپ میں بھی ہے کہ آپ دیوانے نہیں ہیں۔

(جاری)

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

تقویٰ

ہر اچھا کام کرنے اور برائی سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ضمیر کا احساس بیدار ، اور دل میں خیر وشر کی تمیز کے لئے خلش ہو یہ " تقویٰ " ہے ، پھر اس کام کو خدائے واحد کی رضامندی کے سوا ہر غرض و غایت سے پاک رکھا جائے یہ " اخلاص " ہے ۔ پھر پھر اس کام کے کرنے میں صرف خدا کی نصرت پر بھروسہ رہے یہ " توکل " ہے ۔ اس کام میں رکاوٹیں اور دقتیں پیش آئیں یا نتیجہ مناسب حال برآمد نہ ہو تو دل کو مضبوط رکھا جائے اور خدا سے آس نہ توڑی جائے اور اس راہ میں اپنے برا چاہنے والوں کا بھی برا نہ چاہا جائے یہ " صبر " ہے اور اگر کامیابی کی نعمت ملے تو اس پر مغرور ہونے کے بجائے اسکو خدا کا فضل وکرم سمجھا جائے اور جسم و جان وزبان سے اسکا اقرار کیا جائے اور اس قسم کے کاموں کے کرنے میں اور زیادہ انہماک صرف کیا جائے یہ " شکر " ہے ۔ اس مضمون میں ہم " تقویٰ " کے بارے میں کچھ عرض کریں گے ۔

اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہم صرف ایک لفظ میں کرنا چاہیں تو ہم اسکو " تقویٰ " سے ادا کر سکتے ہیں اور اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اپنے ہر عمل کے قالب میں اسی تقویٰ کی روح کو پیدا کرنا ہے ۔ قرآن پاک نے اپنی دوسری ہی سورہ میں یہ اعلان کیا ہے کہ اس تعلیم سے وہی فائدہ

اٹھا سکتے ہیں جو تقویٰ والے ہیں۔

"یہ تقویٰ والوں کو راہ دکھاتی ہے" (البقرہ)

اسلام کی ساری عبادتوں کا منشا اسی تقویٰ کا حصول ہے۔

"اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی جس نے تم کو اور تمھارے پہلوں کو پیدا کیا عبادت کرو تاکہ تقویٰ پاؤ" (البقرہ)

روزہ سے بھی یہی مقصد ہے۔

"تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو" (البقرہ)

حج کا منشا بھی یہی ہے۔

"اور جو اللہ کے شعائر (حج کے ارکان و مقامات) کی عزت کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے"

قربانی بھی اسی غرض سے ہے۔

"خدا کے پاس قربانی کا گوشت نہیں پہنچتا لیکن تمھارا تقویٰ اسکو پہنچتا ہے"

ایک مسلمان کی پیشانی جس جگہ خدا کیلئے جھکتی ہے اسکی بنیاد بھی تقویٰ پہ ہونا چاہیے

"جس نے اپنی عمارت خدا سے تقویٰ پر کھڑی کی" (توبہ)

"البتہ وہ مسجد جسکی بنیاد تقویٰ پر قائم کی گئی ہے"

حج کے سفر اور زندگی کے ہر مرحلے میں راستہ کا توشہ مال و دولت اور ساز و سامان سے زیادہ تقویٰ ہے۔

"اور سفر میں زاد راہ لیکر چلو اور سب اچھا زاد راہ تقویٰ ہے" (البقرہ)

ہمارے زیب و زینت کا سامان ظاہری لباس سے بڑھکر تقویٰ کا لباس ہے۔

"اور تقویٰ کا لباس، وہ سب سے اچھا ہے"

اسلام کا تمام اخلاقی نظام بھی اسی تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

" اور معاف کر دینا تقویٰ سے قریب تر ہے" ۔ (بقرہ)
" انصاف کرنا تقویٰ سے قریب تر ہے" ۔ (مائدہ)
" اور اگر صبر کرو اور تقویٰ کرو تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے" ۔ (آل عمران)
" اور تقویٰ کرو اور لوگوں کے درمیان صلح کراؤ (بقرہ)
" اور اگر اچھے کام کرو اور تقویٰ کرو تو اللہ تمھارے کاموں سے خبردار ہے" (نسار)

اہل تقویٰ تمام اخروی نعمتوں کے مستحق ہیں ۔

آخرت کی ہر قسم کی نعمتیں انہی تقویٰ والوں کا حصہ ہیں ۔
" بے شبہ تقویٰ والے امن وامان کی جگہ میں ہونگے" (دخان)
"بیشک تقویٰ والے باغوں میں اور نعمت میں ہونگے" (طور)
" شک نہیں کہ تقویٰ والے باغوں میں اور چشموں میں ہونگے" (ذاریات)
" بلاشبہہ تقویٰ والے باغوں میں اور نہروں میں ہونگے" (قمر)
" بلاشبہہ تقویٰ والے سایوں میں اور چشموں میں ہونگے" (مرسلات)
" یقیناً تقویٰ والوں کے لئے ان کے پروردگار کے پاس نعمت کے باغ ہیں" (ن)
" بے شبہہ تقویٰ والوں کے لئے کامیابی ہے" (نبار)
" لاریب تقویٰ والوں کیلئے بازگشت کی اچھائی ہے" (ص)

کامیابی اہل تقویٰ کے لئے ہے ۔

گو بظاہر ابتدار میں اہل تقویٰ کو کسی قدر مصیبتیں اور بلائیں پیش آئیں یا بہت سی حرام اور مشتبہ لیکن بظاہر بہت سی عمدہ چیزوں سے محروم ہونا پڑے، ظاہری کامیابی کی بہت سی ناجائز کوششوں اور ناروا راستوں سے پرہیز کرنا پڑے اور اس سے سمجھا جائے کہ ان کو مال و دولت عزت و شہرت اور جاہ و منصب سے محرومی رہی

لیکن دنیا کے تنگ نظر صرف فوری اور عاجل کامیابی ہی کو کامیابی سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اسی دنیا کے ظاہری ثمروں کی بنار پر کام کے اچھے بُرے نتیجوں کا فیصلہ کرلینا چاہیئے حالانکہ جو جتنا دور بین ہے اسی قدر وہ اپنے کام کے فوری نہیں بلکہ آخری نتیجہ پر نگاہ رکھتا ہے حقیقی دوربین اور عاقبت اندیش وہ ہیں جو کام کی اچھائی برائی کا فیصلہ دنیا کے ظاہری چند روزہ اور فوری فائدہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ آخرت کے دائمی اور دیرپا فائدہ کی بنار پر کرتے ہیں اور جب انکی نظر آخرت کے ثمروں پر رہتی ہے تو دنیا بھی انکی بن جاتی ہے اور یہاں اور وہاں دونوں جگہ کامیابی اور فوز و فلاح ان ہی کی قسمت میں ہوتی ہے۔ فرمایا

"اور آخری انجام تقویٰ والوں کے لئے ہے" (آل عمران)

"بے شبہہ انجام کار تقویٰ والوں کے لئے ہے" (ہود)

"اور آخرت تیرے پروردگار کے نزدیک تقویٰ والوں کے لئے ہے" (زخرف)

"اور انجام کار تقویٰ کے لئے ہے" (طٰہٰ)

اہل تقویٰ اللہ کے محبوب ہیں۔

یہی متقی اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کے سزاوار ہیں جب وہ ہر کام میں خدا کی مرضی اور پسندیدگی پر نظر رکھتے ہیں اور اپنے کسی احسان کا بدلہ کسی انسان سے تعریف یا انعام یا ہردلعزیزی کی صورت میں نہیں چاہتے تو اللہ تعالےٰ انکو اپنی طرف سے اپنے انعام اور محبت کا صلہ عطا فرماتا ہے اور اسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندوں میں بھی انکے ساتھ عقیدت محبت اور ہردلعزیزی پیدا ہو جاتی ہے۔

"تقویٰ والے ہی خدا کے دوست ہیں" (انفال)

"تو اللہ بیشک تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے" (آل عمران)

"اللہ بلا شبہہ تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے" (توبہ)

"اور اللہ تقویٰ والوں کا دوست ہے" (جاثیہ)

معیت الٰہی سے سرفراز ہیں۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معیت کے شرف سے ممتاز اور اس کی نصرت و مدد سے سرفراز ہوتے ہیں اور جس کے ساتھ اللہ ہو اس کو کون شکست دے سکتا ہے۔

"اور جان لو کہ بے شبہہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے" (بقرہ)

"اور یقین مانو کہ لاریب اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے" (توبہ)

قبولیت اہل تقویٰ ہی کو حاصل ہے۔

ایک کام ہزاروں اغراض اور سیکڑوں مقاصد کو سامنے رکھکر کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان میں اللہ تعالےٰ صرف ان ہی کاموں کی پیشکش قبول فرماتا جو تقویٰ کے ساتھ اپنا کام انجام دیتے ہیں، فرمایا۔

"اللہ تو تقویٰ والوں ہی سے قبول فرماتا ہے" (مائدہ)

اسی لئے انہی کے کاموں کو دنیا میں بھی بقا رقیام اور ہردلعزیزی نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی۔

تقویٰ والے کون ہیں

یہ جان لینے کے بعد کہ اسلام کی تعلیم کی اصلی غایت تقویٰ ہے اور وہی سارے اسلامی تعلیمات کی روح ہے اور دین و دنیا کی تمام نعمتیں اہل تقویٰ کے لئے ہیں یہ جاننا ہے کہ تقویٰ والے کون ہیں؟ قرآن پاک نے اس سوال کا بھی جواب دیا ہے۔ چنانچہ اسکا مختصر جواب تو وہ ہے جو سورۂ زمر میں ہے

"اور جو سچائی لیکر آیا اور اسکو سچ مانا وہی لوگ ہیں تقویٰ والے

انکے لئے انکے رب کے پاس وہ ہے جو وہ چاہیں، یہ ہے بدلہ نیکی والوں کا" (زمر)

یعنی تقویٰ والا وہ ہے جو اپنی زندگی کے ہر شعبے اور کام کے ہر پہلو میں سچائی لیکر آئے اور اس ابدی سچائی کو سچ مانے، وہ کسی کام میں ظاہری فائدہ، فوری ثمرہ، مال و دولت اور جاہ و عزت کے نقطہ پر نہیں بلکہ سچائی کے پہلو پر نظر رکھتا ہے اور خواہ کسقدر بظاہر اسکا نقصان ہو مگر وہ سچائی اور راست بازی کے جادہ سے بال بھر ہٹنا نہیں چاہتا۔ لیکن اہل تقویٰ کا پورا حلیہ سورۂ بقرہ میں ہے۔

" لیکن نیکی یہ ہے کہ جو خدا پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور اپنا مال اسکی محبت پر رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو اور گردنوں کے آزاد کرنے میں دیا اور نماز کو برپا کیا اور زکوٰۃ ادا کی، اور جو وعدے کرکے اپنے وعدے کو ایفا کرنے والے ہیں اور سختی تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں یہی وہ ہیں جو سچے ٹھہرے اور یہی تقویٰ والے ہیں"۔ (بقرہ)

ان آیتوں میں تقویٰ والوں کا نہ صرف عام حلیہ بلکہ ایک ایک خط و خال نمایاں کردیا گیا اور بتا دیا گیا ہے کہ یہی خدا کی نگاہ میں سچے ٹھہرنے والے اور تقویٰ والے ہیں۔

تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

تقویٰ اصل میں وَقوٰی ہے، عربی زبان میں اسکے لغوی معنی بچنے، پرہیز کرنے اور لحاظ کرنے کے ہیں لیکن وحی محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی اصطلاح میں یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کرکے دل میں خیر و شر کی تمیز کی خلش اور خیر کی جانب رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جسکی بنا پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اسکی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔

یہ بات کہ تقویٰ اصل میں دل کی اس کیفیت کا نام ہے قرآن پاک کی اس آیت سے ظاہر ہے جو ارکان حج کے بیان کے موقع پر ہے۔

"اور جو شعائر الہٰی کی تعظیم کرتا ہے تو وہ دلوں کے تقویٰ سے ہے" (حج)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ کا اصلی تعلق دل سے ہے اور وہ سلبی کیفیت (بچنا) کے بجائے ایجابی اور ثبوتی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے، وہ امور خیر کی طرف دلوں میں تحریک پیدا اور شعائر الہٰی کی تعظیم سے انکو معمور کرتا ہے۔ ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

"بیشک جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں وہی ہیں جنکے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے واسطے جانچا ہے ان کو معافی اور بڑا بدلہ (حجرات)

اس آیت میں کھلی تقویٰ کا مرکز دل کو قرار دیا اور بتایا ہے کہ رسول کی تعظیم کا احساس تقویٰ سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک اور تیسری آیت میں تقویٰ کے فطری الہام ہونے کی طرف اشارہ ہے

"تو ہر نفس میں اسکا فجور اور اسکا تقویٰ الہام کر دیا" (الشمس)
ر تو ظاہر ہے کہ گنہگاری اور نافرمانی کی جڑ ہے، ٹھیک اسی طرح
رئ تمام نیکیوں کی بنیاد اور اصل الاصول ہے اور دونوں
ـنے کو فطرۃً ودیعت ہیں اب بندہ اپنے عمل اور کوشش سے ایک کو چھوڑتا
ر دوسرے کو اختیار کرتا ہے مگر بہرحال یہ دونوں الہام ربانی
ں اور سب کو معلوم ہے کہ الہام ربانی کا مرکز دل ہے اسلئے
ں تقویٰ کا مقام ہے۔

تقویٰ کا لفظ جس طرح اس دلی کیفیت پر بولا جاتا ہے اس
فیت کے اثر اور نتیجہ پر بھی اطلاق پاتا ہے۔ صحابہؓ نے کفار کے
شتعال دلانے اور انسے بدلہ لینے پر پوری قوت رکھنے کے باوجود حدیبیہ
ی صلح کو تسلیم کر لیا تو اللہ تعالےٰ نے انکی اس مستحسن روش کو تقویٰ
رمایا۔

"اور جب کفار نے اپنے دلوں میں پچ رکھی، نادانی کی
پچ، تو اللہ نے اپنا چین اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر
اور مسلمانوں پر اتارا اور انکو تقویٰ کی بات پر لگا رکھا۔
اور وہی تھے اسکے لائق اور اسکے اہل" (فتح)

یاں جنگ و خونریزی سے احتراز، خانہ کعبہ کے ادب اور
فار قریش کی جاہلانہ عصبیت سے چشم پوشی کو تقویٰ سے تعبیر کیا گیا
ہے۔ ایک اور دوسری آیت میں دشمنوں کے ساتھ ایفائے عہد اور
تی الامکان جنگ سے پرہیز کرنے والوں کو متقی یعنی تقویٰ والے
رمایا ہے اور ان کے ساتھ اپنی محبت ظاہر فرمائی ہے۔

"تو تم انکے عہد کو انکی مقررہ مدت تک پورا کرو۔ خدا
تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے" (توبہ)

جس طرح انسان کا فجور بری تعلیم، بری صحبت اور برے کاموں کی مشق سے بڑھتا جاتا ہے اسی طرح اچھے کاموں کے شوق اور عمل سے نیکی کا ذوق بھی پرورش پاتا ہے اور اسکی قلبی کیفیت میں ترقی ہوتی ہے۔

" جو لوگ راہ پر آئے خدا نے انکی سوجھ بوجھ اور بڑھائی اور انکو انکا تقویٰ عنایت کیا "

اس سے عیاں ہے کہ "تقویٰ" ایک ایجابی اور ثبوتی کیفیت ہے جو انسان کو خدا عنایت فرماتا ہے اور جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اسکو ہدایت پر ہدایت اور فطری تقویٰ پر مزید دولت تقویٰ مرحمت ہوتی ہے۔ تقویٰ کی یہ حقیقت کہ وہ دل کی خاص کیفیت کا نام ہے ایک صحیح حدیث سے تصریحاً معلوم ہوتی ہے۔

صحابہؓ کے مجمع میں ارشاد فرمایا " تقویٰ یہاں ہے " (مسلم)
یہ کہکر دل کی طرف اشارہ فرمایا۔

جس سے بے شک و شبہہ یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین کیفیت کا نام ہے جو تمام نیکیوں کا محرک ہے اور وہی مذہب کی جان اور دینداری کی روح ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ وہ قرآن پاک کی رہنمائی کی غایت، ساری ربانی عبادتوں کا مقصد، اور تمام اخلاقی تعلیموں کا ماحصل قرار پایا۔

اسلام میں برتری کا معیار

اسلام میں تقویٰ کو جو اہمیت حاصل ہے اسکا اثر یہ ہے تعلیم محمدی نے رنگ، وطن، خاندان، دولت، حسب، نسب غرض نوع انسانی کے ان صدہا خود ساختہ اعزازی مرتبوں کو مٹا کر صرف ایک ہی امتیازی معیار قائم کر دیا جس کا نام تقویٰ ہے

اور جو ساری نیکیوں کی جان ہے اور اسی لئے وہی معیاری امتیاز بننے کے لائق ہے۔ چنانچہ قرآن نے بآواز بلند یہ اعلان کیا

"ہم نے تمکو مختلف خاندان اور قبیلے صرف اس لئے بنایا کہ باہم شناخت ہو سکے، تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقوی والا ہے

(حجرات)

اس اعلان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مختصر لفظوں میں ادا فرمایا اَلْکَرَمُ التَّقْوٰی یعنی بزرگی و شرافت تقوٰی کا نام ہے اور اسی کے لئے حجۃ الوداع کے اعلان عام میں پکار کر فرمایا کہ

"عرب کو عجم پر اور کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں برتر وہ ہے جس میں سب سے زیادہ تقوٰی ہے۔"

(ماہِ مبارک کا مختصر دستورُ العمل)

- صدق دل سے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور کثرت سے توبہ و استغفار کا اہتمام رکھیں۔
- روزہ رکھنے کا پورا اہتمام کریں بلا عذر شرعی ترک نہ کریں نیز روزے میں آنکھ، کان، ناک، زبان، دل و دماغ اور تمام اعضاء کو ہر گناہ سے بہت ہی بچائیں
- نماز باجماعت کا مکمل اہتمام کریں۔
- اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد کے نوافل کا معمول بنالیں۔
- مستند دینی کتابوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ کریں۔
- تلاوت قرآن کریم اور ذکر و تسبیح کا جسقدر زیادہ ہو سکے معمول بنائیں۔
- برے خیالات سے اپنے ذہن کو حتی الوسع فارغ رکھکر اپنی اصلاح کی طرف زیادہ توجہ دیں اور آخرت کی فکر پیدا کریں۔
- چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے لا الٰہ الا اللہ کا ورد رکھیں
- جنت الفردوس طلب کریں اور عذاب دوزخ سے پناہ مانگیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مسلمانوں کی تین قسمیں

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ قل یعبادی
الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ
ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ط انہ ھو الغفور الرحیم ○
وانیبوا الی ربکم واسلموا لہ من قبل ان یاتیکم
العذاب ثم لا تنصرون۔

مسلمان کہلانے والی قوم پر نگاہ ڈالو تو موٹے حساب سے تین قسم کے لوگ ملیں گے

(۱) بہت بڑی تعداد میں تو وہ لوگ ہیں جو صرف نام کے مسلمان ہیں انکے مسلمان ہونے میں انکا اپنا کچھ حصہ نہیں مسلمان گھر میں پیدا ہوگئے اسلئے مسلمان ہیں عملی طور پر ایک دن کیلئے بھی انھوں نے اسلام کو نہیں اپنایا۔ ایسے لوگوں کے مسلمان ہونے سے صراحۃً انکار نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اسلام کو ایک برادری یا ایک قومی نسبت سمجھتے ہیں یہ بتانے کی ضرورت آپ جیسوں کو نہیں ہوگی کہ یہ طبقہ بڑے سے خطرے میں ہے اور ہم سب کو اسکے بارے میں فکرمند ہونا چاہئے

(۲) دوسرا طبقہ وہ ہے جو اتنا بے تعلق تو نہیں ہے لیکن اس نے بھی اسلام کو سیکھنے کی اپنی زندگی کو، اپنی کمائیوں کو، اپنے اخلاق و معاملات کو اسکے سانچے میں ڈھالنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔ بس وہ جس حال پر ہے قانع ہے۔ اگر وہ

جمعہ کی نماز پڑھتا ہے تو اسی پر قانع ہے، اگر وہ صرف رمضان میں نمازوں کا اہتمام کرتا ہے تو بس اسی پر قانع ہے اگر اسکے اخلاق میں یا معاملات میں کوئی خرابی ہے یا اسکے دل میں حسد کی کینہ کی، بغض و عداوت کی یا لالچ کی یا کبر و ریا کی بیماریاں ہیں تو برسوں سے وہ اسی حال میں چل رہا ہے لیکن اس نے کبھی سنجیدہ فکر نہ کی کہ مجھے ان خرابیوں کو دور کرنا چاہیئے، ان بیماریوں سے نجات ملنی چاہیئے اور مجھے دین کے اعتبار سے ترقی کرنی چاہیئے مسلمان کہلانے والی قوم کے مردوں اور عورتوں کی خاصی تعداد اسی قسم کی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارا کوئی اچھا اثر دنیا کی دوسری قوموں پر ہمارا نہیں پڑ رہا اور دن رات کا ساتھ ہونے کے باوجود دنیا کے بسنے والے عام انسانوں کے دل میں ہمیں دیکھکر کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، وہ کچھ سوچنے پر مجبور نہیں ہوتے۔

مسلمان کہلانے والی قوم کی جو غالب اکثریت ہے وہ دراصل ان دو قسموں کے لوگوں سے مل کر بنتی ہے اور اجتماعی طور پر ہم پر جو حالات آرہے ہیں وہ اسی وجہ سے آرہے ہیں۔

(۳) ایک تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جنھوں نے سچے دل سے فیصلہ کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عہد کیا ہے انھوں نے اپنے بارے میں طے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر ہر حکم کو ماننا اور ظاہر و باطن پر ہر طرف کے حملوں سے چوکنا رہنا ہے۔ یہ قسم جو بہت تھوڑی تعداد میں ہے اکا دکا اور خال خال افراد کی شکل میں ہے یہ بھی معصوم اور بے گناہ نہیں ہے غلطیاں چھوٹی بڑی اس سے بھی ہوتی ہیں لیکن ان لوگوں کو اسکا احساس ہو جاتا ہے، توجہ ہو جاتی ہے اور وہ اللہ سے معافی مانگتے ہیں، استغفار کرتے ہیں توبہ کرتے ہیں اور

اپنا معاملہ ٹھیک کر لیتے ہیں اور پھر سے بندگی اور اطاعت میں لگ جاتے ہیں یہ اللہ کے ولی ہیں انکو اپنے اپنے تعلق کے بقدر دین کا مزہ آتا ہے، اطاعت کا ذائقہ ملتا ہے، ان کے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ تکلیفیں انکو بھی ہوتی ہیں، بیماریاں انھیں بھی گھیرتی ہیں لیکن وہ نہ تو مایوس رہتے ہیں نہ غمگین لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ یہ غمگین ہونگے) کا لطف انھیں اس دنیا میں بھی جو خوف وحزن ہی کا گہوارہ ہے آنے لگتا ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہ نہیں ہیں جو ہواؤں میں اڑتے ہیں اور پھونک ماردیں تو یہ ہوجائے وہ ہوجائے انکی پہچان اللہ نے یہ نہیں بتائی ہے۔ اللہ نے اپنے ان دوستوں کی اور اپنے ان اپنوں کی پہچان یہ بتائی ہے کہ ایک تو ان لوگوں نے ایمان کی دولت حاصل کرلی ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے اور اسکی بندگی کا احساس مسلسل انھیں ہوتا ہے بلکہ انکا مستقل حال تو یاد اور احتیاط ہی ہے کبھی کبھی بھول جانا الگ بات ہے مسئلہ اصل مستقل حال کا ہے سو وہ ان لوگوں کا درست ہوجاتا ہے۔

بس دو باتیں ہیں اللہ کا ولی بننے کے لئے ایک ایمان دوسری تقویٰ۔ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ دل میں یہ یقین اتر جائے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بالکل برحق ہے اور اسی میں کامیابی ہے، اور تقویٰ یہ کہ اس یقین کے مطابق زندگی میں احتیاط اور پابندی کی عادت پڑ جائے، بے لگام زندگی سے پیچھا چھوٹ جائے۔ عام طور پر لوگوں نے اللہ کا ولی [illegible] کے [illegible] مطلب سمجھ رکھے ہیں یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ سمجھتے [illegible] فلاں

بزرگان دین اولیاء اللہ تھے اور بس۔ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسلئے آئے تھے کہ آپ کی پوری امت میں ۴-۶ اولیاء اللہ پیدا ہو جائیں نہیں یہ خیال تو آپ کے فیض کی بڑی توہین ہو گی آپ تو اس دولت کی عمومی طور پر تقسیم کرنے آئے تھے اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ شروع کے دور میں عام مسلمانوں کو یہ دولت ملی تھی اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کے انسانوں کے دل اس پوری قوم کی طرف اور اس کے طریقۂ زندگی کی طرف اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ کھنچنے لگے تھے جتنے آج ان اکا دکا اللہ والوں کی طرف کھنچتے دکھائی دیتے ہیں۔

لہٰذا میرے بھائیو! آج ایک بات کا فیصلہ کرو پہلی اور دوسری قسم سے نکل کر تیسری قسم میں آنا ہے واقعی اب تک کی جو غفلت ہوئی اسکی تو معافی مانگو اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والے ہیں، لیکن آگے کے لئے نئے سرے سے اللہ کی طرف سفر شروع کرو، سورۂ زمر کی یہ آیت ہم سے یہی کہتی ہے جسکا ترجمہ یہ ہے:-

> "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم آپ (میری طرف سے میرے بندوں سے) کہئے اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اب تک اپنے ساتھ بہت (غفلت برتی اور) زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہو، بلا شبہہ اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دیتا ہے وہ بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔ اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور اسکی فرمانبرداری اختیار کر لو قبل اسکے کہ تم پر عذاب آجائے اور پھر کسی طرف سے تمکو کوئی مدد نہ مل سکے۔"

ایک بات اور سن لو! ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں جانے کیلئے بھی انسان کو حرکت کرنی پڑتی ہے نیچے سے اوپر کی طرف

جانے میں انسان کو زیادہ مشقت کرنی پڑتی ہے لہٰذا دوسرے طبقہ سے نکل کر تیسرے طبقہ میں داخل ہونے کے لئے بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ راستہ میں مزاحم ہونے والے نفس و شیطان کو شکست دینے کے لئے مضبوط ارادہ اور مسلسل کوشش کی ضرورت یہاں بھی ہوگی۔ یہ جو لفظ اس آیت میں آیا ہے وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ "اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف" بس یہی ہے پہلی سیڑھی ترقی کا پہلا زینہ اور پہلا دروازہ جس میں سے نکل کر ایمان اور تقویٰ والوں میں شامل ہوا جاتا ہے۔ یہ انابت علماء سے پوچھو! ہاتھ پیر کا عمل نہیں، دل کا فعل ہے یعنی دل سے ارادہ کرو کہ اپنے اللہ کو راضی کرنا ہے، صحیح مسلمان بننا ہے، ایمان اور تقویٰ حاصل کرنا ہے۔ جتنا سچا پکا فیصلہ دل کا ہوگا اتنی ہی طلب دل میں ہوگی اور جیسے طلب ہوتی ہے وہ اپنے لئے مناسب راستہ ڈھونڈھ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکی رہبری فرماتے ہیں وہ اسی طلب میں اہل دل کی صحبتیں اختیار کرتا ہے، وہ طلب اسی جذبہ سے علماء ربانیین کی کتابیں پڑھتا ہے، غرض کہ جہاں سے اسے اس معاملہ میں مدد کی امید ہوتی ہے وہاں طالب اور سائل بنکر جاتا ہے پھر جہاں سے اسے اپنی مایا ملتی ہے وہیں پڑاؤ ڈال دیتا ہے۔

بس اللہ کے بندو! اس بوڑھے معذور اور قریب المرگ کی یہ وصیت سن لو، مان لو کہ اپنے موجودہ حال پر قانع نہ رہو آگے بڑھنے کا ارادہ کرو، فیصلہ کرو، اللہ سے لو لگاؤ، اس سے قرب بڑھاؤ اور نئے سرے سے نئے حوصلے سے اسکی طرف سفر شروع کر دو علماء ربانیین اور مشائخ اہل درد کی خدمت میں حاضری

دو انکی صحبت اختیار کرو، جن لوگوں کو اپنے گرد و پیش میں دین کے اعتبار سے اپنے سے بہتر پاؤ ان سے پوچھو مشورے کرو، غرض کہ دل میں ایسی فکر و طلب پیدا کرو کہ اللہ تعالیٰ کو ترس آجائے اور طلب پر اعتبار آجائے کیونکہ وہ اپنے قرب کی دولت قدردانوں ہی کو دیتے ہیں۔

آؤ دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ ہمارے حال پر رحم کھائے اور ہمیں اپنے قرب کی طلب اور قرب کی دولت دونوں عطا فرمادے۔

اے اللہ! ہم آپ کے بندے آپ کے حضور میں حاضر ہیں، ہم ایمان لائے کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ایمان لائے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رسول برحق ہیں۔ اے اللہ! ہم اقرار کرتے ہیں کہ اس ایمان کے بعد زندگی جیسی گذرنی چاہیئے تھی ویسی نہیں گذری بہت سے کام جنکا آپنے حکم دیا تھا ہم سے ان کے کرنے میں بہت غفلت ہوئی، بہت سے کام جن سے آپنے سختی سے منع فرمایا تھا ہم سے برابر سرزد ہوئے، اے اللہ ہمیں معاف فرمادے اور آئندہ کے لئے ارادہ کرتے ہیں کہ ایمان اور تقویٰ والی زندگی گذاریں گے، اے اللہ ہمیں اس ارادہ پر جمنے والا بنادے اے اللہ! ہمیں ہمت و استقامت اور سچی طلب عطا فرمائے اے اللہ! ہم سب کو معاف فرمادے، اے اللہ ہم سب کو قبول فرمالے۔ آمین

بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

ماہِ مبارک میں ہمارے فرائض

حمد وستائش اس ذات کے لئے جس نے اس کارخانہ عالم کو وجود بخشا
اور
درود وسلام اسکے آخری پیغمبر پر جنھوں نے اس دنیا میں حق کا بول بالا کیا

رمضان المبارک کا مہینہ سایہ گستر ہونے والا ہے یہ مہینہ رحمت خداوندی کا وہ موسم بہار ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہیں جس میں بے شمار انسانوں کی مغفرت کی جاتی ہے جسکی ہر ساعت عذاب جہنم سے آزادی کا پیغام لیکر آتی ہے۔

یہ عبادت کا مہینہ ہے اور اس میں کم ہمت سے کم ہمت مسلمان کو بندگی کا شوق فراواں نصیب ہوتا ہے، مسجدیں بھری پری نظر آتی ہیں اور اسکے شب و روز میں عبادت کی لذت وحلاوت بدذوق سے بدذوق انسان کو بھی محسوس ہو ہی جاتی ہے یہ دعا ومناجات کا موسم ہے، اس میں دعاؤں کی قبولیت کا دروازہ ہر آن کھلا رہتا ہے بلکہ بندوں سے ہر رات فرمائش کیجاتی ہے کہ وہ اپنی جائز مرادیں پیش کریں، جو مانگیں گے دیا جائے گا۔

یہ گناہوں سے توبہ واستغفار کا زمانہ ہے اور اس میں

بندوں کو بخشنے اور نوازنے کے لئے معمولی معمولی بہانے تلاش کئے جاتے کئے جاتے ہیں اور اسی لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں نامرادی کی بددعا فرمائی ہے جس پر رمضان کا پورا مہینہ گذر جائے لیکن وہ اپنی مغفرت نہ کرا سکے۔

رحمت خداوندی کا یہ سالانہ جشن جس میں ہر ساعت برکتوں کے خزانے لٹتے ہیں ہمارے سروں پر سایہ فگن ہونے والا ہے ہم جیسے کورچشم انسان اس مہینے کی قدر وقیمت نہیں پہچانتے اسلئے اسکی آمد کا کوئی خاص اہتمام کرنے کے لئے تیار نہیں لیکن سرکار دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو اس مہینہ کی نورانیت کے صحیح معنیٰ میں رمز شناس تھے کئی ماہ پہلے سے رمضان کا اشتیاق کے ساتھ انتظار فرماتے تھے حدیث میں ہے کہ جب آپؐ رجب کا چاند دیکھتے تو یہ دعا فرماتے کہ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ

یا اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرمائیے اور ہمیں رمضان تک پہونچا دیجئے۔

ہم سے ماہ رمضان کا بنیادی تقاضا صرف ایک ہے اور وہ رجوع الی اللہ۔ اس مہینے کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کا وہ ذہن جو سال کے گیارہ مہینے دنیا کے ہزار دھندوں میں الجھا رہتا ہے اس زمانے میں خالصتاً اللہ کی طرف رجوع کرے اور اپنے اصل مقصد زندگی ــ عبادت ــ کی جانب توجہ دے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لئے ایک سالانہ تربیتی نظم ہے جس سے گذر کر انسان کی پوری زندگی سیدھے راستہ پر پڑ سکتی ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس شخص کا رمضان سلامتی سے گذر جائے اس کا

پورا سال سلامتی سے گذرے گا"۔

جب سے مسلمانوں میں مغربی افکار کا تسلط بڑھا ہے اور اور مسلمان اہل علم نے انکے مقابلے کے لئے اسلام کی مادی برکتیں اور اسکی دنیوی خوبیاں زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنی شروع کی ہیں اس وقت سے اسلام کا روحانی پہلو پس منظر میں چلا گیا ہے۔ اب ہماری تقریر و تحریر میں زیادہ زور اس پہلو پر صرف ہونے لگا ہے کہ اسلام ایک بہترین معاشی نظام رکھتا ہے جسے اختیار کرنے سے ہماری معیشت سدھر سکتی ہے، اسلام کے پاس ایک متوازن سیاسی نظام ہے جسے اپنا لیا جائے تو ہمارا نظام حکومت استوار ہو سکتا ہے، اسلام کی سماجی تعلیمات ایسی ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے مسلمان ترقی کے بام عروج پر پہونچ سکتے ہیں۔

یہ ساری باتیں اپنی جگہ پر بالکل صحیح اور سو فیصدی درست ہیں لیکن ہمیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ اسلام کی یہ ساری خوبیاں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اللہ کے اس دین کا اصلی اور بنیادی مقصد جس پر اس کے سارے احکام کی عمارت کھڑی ہوئی ہے یہ ہے کہ بندوں کا تعلق اللہ کے ساتھ جوڑا جائے، انکے دلوں میں اللہ کی عظمت اسکا خوف، اسکی رحمت کے ساتھ ایک لازوال تعلق اور اپنے ہر کام میں اسکی طرف رجوع ہونے، اس سے مدد چاہنے اور انابت و خشیت کا جذبہ بیدار کیا جائے۔ اور یہ چیز کثرت کے ساتھ عبادت اور اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔

اسلام کا معاشی نظام بھی بلاشبہ بے نظیر، اس کی سیاسی تعلیمات بھی بے مثال، اسکے سماجی احکام بھی برحق لیکن ان سب چیزوں کی بنیاد رجوع الی اللہ ہے جب تک دلوں میں یہ چیز پیدا نہ ہو اس وقت تک کوئی نظام نہ ٹھیک ٹھیک چل سکتا ہے اور نہ اسکے فوائد و ثمرات حاصل ہو سکتے ہیں اسکے برعکس اگر انسانوں کا کوئی گروہ روحانی طور پر اپنی اصلاح کر لے، اللہ کے ساتھ اسکا تعلق استوار ہو جائے اور اسکے دل میں وہ صفات و جذبات پیدا ہو جائیں جو اسلام کو مطلوب ہیں تو اسلام کے سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کے قیام کی راہیں خود بخود ہموار ہونے لگتی ہیں اور اگر بالفرض کسی موقع پر مسلمانوں کا کوئی ایسا گروہ کسی خطۂ زمین پر کوشش کے باوجود اسلامی نظام قائم نہ کر سکے تو اسے دین کے بنیادی مقاصد میں ناکام نہیں کہا جاسکتا

اس لحاظ سے ایک مسلمان کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اللہ کے ساتھ تعلق کے وہ جذبات پیدا کرے جو اسلام کو مطلوب ہیں۔ اور رمضان کا مہینہ اس مقصد کے لئے بہترین معاون ہے۔

اس مہینہ کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ مسلمان اس میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں صرف کریں اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پاکر انھیں اعتدال پر لائیں اور اپنے آپ کو اللہ کے تابع فرمان بنانے کی تربیت حاصل کریں لہٰذا اس مبارک زمانے کو غنیمت سمجھتے ہوئے ہمیں چاہیئے کہ:۔

(۱) اپنے دنیوی مشاغل کو کم سے کم کریں۔

(۲) جس قدر ہو سکے نوافل کا اہتمام کریں۔

(۳) تلاوتِ قرآن اور ذکر و تسبیح کے معمولات میں اضافہ کریں۔

(۴) گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کریں اگر کوئی گناہ غلطی سے سرزد ہو جائے تو اس پر فوراً توبہ و استغفار کریں۔

(۵) دوسرے افکار سے اپنے ذہن کو حتی الوسع فارغ رکھکر اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور آخرت کی فکر پیدا کریں۔

(۶) صدقات و خیرات اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے اور غریبوں اور مسکینوں کی خبرگیری کا اہتمام کریں۔

(۷) مستند دینی کتابوں کے مطالعہ کا معمول بنائیں۔

اگر یہ ایک مہینہ اس التزام کے ساتھ گزار لیا جائے تو امید ہے کہ ——— انشاء اللہ دل میں خود بخود گداز پیدا ہوگا، اصلاحِ نفس کی راہ آسان ہو جائے گی اور پھر سال کے دیگر ایام میں بھی اپنے آپ کو اسلامی زندگی سے قریب تر رکھنا سہل ہو جائے گا۔"

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ:۔

مَنْ سَلِمَ لَهُ رَمَضَانُ سَلِمَتْ لَهُ السَّنَةُ

جس شخص کا رمضان سلامتی سے گذر گیا اسکا پورا سال سلامتی سے گذرے گا۔

ملفوظ مصلح الامۃ قدس سرہ

روزہ طریق ولایت ہے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔
یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ o "جس طرح سے تم سے پہلے اور لوگوں پر فرض کیا جا چکا ہے" اور کیوں فرض کیا گیا ہے؟ "تاکہ تم متقی ہو جاؤ" یعنی تاکہ تم نار جہنم سے بچ جاؤ یا یہ کہ پورے متقی ہو جاؤ۔ یہاں یہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ بمنزلہ علت تامہ کے جزو آخیر کے ہے، یعنی تم چونکہ ایمان والے ہو اور اپنا یہ حکم ہم نے پہلے بھی ایمان والوں کو دیا ہے اور تم لوگوں کا متقی ہونا اس پر مرتب ہے اسلئے تم پر روزہ فرض کیا گیا۔

سن رکھے ہیں آپ! ایک علتِ تامہ کے اجزا رکبھی ہوتے ہیں تو حکم جو مرتب ہوتا ہے وہ اسکے آخری ہی جزو پر ہوتا ہے پس یہاں اول جزو ایمان اور آخری جزو تقویٰ ہے۔

قرآن شریف میں ایک جگہ فرمایا ہے اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ o اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ o (یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے وہ (اللہ کے دوست) ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں) یعنی ولی کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا یہاں بھی حکم روزہ کے متعلق یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو!) کہکر انکو مخاطب کیا اور آخر میں لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم متقی بنجاؤ) فرمایا ہے۔ ایمان اور تقویٰ کے اجتماع سے معلوم ہوا کہ روزہ سے بھی ولایت ملتی ہے۔

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ

تفصیل الدین

(۷)

اسکو کبھی جانے دو۔ میں تمہیں سے پوچھتا ہوں، کہ ماں کے پیٹ سے تم جس طرح پیدا ہوئے ہو کیا یہ تمہاری عقل میں آتا ہے؟ واللہ ہمکو اس پر حیرت اس لئے نہیں ہوتی کہ رات دن اسکا مشاہدہ ہو رہا ہے اگر اسکا مشاہدہ نہ ہوتا اور صرف بیان سے یہ طریقہ معلوم ہوتا تو ہرگز عقل میں نہ آتا۔

اسکا امتحان اس طرح ہو سکتا ہے کہ تم ایک نوزائیدہ بچہ کی اس طرح نگرانی کرو کہ وہ یہ بات سننے یا دیکھنے نہ پائے کہ بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا کرتا ہے اس کے بعد آپ اس کو فلسفہ اور سائنس اور طب سب کچھ پڑھا دیں مگر یہ مسئلہ نہ پڑھائیں جس میں طریق ولادت کا ذکر ہو پھر جب وہ بی۔اے اور ایم۔اے اور ایل۔ایل۔بی ہو جائے اس وقت اس سے کہو کہ خبر بھی ہے کہ تو کیوں کر پیدا ہوا تھا اور اس سے بیان کرو کہ اول تیرا باپ تیری ماں کے پاس گیا تھا جس سے منی کے کچھ قطرے تیری ماں کے پیٹ کے اندر جو رحم ہے اس میں گرے تھے پھر رحم کے اندر اسکی پرورش ہوئی کہ خون بنا اور خون سے عَلَقَہ (جما ہوا خون) پھر مُضغَہ (گوشت کا لوتھڑا) بنا، پھر گوشت میں ہڈیاں بنیں پھر جسم کامل تیار ہو گیا پھر اس میں روح پڑی، جسکی پرورش عرصہ

تک خون رحم میں ہوتی رہی، پھر نو ماہ بعد تو شرمگاہ مادر سے نکلا اور اب وہی خون رحم دودھ کی شکل میں ماں کے پستان میں آگیا اس سے دو برس تک تو پرورش پاتا رہا، الیٰ آخرہ۔ تو میں سچ کہتا ہوں کہ واللہ العظیم وہ نہایت سختی سے آپ کی مخالفت کریگا اور کہے گا کہ ایک قطرے سے ایسے حسین جسم کا بننا، پھر اسکا شرمگاہ سے جو نہایت تنگ راستہ ہے نکل آنا عقل کے بالکل خلاف ہے۔

اب بتلائیے کہ اگر یہ قاعدہ مان لیا جائے کہ جو بات جبکی عقل میں نہ آئے وہ غلط ہوا کرے تو پھر آپ کا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا بھی غلط ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ خلاف عادت کو خلاف عقل کہتے ہیں جیسے وہ نوزائیدہ بچہ جبکی ایسی نگرانی کی گئی ہو جسکا اوپر ذکر ہوا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کو خلاف عقل کہے گا کیونکہ یہ بات کبھی دیکھی یا سنی نہ تھی اور آپ اسکو خلاف عقل اس لئے نہیں کہتے کہ آپ کو اسکی عادت ہوگئی ہے ورنہ آپ بھی وہی کہتے جو وہ کہتا اور ظاہر ہے کہ خلاف عقل کا وقوع نہیں ہوسکتا تو معلوم کہ آپ خلاف عقل ایسی باتوں کو بھی کہتے ہیں، چنانچہ جنکا وقوع مشاہد ہو جائے وہ خلاف عقل نہ رہیں۔

خلاف عادت اور خلاف عقل کا فرق

معلوم ہوا کہ آپ دراصل خلاف عادت کو خلاف عقل کہہ رہے ہیں اور کسی بات کے صحیح ہونے کے لئے خلاف عادت ہونا مضر نہیں اور نہ یہ غلط ہونے کی دلیل ہے ورنہ پھر اس لڑکے کے قول کو بھی مان لینا چاہیئے جو ماں کے پیٹ سے انسان کے پیدا ہونے کو غلط کہتا تھا اور نیز بہت سی باتوں کو جنھیں آپ چار دن پہلے مستبعد اور محال سمجھتے تھے اور آج انکا مشاہدہ ہو رہا ہے

غلط کہنا چاہیئے (جیسے ریل کا ایک گھنٹہ میں ساٹھ میل طے کرنا اور پانچ منٹ میں لندن سے تار کے ذریعہ سے خبر آجانا وغیرہ وغیرہ)

اسکے علاوہ دنیا میں بہت سے امور عادت کے خلاف ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک مرغی کا بچہ دیکھا ہے جس کے چار پیر تھے۔ (اور آجکل دہلی میں دو لڑکیاں جڑی ہوئی نمائش میں آئی تھیں جنکے تمام اعضاء جدا جدا تھے مگر کمر جڑی ہوئی تھی اور پیشاب گاہ الگ الگ اور پیشاب نکلتا ایک راستہ سے تھا) تو بتلائیے کیا خلاف عادت کے لئے بھی کوئی ضابطہ ہو سکتا ہے جس کے اوپر بناء کر کے بعض امور کو مانا جائے اور کسی بات کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ خلاف عادت ہے اسلئے ہم نہیں مانتے۔ صاحب آپکا عدم سے وجود میں آنا ہی عادت کے خلاف ہے کیونکہ عادت کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ ہر شے اپنی اصلی حالت پر رہے معدوم ہے معدوم رہے اور جو موجود ہے وہ کبھی فنا نہو مگر رات دن اسکے خلاف مشاہدہ ہو رہا ہے ہزارہا معدوم وجود میں آتے اور لاکھوں موجود معدوم ہو جاتے ہیں معلوم ہوا کہ کسی بات کا خلاف عادت ہونا اسکے غلط ہونے کو مستلزم نہیں۔

اب دوسرا مقدمہ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ خلاف عادت کو خلاف عقل کہتے ہیں اور ان دونوں میں فرق نہیں کرتے حالانکہ یہ بڑی سخت غلطی ہے۔ سنئے میں اسکا فرق بتلاتا ہوں، خلاف عادت تو وہ ہے جو عقلاً ممکن ہو مگر مشاہدہ نہونے کی وجہ سے دشوار و مستبعد معلوم ہوتا ہو اور خلاف عقل وہ ہے جو عقلاً ناممکن ہے یعنی عقل اسکے استحالہ پر دلیل قائم کر سکے اور استحالہ کہتے ہیں اجتماع نقیضین کو تو خلاف عقل وہ ہے جس کے ماننے سے نقیضین کا ایک محل میں، ایک آن میں، ایک جہت سے مجتمع ہونا لازم آجائے۔

اب جو لوگ معادیات کو اور صراط و وزن اعمال وغیرہ کو خلاف عقل کہتے ہیں وہ مہربانی کر کے انکے استحالہ پر دلیل عقلی قائم کریں (اور بتلائیں کہ انکے ماننے سے اجتماع نقیضین کیونکر لازم آتا ہے. یقیناً وہ ہرگز کوئی دلیل عقلی انکے استحالہ پر نہیں قائم کر سکتے. بس بہت سے بہت یہی کہیں گے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیونکر ہو جائے گا اسکی نظیر دکھلاؤ۔ بس آجکل تمام شبہات کا حاصل یہ ہے کہ اسکی کوئی نظیر نہیں ملتی اسلئے یہ محال ہے اور جو دعویٰ امکان کا کرتا ہے وہ اسکی نظیر دکھلائے۔ عجب اندھیر ہے کہ نظیر پر ثبوت شے کو موقوف بتلایا جاتا ہے اور جس چیز کی نظیر نہ ملے اسکو خلاف عقل اور محال کہا جاتا ہے۔ لوگوں کو ثبوت کی حقیقت ہی معلوم نہیں نظیر پر ثبوت کو موقوف سمجھتے ہیں۔ (میں کہتا ہوں کہ جو صنائع اور عجائبات اس زمانہ میں ایجاد یا مشاہد ہوئی ہیں کیا اس زمانے سے پہلے کسی کے پاس ان کی نظیر تھی اور نہ تھی تو کیا اس وقت یہ خلاف عقل اور محال تھیں اور اگر محال تھیں تو پھر آج انکا وقوع کیونکر ہوا۔ معلوم ہوا کہ کسی شے کا امکان نظیر کے ملنے پر موقوف نہیں)۔ تو خوب سمجھئے کہ کسی دعوے کا ثبوت نظیر کے ملنے پر موقوف نہیں بلکہ نظیر تو محض توضیح اور تنویر کے لئے ہوا کرتی ہے مدعیٔ ثبوت کے لئے نظیر کا پیش کرنا ہرگز لازم نہیں خصوصاً ایسے مدعی کے ذمہ جو کسی امر کے ثبوت کا دعویٰ یہ کہکر کرتا ہو کہ یہ امر خلاف عادت بطور معجزہ کے واقع ہوا یا قیامت میں خلاف عادت یوں ہوگا اسکے ذمہ تو کسی قاعدہ سے بھی نظیر کا پیش کرنا لازم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو اپنے دعوے میں تصریح کر رہا ہے کہ مدعیٰ بے نظیری کی صفت کے ساتھ متصف ہے اگر نظیر کا پیش کرنا کسی مدعی کے ذمہ

کسی درجہ میں لازم بھی ہو سکتا ہے تو صرف اس مدعی کے ذمہ ہو سکتا ہے جو اپنے دعوے کو موافق عادت بتلائے اور جو خرق عادت کا مدعی ہو اس سے ۔ ۔ ۔ نظیر کا مطالبہ کرنا عجب ہے)

ثبوت کی حقیقت

اب میں آپ کو ثبوت کی حقیقت بتلاتا ہوں جسکے نہ جاننے کی وجہ سے لوگوں کا مذاق ایسا بگڑ گیا ہے کہ آجکل علماء سے معراج کی نظیر کا سوال ہوتا ہے، شق القمر کی نظیر کا مطالبہ ہوتا ہے تو سنئے یہ عقلی مسئلہ ہے کہ کسی خبر کا صحیح ہونا یا کسی امر کا واقع ہونا نظیر پر ہرگز موقوف نہیں چنانچہ جنکو عقلیات سے کچھ بھی مس ہے وہ اسکو جانتے ہیں۔ مدعی اگر نظیر بیان کردے تو اسکا تبرع ہے بلکہ ثبوت خبر کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک مُخبَر بہ (یعنی جس بات کی خبر دی جارہی ہے) کا ممکن ہونا، دوسرے مخبر کا صادق ہونا پس ہمارے ذمہ تمام معجزات اور معادیات کے متعلق دو باتوں کا ثابت کرنا ہے ایک یہ کہ وہ فی نفسہ ممکن ہوں دوسرے مخبر صادق نے انکے وقوع کی خبر دی ہو۔ ان دو باتوں کے ثابت کرنے کے بعد کسی کو انکار کا حق نہ ہوگا۔

اب ہم معراج وغیرہ اور پلصراط اور وزن اعمال وغیرہ کے ثبوت پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ یہ معجزات اور معادیات فی نفسہ ممکن ہیں یہ تو دلیل کا پہلا مقدمہ ہے اگر کسی کو اس مقدمہ میں کلام ہو تو اسے لازم ہے کہ انکے امتناع پر دلیل قائم کرے اور ہمکو امکان کی دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ امکان کی کوئی علت نہیں ہوتی بلکہ امتناع پر دلیل نہ ہونا یہی امکان کی دلیل ہے (اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ امتناع کہتے ہیں اجتماع نقیضین کو محل واحد میں آن واحد میں جہت واحدہ سے تو جس کو ان امور کے امکان میں کلام ہو وہ ثابت کرے کہ ان میں اجتماع

نقیضین کس طرح لازم آتا ہے)

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس امر ممکن کے وقوع کی مخبر صادق خبر دے وہ ثابت ہے (اور ان معجزات ومعادیات کی خبر مخبر صادق نے دی ہے) پس یہ امور واقع و ثابت ہیں۔ اب ان مقدمات میں اگر کوئی کلام کرے تو اسکا جواب ہمارے ذمہ ہے باقی نظیر کا پیش کرنا ہمارے ذمہ نہیں۔

مثلاً اگر کوئی کہے کہ پل صراط پر چلنا عقل کے خلاف ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ تو میں کہونگا کہ بتلاؤ کیوں سمجھ میں نہیں آتا اس میں کیا استحالہ ہے کہ ایک باریک چیز پر پیر آجائے جب یہ محال نہیں اور مخبر صادق اسکے وقوع کی خبر دے رہا ہے تو پھر انکار کی کیا وجہ؟ اگر کوئی انکار کرے تو اسکا یہ حق تو ہے کہ امکان کو رد کرے اور امتناع کو ثابت کرے یا دوسرے مقدمہ میں کلام کرے کہ یہ مخبر صادق کی خبر نہیں تو ہم دلیل امتناع سننے کے لئے تیار ہیں اور کلام کو کلام اللہ ثابت کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے پس جب یہ دونوں باتیں ثابت ہو جائیں، پھر ہم نظیر پیش کرنے کے ذمہ دار نہیں اور اگر نظیر ہمکو معلوم ہو تب بھی نہ بتلائیں گے کیونکہ یہ ہمارے ذمہ نہیں ہے کہ ہم سب معلومات آپکو بتلا دیا کریں ہاں اگر تم یہ ثابت کرو کہ مستدل کے ذمہ نظیر کا پیش کرنا ضروری ہے اس وقت دیکھا جائے گا۔ بدون اسکے ہم زوائد کے ساتھ جواب نہ دینگے۔ یہ عوام کو زیادہ تر جواب دینے والوں ہی نے خراب کیا ہے کہ وہ ہر بات میں تبرعاً نظیریں بیان کرنے لگے عوام سمجھے کہ یہ بھی مجیب کے ذمہ ہے تو میں اسکا فیصلہ کرتا ہوں کہ مستدل کے ذمہ یہ ہرگز نہیں اور جو دعوی لزوم کا کرے وہ دلیل قائم کرے۔ یہ ہے دلیل مطرد (عام) جو

تمام معجزات اور معادیات میں برابر چل سکتی ہے اور جو دلیلیں آجکل بیان کی جاتی ہیں جن میں زیادہ نظیر سے جواب دیا جاتا ہے وہ مطرد نہیں ہیں۔ اب میں عقلاً یہ بات ثابت کرتا ہوں کہ کسی واقعہ کا ثبوت نظیر پر موقوف نہیں۔ تقریر اسکی یہ ہے کہ یہ ظاہر ہے کہ نظیر بھی ایک واقعہ ہے میں پوچھتا ہوں کہ اسکے لئے بھی نظیر کی ضرورت ہے یا نہیں؟ وعلیٰ ہذا اگر ہر نظیر کے لئے نظیر کی ضرورت رہی تو مستحیل تسلسل لازم آئے گا اور نظیر سے ایک دعویٰ بھی ثابت نہ ہو سکے گا اور اگر کہیں جاکر ٹھہر و گے کہ اس نظیر کے لئے کسی دوسری نظیر کی ضرورت نہیں تو معلوم ہوا کہ کسی واقعہ کا ثبوت بدون نظیر کے بھی ہوگیا تو پھر پہلے ہی کے لئے نظیر کی کیوں ضرورت ہے اور جس طرح تم نے اخیر میں ایک واقعہ کو بلا نظیر مان لیا تو پہلے ہی کو بلا نظیر کیوں نہیں مان لیتے؟

غرض کسی دلیل سے مستدل کے ذمہ نظیر کا بیان کرنا نہیں ہے ہاں اگر بیان کر دے تو یہ اسکی شفقت ہے اور اسکا موقع اسوقت ہے جبکہ سائل دلیل کے مقدمات پر کلام کرنے سے عاجز ہو جائے اور تسلیم کرلے کہ واقعی دلیل سے یہ دعویٰ ثابت ہوگیا اور مجھے اب انکار کا کوئی حق نہیں اس وقت مجیب اگر تقریب فہم کے لئے کوئی نظیر دے دے تو اسکا احسان ہے (اور اگر وہ نظیر پر ثبوت دعوے کو موقوف بتلا رہا ہے تو مستدل نظیر ہرگز نہ بتلائے بلکہ اس سے اس توقف علی النظیر کی دلیل مانگے۔

چنانچہ اس وقت میں ثبوت پلصراط پر دلیل قائم کرکے اسکی ایک نظیر تبرعًا بتلاتا ہوں۔

پل صراط کی حقیقت اول پل صراط کی حقیقت سمجھئے مگر یہ کہے دیتا ہوں

کہ یہ مضمون ظنی ہے اس طور پر پل صراط کو سمجھنا واجب نہیں۔ اصل تو یہی ہے کہ آدمی عملاً پختہ عقیدہ رکھے باقی بعض طبائع ضعیف ہوتی انکے لئے میں یہ مضمون بیان کرتا ہوں اگر وہ اس طرح کبھی پل صراط کو سمجھ لیں تو کچھ حرج نہیں مگر لازم کبھی نہیں، لازم تو وہی اجمالاً مان لینا ہے

اس تنبیہ کے بعد کہتا ہوں کہ اول اسکی حقیقت سمجھو جس کے لئے اول یہ مقدمہ سنو کہ اس عالم کے سوا ایک عالم اور بھی ہے (مسلمان تو اسکا انکار نہیں کر سکتے اور اگر انکار کریں تو ہمارے پاس انکے جواب کے لئے وہی دلیل مطرد ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ دوسرے عالم کا ہونا ممکن ہے کسی کو امکان پر کلام ہو تو دلیل امتناع قائم کرے اور جس ممکن کی خبر مخبر صادق نے دی ہو وہ ثابت ہے۔ پس دوسرا عالم ثابت ہے اور مخبر کے صادق ہونے کو ہم دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں

دوسرا مقدمہ یہ سنئے کہ عالم کے اختلاف سے بعض احکام اور حالات بدل جاتے ہیں، اسکی دلیل تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور تقریب فہم کے لئے ایک نظیر کبھی بتلاتا ہوں) جیسے اقالیم کے بدلنے سے کبھی دنیا ہی میں حالات بدل جاتے ہیں (مثلاً یہاں اس وقت رات ہے اور ایک اقلیم میں دن ہے، یہاں آجکل گرمی اور کسی اقلیم میں اسوقت سردی ہے وعلیٰ ہذا) یہاں چوبیس گھنٹہ کا دن ہے اور بعض اقالیم میں چھ مہینے کا دن ہے اور چھ مہینے کی رات ہے اور یہیں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں جو آیا ہے کہ عالم آخرت کا ایک دن ہزار برس کے برابر ہے اور اس پر بعض لوگ ہنستے ہیں تو یہ انکی حماقت ہے۔ اس میں استبعاد کیا ہے؟ جب عالم دنیا ہی میں اقلیم کے بدلنے سے یہ بات مشاہد ہے کہ بعض جگہ چھ ماہ کا دن ہوتا ہے تو اختلاف عالم آخرت میں اگر ہزار برس کے برابر ایک دن ہو تو کیا تعجب ہے۔

(جاری)

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ماہ شعبان رمضان المبارک کا مقدمہ ہے

احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان کا مہینہ رمضان کا مقدمہ ہے۔ شعبان کا اول حصہ بھی رمضان کا مقدمہ ہے اور وسط بھی اور اخیر بھی۔

اول حصۂ شعبان کا رمضان کے لئے مقدمہ ہونا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں ہے اَحْصُوْا ھِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ (ترمذی) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رمضان کے چاند کا اہتمام شعبان کے چاند کی تحقیق سے شروع کرو۔ تو شعبان کا شروع حصہ رمضان کے لئے مقدمہ ہوگیا۔ وسط شعبان اسلئے مقدمۂ رمضان ہے کہ وسط شعبان میں ۱۵ تاریخ کا روزہ مسنون ہے اور اسی رات قیام اللیل (شب بیداری کرنا اور نوافل، دعا، ذکر و تلاوت میں رات گذارنا) بھی مسنون ہے اس میں بڑی حکمت یہ ہے کہ چونکہ شعبان رمضان کے متصل ہے دونوں ایک ہی موسم میں آئے ہیں تو وسط شعبان میں ایک روزہ رکھ لینے سے اور ایک رات قیام کر لینے سے روزہ کی اور تراویح کی سہولت کا اندازہ ہوجائے گا۔ ایک روزہ ہے، کچھ دشوار بھی نہیں ہوتا، مگر اس روزہ اور رات کے قیام کے بعد ہمت

بندھ جائیگی کہ بس رمضان کے روزے بھی اور تراویح بھی ایسے ہی ہونگے جیسا یہ روزہ تھا تو اس سے ہمت بہت بڑھ جائے گی اخیر شعبان کا رمضان کے لئے مقدمہ ہونا اس سے ثابت ہے کہ حدیث شریف میں ہے اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا صَوْمَ اِلَّا عَنْ رَمَضَانَ کہ جب شعبان آدھا گذر جائے تو رمضان کے سوا دوسرا کسی قسم کا روزہ نہ رکھا جائے۔ شاید کوئی کہے کہ روزہ نہ رکھنا رمضان کے روزہ کے لئے مقدمہ کیونکر ہوسکتا ہے، بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مجاہدات مشروع فرمائے ہیں ان میں دو باتوں کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے، ایک ہمت کا دوسرے قوت کا اور یہ بات فقط حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم میں پائی جاتی ہے دیگر حکماء یا محض ہمت بڑھاتے رہتے ہیں جس سے قوت میں خلل پڑ جاتا ہے یا محض قوت کی رعایت کرتے ہیں جس سے ہمت پست ہو جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمت اور قوت دونوں کا لحاظ فرمایا ہے ہمت بڑھانے کا لحاظ تو اس طرح فرمایا کہ وسط شعبان میں روزہ مسنون فرمایا اور قوت کا لحاظ اس طرح فرمایا کہ نصف شعبان کے بعد روزہ منع فرما دیا تاکہ رمضان کے لئے قوت محفوظ رہے اور رمضان کے لئے نشاط پیدا ہو جائے۔ اس سے ایک بڑا فائدہ مشائخ کے لئے حاصل ہوا کہ وہ اپنے مریدین کی تعلیم میں ہمت اور قوت دونوں کا لحاظ کریں، یہ بات میرے ذہن میں پہلے نہ آئی تھی حق تعالیٰ نے اس وعظ میں یہ علم عظیم عطا فرمایا۔ اس سے بہت سی جزئیات نکل سکتی ہیں۔ فقط

(وَالحمدُ للہ علیٰ ذٰلک حمداً کثیراً)

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کی تراویح

عاجز محمد یوسف بجنوری جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ مجھکو ایک عرصہ سے تمنا ہے کہ تراویح کا جو طریقہ سلف میں تھا جس کا ذکر کتب فقہ میں ہے اسکو عمل کے اندر کہیں دیکھوں مگر کہیں اتفاق نہیں ہوا جہاں کہیں بھی دیکھا حد سے متجاوز پایا کہیں مارے جلدی کے یہ بھی لحاظ نہیں ہوتا کہ آیا نماز کا وقت بھی ہوا ہے یا نہیں وقت سے پہلے ہی اذان کہہ دیتے ہیں۔

پھر کلام اللہ کی وہ گت بنتی ہے کہ سوائے یَعْلَمُوْنَ اور تَعْلَمُوْنَ کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا پھر بعض باتیں محض رسم و رواج کی بنا پر کیجاتی ہیں خواہ انکی کوئی اصل ہو یا نہو مٹھائی کا اتنا التزام کہ زور ڈال ڈال کر اسکے لئے چندہ جمع کیا جاتا ہے اور اسی واسطے روشنی اور سجاوٹ کیجاتی ہے حالانکہ حدیث میں ہے لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسِہٖ کہ مسلمان کا مال بغیر اسکی خوشدلی کے لینا درست نہیں ہے۔

کہیں حفاظ اجرت لیکر پڑھتے ہیں، غرض کہاں تک خرابیاں بیان کی جائیں جس کو تفصیل کا شوق ہو وہ "اصلاح الرسوم" مصنفہ حضرت والا کا مطالعہ کرے۔

۱ سال یعنی ۱۳۳۷ھ میں بندہ کا قیام تھانہ بھون میں رہا

اور ماہ رمضان میں شروع سے آخر تک یہ عاجز تراویح میں شریک رہا۔ حضرت والانے خود قرآن شریف سنایا۔ چونکہ حضرت والا ہر امر میں اتباع سنت کو بدرجہ اعلیٰ محفوظ رکھتے ہیں اسکو بھی طریقہ مسنون کے مطابق ادا فرمایا ایک بات بھی ایسی نہوئی کہ شرع کے خلاف ہوا سلئے بندہ کو مناسب معلوم ہوا کہ تراویح جس طریقہ سے حضرت ادا فرمائیں اسکو قلم بند کردوں کیا اچھا ہو کہ جن حضرات کی نظر سے یہ مضمون گذرے وہ بھی اسی طرح عمل فرمائیں۔ واللہ اتباع سنت میں دین کی راحت تو ہے ہی دنیا کی بھی بڑی راحت ہے تجربہ سے اس دعوے کا صادق ہونا معلوم ہو جائے گا۔ اب میں اسکے متعلق عرض کرتا ہوں۔ وھو ھٰذا۔

رمضان شریف میں حضرت کے یہاں عشاء کی اذان کا وقت ۸½ بجے یعنی غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ چالیس منٹ بعد تھا اور پونے نو بجے جماعت کھڑی ہوتی تھی، حضرت والا فرض بھی خود ہی پڑھاتے تھے رمضان شریف میں بعد فاتحہ کے چھوٹی سورتیں پڑھتے جیسے الم ترکیف یا والتین وغیرہ اکثر تو یہی عادت تھی کبھی والشمس وغیرہ پڑھتے۔ غرض قرارت فرضوں میں طویل نہیں ہوتی تھی اس میں مقتدیوں کی رعایت مدنظر تھی چنانچہ حدیث میں موجود ہے ہی۔

تراویح میں قرارت نہ تو اس قدر جلدی ہوتی۔ جیسے اس زمانہ میں حفاظ کا طرز ہے کہ الفاظ بھی ٹھیک ادا نہیں ہوتے اور نہ اس قدر دیر میں جیسے فرضوں میں قرارت ہوتی ہے بلکہ فرضوں کی بہ نسبت ذرا کچھ رواں قرارت فرمائی ہر حرف اچھی طرح سمجھ میں آتا تھا اظہار و اخفاء کی بھی رعایت تھی اول اول سوا پارہ پڑھا

پھر کم کردیا تھا، ستائیسویں شب کو ختم ہوا۔ کل وقت فرض اور سنت اور تراویح اور وتر میں ڈیڑھ گھنٹہ یا کبھی اس سے بھی کچھ کم صرف ہوتا تھا۔ ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھتے جس کو ترویحہ کہتے ہیں اس میں ۲۵ بار درود شریف پڑھتے اور پھر تراویح پڑھنے کھڑے ہو جاتے۔ درود شریف پڑھنے میں خفیف سا جہر ہوتا تھا، میں نے حضرت والا سے دریافت کیا کہ آپ ترویحہ میں کیا پڑھتے ہیں؟ تو فرمایا کہ شرعاً کوئی ذکر معیّن تو ہے نہیں، باقی میں درود شریف پڑھ لیتا ہوں یہی مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور ۲۵ کی تعداد اسلئے کہ اتنے عرصہ میں کسی کو پانی پینے یا اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ فارغ ہو سکتا ہے۔

جب بیس رکعت تراویح ہو جاتی تو ترویحہ کرکے دعا، مانگی جاتی اسکے بعد وتر پڑھے جاتے۔ اور جن مواقع پر کلام اللہ میں سجدہ ہیں ہاں کبھی رکوع ہی میں سجدہ ادا فرماتے ہیں اور کبھی سجدہ ہی ادا فرما دیتے ہیں۔ عام دستور یہ ہے کہ سورۂ اخلاص سے پیشتر بسم اللہ جہر (بلند آواز) سے پڑھتے ہیں حضرت والا نے اِقْرَاْ سے پہلے جہر فرمایا۔ مسئلہ اسکا یہ ہے کہ تمام کلام اللہ میں ایک دفعہ بسم اللہ جہر سے پڑھنی چاہئے خواہ کسی سورت سے پہلے ہو مگر چونکہ اِقْرَاْ اسکے لئے زیادہ مناسب ہے ایک تو وہ سب سے اول نازل ہوئی دوسرے اسکے شروع ہی میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم ہے اسلئے حضرت نے اسی موقعہ پر جہر فرمایا ہوگا۔ ایک عام دستور یہ ہے کہ سورہ اخلاص کو تین بار پڑھتے ہیں حضرت والا نے اسکو ایک ہی بار پڑھا۔

دوسرے دن ایک صاحب نے سوال کیا کہ عام رواج اس وقت میں یہ ہے کہ ختم قرآن میں سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھتے ہیں اور مبنٰی اسکا یہ قرار

دے رکھا ہے کہ تین بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے پورے قرآن کریم کا ثواب ملتا ہے اس لئے تین دفعہ اسکو پڑھنے سے ایک قرآن کا ثواب اور ملے گا۔ اسکے متعلق فرمایا کہ

تراویح میں تین مرتبہ پڑھنے کی رسم بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک جواز بلاکراہت مگر اولویت کسی کے نزدیک بھی نہیں، اسلئے مستحب اور اولیٰ سمجھنا تو سخت غلطی ہے اور تراویح میں تکرار یہ محض رسم ہی رہ گئی ہے۔

اور یہ جو ہے کہ تین بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب ملتا ہے یہ بھی ٹھیک نہیں اسلئے کہ حدیث کے الفاظ سے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ اخلاص ثُلُثِ قرآن (یعنی تہائی قرآن) ہے نہ یہ کہ تین بار پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب ملے گا۔

شاہ محمد اسحٰقؒ صاحب کا اسکے متعلق عجیب جواب سنا ہے وہ یہ کہ حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ سورۂ اخلاص پڑھنے سے ثُلُثِ قرآن کا ثواب ملے گا تو تین دفعہ پڑھنے سے تین ثلث قرآن کا ثواب ملے گا اور تین ثلث سے پورا قرآن ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ قل ھو اللہ پڑھنے سے جو ثلث قرآن پاک کا ثواب ملتا ہے ممکن ہے کہ وہ ثلث معیّن ہو تو جب تین بار پڑھا تو یہ سمجھا جاوے گا کہ اس نے ایک ثلث معین کو تین بار پڑھا اس سے پورے قرآن کا ثواب کہاں ثابت ہوا؟ یہ تو ایسا ہوا جیسے کسی نے دس پارے تین دفعہ پڑھے ظاہر ہے کہ اس طرح پڑھنے کو پورا قرآن نہیں کہتے۔ بس اسی طرح یہ سمجھے کہ جس نے ایک بار سورۂ اخلاص پڑھی تو گویا ایک ثلث قرآن پڑھا اور ایک دفعہ پھر پڑھی تو گویا اسی ثلث قرآن کو دوبارہ پڑھا۔ پھر ایک دفعہ اور پڑھی تو پھر اسی ثلث قرآن کو پڑھا نتیجہ یہ نکلیگا

کہ تین دفعہ پڑھنے سے ایسا ہوا کہ ایک معین ثلث قرآن کو تین دفعہ پڑھا ظاہر ہے کہ اس سے پورے قرآن کا پڑھنا کہاں ثابت ہوا ہاں ایک ثلث کا مکرر پڑھنا اور اس جیسا ثواب ملنا ثابت ہوا نہ یہ کہ پورے قرآن کا پڑھنا اور اس جیسا ثواب ملنا ثابت ہوا۔ اور راز اسکا یہ ہو سکتا ہے کہ سارے قرآن مجید میں امہات مسائل (اصل اور بنیادی مسائل) تین ہیں توحید۔ رسالت۔ معاد۔ اور تمام قرآن ان ہی تین اجزا اور مضامین کی شرح ہے۔ تو سورۂ اخلاص میں توحید کا بیان بکمال درجہ ہے اسلئے بوجہ ایک جزو توحید کے یہ سورت اس ثلث کے برابر ہوئی جو توحید پر مشتمل ہے

اسکے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ جن لوگوں نے اس کے تین بار پڑھنے کو ایک قرآن پڑھنے کے برابر کہا ہے انھوں نے بھی یہ قید لگائی کہ وہ قرآن جس میں قل ھو اللہ نہو۔ اسی طرح لوگ سورۂ یٰسٓ میں تاویل کرتے ہیں کہ اسکے ایک بار پڑھنے سے ان دس قرآنوں کا ثواب ملتا ہے جس میں سورہ یٰسٓ نہو ورنہ تسلسل لازم آئیگا۔

مگر میرے نزدیک اسکی ضرورت نہیں کیونکہ جن دس قرآنوں کا ثواب ملتا ہے انکی قراءت تو حکمیہ ہوئی اور قراءت حکمیہ کی یٰسٓ کا تضاعف ثواب وارد نہیں پھر تسلسل کیوں لازم آئے گا؟ اس پر ایک صاحب نے حوالہ دیا کہ ایسا ہی فلاں کتاب میں بھی لکھا ہے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ابھی تک مجھکو یہی خوشی تھی کہ اس وقت میرے ہی ذہن یہ مضمون آیا ہے مگر اب زیادہ خوشی ہے کہ سمجھدار لوگوں سے توافق ہو گیا۔ فقط

جس روز ختم ہوا نہ روشنی میں بہ نسبت دوسرے دنوں کے کچھ اضافہ تھا نہ مٹھائی منگائی گئی نہ کھٹائی لائی گئی جیسے اور روز پڑھکر

چلے جاتے تھے اس دن بھی چلے گئے۔ ختم ہونے کے بعد تین روز اور تراویح پڑھیں، پہلے دن سورۂ والضحیٰ سے آخر تک تراویح میں قرآن پڑھا، دوسرے دن الٓمٓ ترکیف سے آخر تک پھر اسی کو لوٹا کر آخر تک پڑھا، تیسرے دن عم یتساء لون کا پارہ نصف کے قریب تک پڑھا۔

ایک دستور یہ ہے کہ جس روز ختم ہوتا ہے تو حافظ کے سامنے پنساری کی دوکان لاکر رکھ دیتے ہیں یعنی اجوائن، سونف وغیرہ کی پڑیاں اور پانی کا گھڑا بھر کر رکھ دیتے ہیں وہ اس پر چھو کر دیتا ہے یہاں کوئی قصہ نہ تھا بس مسنون طریقہ کے موافق عمل تھا۔

جو امور اس زمانہ میں رواج پا گئے ہیں وہ بظاہر تو اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر اسمیں جو برائیاں مخفی ہیں "اصلاح الرسوم" سے انکا پورا پتہ چلتا ہے۔ جو صاحب اس میں خلاف ہوں تو وہ "اصلاح الرسوم" کا ضرور مطالعہ فرمالیں مگر بہ نظر انصاف دیکھیں انشاء اللہ رسومات مروجہ کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ شریعت مطہرہ نے سب کاموں میں آسانی رکھی ہے ہم لوگ خود دقتیں بڑھا لیتے ہیں اگر اس طریقہ سے تراویح ہوا کریں تو کتنی آسانی ہے۔ (حسن العزیز)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

زبان کی حفاظت کیجئے

(۲)

زبان کے ذریعہ دین سکھائیں

اگر اس زبان کے ذریعہ سے تم نے کسی کو چھوٹی سی دین کی بات سکھادی مثلاً ایک شخص غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا تھا اور تمھیں معلوم تھا کہ یہ غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے چنانچہ تم نے چپکے سے تنہائی میں نرمی کے ساتھ محبت اور شفقت سے اسکو سمجھا دیا کہ بھائی تمھاری نماز میں یہ غلطی تھی، اس طرح کرلیا کرو، آپ کی زبان کی ذرا سی حرکت سے اسکی اصلاح ہوگئی اور اس نے نماز ٹھیک پڑھنی شروع کردی تو اب ساری عمر وہ جتنی نمازیں ٹھیک طریقے سے پڑھے گا تو ان سب کا اجر و ثواب تمھارے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔

تسلی کا کلمہ کہنا

ایک شخص تکلیف اور پریشانی میں مبتلا تھا تم نے اسکی پریشانی دور کرنے کے لئے اس سے کوئی تسلی کی بات، کوئی تسلی کا کلمہ کہدیا جس کے نتیجہ میں اسکو کچھ ڈھارس بندھ گئی، اسکو کچھ تسلی حاصل ہوگئی تو یہ کلمہ کہنا تمھارے لئے عظیم اجر و ثواب کھینچ لایا۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

مَنْ عَزّٰی ثَکْلٰی کُسِیَ بُرْدًا فِی الْجَنَّۃِ

(ترمذی ۔ کتاب الجنائز، باب فی فضل التعزیۃ، حدیث ۱۰۷۶)

یعنی اگر کوئی شخص ایسی عورت کے لئے تسلی کے کلمات کہے جسکا بیٹا گم ہوگیا ہو یا مرگیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس تسلی دینے والے کو جنت میں بیش بہا قیمتی جوڑے پہنائیں گے ۔

غرض یہ کہ اس زبان کو نیک کاموں میں استعمال کرنے کے جو راستے اللہ تعالےٰ نے رکھے ہیں ان میں اسکو ٹھیک طریقے سے استعمال کرلو پھر دیکھو گے کہ تمھارے نامۂ اعمال میں کس طرح ثواب کے ڈھیر لگ جائیں گے مثلاً کوئی شخص جارہا تھا تم نے اسکی رہنمائی کرکے اسکو صحیح راستہ بتادیا، اب یہ چھوٹا سا کام کردیا اور تمھیں خیال بھی نہیں ہوا کہ میں نے کوئی نیکی کا کام کیا لیکن اللہ تعالیٰ اسکے بدلے میں بے شمار اجر وثواب عطا فرمائیں گے ۔ بہرحال اگر ایک انسان اس زبان کو صحیح استعمال کرے تو یقین کیجئے اسکے لئے جنت کے دروازے کھل جائیں اور اسکے بے شمار گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے لیکن خدا نہ کرے ۔ اگر اس زبان کا ناجائز اور غلط استعمال ہو تو پھر یہی زبان انسان کو جہنم میں کھینچ کرلے جاتی ہے ۔

زبان جہنم میں لے جانے والی ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جتنے لوگ جہنم میں جائیں گے ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی جو اپنی زبان کی کرتوت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے مثلاً جھوٹ بول دیا، غیبت کردی، کسی کا دل دکھا دیا، کسی کی دل آزاری کی، دوسروں کے ساتھ غیبت میں حصہ لیا، کسی کی تکلیف پر خوشی کا اظہار کیا وغیرہ ۔ جب یہ گناہ کے کام کئے تو اسکے نتیجہ میں

میں وہ جہنم میں چلا گیا ۔ اور حدیث شریف میں فرمایا کہ

هَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ

(ترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ حدیث نمبر ۲۶۱۶)

یعنی بہت سے لوگ زبان کے کرتوت کی وجہ سے جہنم میں جائینگے ۔۔ یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس کو ذرا دھیان سے استعمال کرو، اسکو قابو میں رکھو بے قابو مت چھوڑ دو اسکو صحیح کاموں میں استعمال کرو، اسلئے فرمایا کہ زبان سے یا تو صحیح بات بولو ورنہ خاموش رہو، اسلئے کہ خاموشی اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ آدمی غلط بات زبان سے نکالے۔

پہلے تولو پھر بولو

اسی وجہ سے کثرت کلام سے منع کیا گیا اسلئے کہ اگر انسان زیادہ بولے گا تو زبان قابو میں نہیں رہے گی کچھ نہ کچھ گڑ بڑ ضرور ہی کرے گی اور اسکے نتیجہ میں انسان گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ اسلئے ضرورت کے مطابق بولو زیادہ نہ بولو جیسے ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے بات کو تولو پھر بولو جب تول تول کر بات کرو گے تو پھر یہ زبان قابو میں آجائے گی۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاد تھے حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب قدس اللہ سرہ بڑے اونچے درجے کے بزرگ تھے اور "حضرت میاں صاحب" کے نام سے مشہور تھے یہ ایسے بزرگ تھے جنھوں نے صحابہ کرام کے زمانے کی یادیں تازہ کر دیں میرے حضرت والد صاحب ان سے بہت خصوصی تعلق رکھتے تھے اور انکی خدمت میں کثرت سے جایا کرتے تھے اور حضرت میاں صاحب بھی والد صاحب پر بہت شفقت فرمایا کرتے

تھے حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور جاکر بیٹھ گیا تو حضرت میاں صاحب کہنے لگے کہ بھائی دیکھو مولوی شفیع صاحب آج ہم عربی میں بات کریں گے اردو میں بات نہیں کریں گے۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرانی ہوئی اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا آج بیٹھے بٹھائے یہ عربی میں بات کرنے کا خیال کیسے آیا ــــ میں نے پوچھا حضرت کیا وجہ ہے؟ حضرت نے فرمایا نہیں بس ویسے ہی خیال آگیا کہ عربی میں بات کریں گے جب میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جب ہم دونوں مل کر بیٹھتے ہیں تو بہت باتیں چل پڑتی ہیں، اِدھر اُدھر کی گفتگو شروع ہو جاتی ہے اور اسکے نتیجہ میں ہم لوگ بعض اوقات غلط باتوں کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں مجھے خیال ہوا کہ اگر ہم عربی میں بات کرنے کا اہتمام کریں تو عربی نہ تمھیں روانی کے ساتھ بولنی آتی ہے نہ مجھے بولنی آتی ہے لہٰذا کچھ تکلف کے ساتھ عربی میں بولنا پڑے گا تو اسکے نتیجے میں یہ زبان جو بے محابا چل رہی ہے قابو میں آجائیگی اور پھر بلا ضرورت فضول گفتگو نہ ہوگی صرف ضرورت کی بات ہوگی۔

ہماری مثال

پھر حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی! ہماری مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنے گھر سے بہت ساری اشرفیاں، بہت سارے پیسے لیکر سفر پر روانہ ہوا تھا اور ابھی اسکا سفر جاری تھا، ابھی منزل تک نہیں پہونچا تھا کہ اس کی ساری اشرفیاں خرچ ہوگئیں اور اب چند اشرفیاں اسکے پاس باقی رہ گئیں اور اب وہ ان اشرفیوں کو بہت سنبھال کر اور

پھونک پھونک کر خرچ کرتا ہے صرف بہت زیادہ ضرورت کی جگہ پر خرچ کرتا ہے فضول جگہ پر خرچ نہیں کرتا تاکہ کسی طرح وہ اپنی منزل تک پہونچ جائے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے اپنی اکثر عمر گزار دی اور عمر کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے یہ سب منزل تک پہنچنے کے لئے مال و دولت اور اشرفیاں تھیں اگر انکو صحیح طریقے سے استعمال کرتے تو منزل تک پہنچنا آسان ہو جاتا اور منزل کا راستہ ہموار ہو جاتا لیکن ہم نے پتہ نہیں کن کن چیزوں میں اسکو خرچ کر دیا بیٹھے ہوئے غپ شپ کر رہے ہیں، مجلس آرائی ہو رہی ہے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ساری توانائیاں ان فضول چیزوں میں خرچ ہو گئیں اب پتہ نہیں زندگی کے کتنے دن باقی ہیں اب یہ دل چاہتا ہے کہ زندگی کے ان اوقات کو تول تول کر احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر استعمال کریں

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرماتے ہیں انکا پھر یہی حال ہو جاتا ہے وہ یہ سوچتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زبان کی یہ دولت عطا فرمائی ہے تو اسکو ٹھیک استعمال کروں غلط جگہ استعمال نہ کروں۔

زبان کو قابو کرنے کا علاج

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان ہیں وہ ایک مرتبہ اپنی زبان کو پکڑے بیٹھے تھے ذرا اسکو مروڑ رہے تھے لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا

اِنَّ هٰذَا اَوْرَدَنِیَ الْمَوَارِدَ

(موطا امام مالک، کتاب الکلام، باب ما جاء فی ما یخاف من اللسان)

یعنی اس زبان نے مجھے بڑی ہلاکتوں میں ڈال دیا ہے اسلئے میں اسکو قابو میں کرنا چاہتا ہوں۔ بعض روایات میں مروی ہے کہ اپنے منہ میں کنکر ڈال کر بیٹھ گئے تاکہ بلا ضرورت زبان سے بات نہ نکلے۔

بہرحال زبان ایسی چیز ہے کہ اسکے ذریعہ سے انسان جنت بھی کما سکتا ہے اور دوزخ بھی کما سکتا ہے اسکو قابو کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ بے جگہ استعمال نہو اسکا طریقہ یہی ہے کہ انسان کثرتِ کلام سے پرہیز کرے اسلئے کہ انسان جتنا زیادہ کلام کرے گا اتنا ہی زیادہ گناہوں میں مبتلا ہوگا چنانچہ اپنی اصلاح کے خواہشمند حضرات جب کسی شیخ کے پاس علاج کے لئے جاتے ہیں تو شیخ ہر ایک کے لیے اسکے مناسب الگ الگ نسخہ تجویز کرتے ہیں اور وہ بہت سے حضرات کے لئے صرف زبان کو قابو میں کرنے کا علاج تجویز کرتے ہیں

زبان پر تالا ڈال لو

ایک صاحب میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے لیکن کوئی اصلاحی تعلق قائم نہیں کیا تھا بس ویسے ہی ملنے کے لئے آجایا کرتے تھے اور جب باتیں شروع کرتے تو پھر رکنے کا نام نہ لیتے۔ ایک قصہ بیان کیا وہ ختم ہوا تو دوسرا سنانا شروع کر دیا، حضرت والد ماجد صاحب برداشت کرتے رہتے تھے ایک روز انھوں نے حضرت والد صاحب سے درخواست کی کہ میں آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں حضرت والد صاحب نے قبول کرلیا اور اجازت دے دی اسکے بعد انھوں نے کہا کہ حضرت مجھے کوئی وظیفہ پڑھنے کیلئے بتا دیں، میں کیا پڑھا کروں؟ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تمھارا صرف ایک ہی وظیفہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس زبان پر تالا

ڈال لو اور یہ زبان جو ہر وقت چلتی رہتی ہے اسکو قابو میں کرو۔ تمھارے لئے اور کوئی وظیفہ نہیں ہے۔ چنانچہ انھوں نے جب زبان کو قابو میں کیا تو اسی کے ذریعہ انکی اصلاح ہوگئی۔

غپ شپ میں زبان کو لگانا ہمارے یہاں زبان کے غلط استعمال کی جو وبا چل پڑی ہے یاد رکھو یہ بڑی خطرناک بات ہے، دوستوں کو بلا لیا کہ آنا ذرا بیٹھکر غپ شپ کریں گے، اب اس غپ شپ کے اندر جھوٹ بولا جارہا ہے غیبت اسکے اندر ہورہی ہے، دوسروں کی برائی اس میں بیان کیجارہی ہے، دوسروں کی نقل اتاری جارہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری ایک مجلس نجانے کتنے گناہوں کا مجموعہ ہوتی ہے اسلئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اس زبان کو قابو میں کرنے کی اہمیت دل میں پیدا کریں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسکی اہمیت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ آمین۔

خواتین اور زبان کا استعمال یوں تو سارا معاشرہ اس زبان کے گناہوں میں مبتلا ہے لیکن احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے اندر جن بیماریوں کے پائے جانے کی نشاندھی فرمائی ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ زبان انکے قابو میں نہیں ہوتی۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"اے خواتین! میں نے اہل جہنم میں سب سے زیادہ تعداد میں تمکو پایا یعنی جہنم میں مردوں کے مقابلہ میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے خواتین نے پوچھا یا رسول اللہ اسکی کیا وجہ ہے؟ تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ

تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ

(صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم حدیث نمبر ۳۰۴)

تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری بہت کرتی ہو اس وجہ سے جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ ہے۔

دیکھئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دو باتیں بیان فرمائیں ان دونوں کا تعلق زبان سے ہے۔ لعنت کی کثرت اور شوہر کی ناشکری۔ معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی علیہ وسلم نے خواتین کے اندر جن بیماریوں کی تشخیص فرمائی اسمیں زبان کے بیجا استعمال کو بیان فرمایا کہ یہ خواتین زبان کو غلط استعمال کرتی ہیں۔ مثلاً کسی کو طعنہ دیدیا، کسی کو برا کہہ دیا، کسی کی غیبت کردی کسی کی چغلی کھالی، یہ سب اسکے اندر داخل ہے۔

میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں

عن سهل بن سعد رضي الله عنه قال - قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يضمن لي ما بين لحييه و ما بين رجليه اضمن له الجنة

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت اور گارنٹی دے دے تو میں اسکو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں۔ ایک اس چیز کی جو اسکے دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان کہ یہ غلط استعمال نہیں ہوگی، اس زبان سے جھوٹ نہیں نکلے گا، غیبت نہیں ہوگی، دل آزاری کسی کی نہیں ہوگی

وغیرہ وغیرہ اور ایک اس چیز کی ضمانت دے جو اسکی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ کہ اسکو غلط جگہ پر استعمال نہیں کریگا تو میں اسکو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبان کی حفاظت دین کی حفاظت کا آدھا باب ہے اور آدھا دین زبان کے اندر ہے آدھے گناہ زبان کے ذریعہ ہوتے ہیں اس لئے اسکی حفاظت ضروری ہے

نجات کے تین کام

عن عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ قال قلت یارسول اللہ ما النجاۃ؟ قال امسک علیک لسانک ویسعک بیتک وابک علی خطیئتک

(ترمذی کتاب الزہد باب ماجاء فی حفظ اللسان حدیث نمبر ۲۴۰۶)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ نجات کا کیا طریقہ ہے؟ یعنی آخرت میں عذاب جہنم سے نجات ہوجائے اور اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی عطا فرمادیں اور جنت میں داخلہ عطا فرماد یں اسکا کیا طریقہ ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں تین جملے ارشاد فرمائے۔ پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ تم اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھو۔ زبان بے قابو ہونے نہ پائے۔ اور دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ تمھارا گھر تمھارے لئے کافی ہوجائے یعنی اپنا زیادہ وقت گھر میں گزارو۔ فضول اور بلا وجہ تمھیں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں صرف ضرورت کے تحت گھر سے باہر جاؤ بلا ضرورت باہر مت جاؤ تاکہ باہر جو فتنے ہیں انکے اندر مبتلا نہ ہوجاؤ

گناہوں پر رونا

اور تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی غلطی کوئی گناہ یا خطا تم سے سرزد ہو جائے تو اس غلطی پر رونا۔ رونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے توبہ کرو اور اس پر ندامت کا اظہار کرکے استغفار کرو۔ رونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر واقعۃً رو و جیسے ابھی چند روز پہلے ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے رونا آتا ہی نہیں ہے اسلئے میں پریشان ہوتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر خود سے غیر اختیاری طور پر رونا نہ آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن گناہ پر دل سے نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرے کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی آپ معاف فرمادیں۔

اے زبان اللہ سے ڈرنا

وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اصبح ابن ادم فان الاعضاء کلھا تکفر اللسان تقول اتق اللہ فینا فانما نحن بک فان استقمت استقمنا وان اعوججت اعوججنا

(ترمذی کتاب الزہد باب ما جاء فی حفظ اللسان حدیث نمبر ۲۴۰۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے جسم کے اندر جتنے اعضاء ہیں وہ سب زبان سے مخاطب ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اے زبان تو اللہ سے ڈرنا اسلئے کہ ہم تو تیرے تابع ہیں اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ مطلب یہ کہ انسان کا سارا جسم زبان کے تابع ہوتا ہے اگر زبان نے غلط کام کرنا شروع کر دیا

تو اسکے نتیجہ میں سارے کا سارا جسم گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اسلئے وہ زبان سے کہتے ہیں کہ تو سیدھی رہنا ورنہ تیرے کرتوت کی وجہ سے ہم بھی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

اب کس طرح یہ اعضاء زبان سے مخاطب ہوتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ حقیقتاً کہتے ہوں اسلئے کہ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قوت گویائی عطا فرما دیتے ہوں اور اسکے نتیجہ میں وہ زبان سے گفتگو کرتے ہوں اسلئے کہ زبان کو بھی قوت گویائی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قوت گویائی عطا فرمائیں گے

قیامت کے روز اعضاء بولیں گے

گزشتہ زمانہ میں "نیچریت" کا بڑا زور تھا اور یہ فرقہ نیچریت کے لوگ معجزات وغیرہ کا انکار کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ تو فطرت کے خلاف ہے کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ جو قرآن شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے روز یہ ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے، گفتگو کریں گے، یہ کس طرح گواہی دیں گے انکے اندر تو زبان نہیں ہے اور بغیر زبان کے کیسے بولیں گے؟ تو حضرت تھانویؒ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ زبان بغیر زبان کے کیسے بولتی ہے؟ یہ زبان بھی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اسکے لئے الگ سے کوئی زبان نہیں ہے لیکن پھر بھی بول رہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے گوشت کے اس لوتھڑے کو گویائی کی قوت عطا فرمادی تو بولنے لگی اگر اللہ تعالیٰ اس قوت کو سلب کرلیں تو بولنا بند

کردے گی۔ اور یہی گویائی کی قوت جب اللہ تعالیٰ ہاتھ کو عطا فرمائیں گے تو ہاتھ بولنے لگے گا، پاؤں کو عطا فرمائیں گے تو پاؤں بولنے لگے گا۔

بہرحال یہ حقیقت بھی ہوسکتی ہے کہ صبح کے وقت اعضاء زبان سے اس طرح گفتگو کرتے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ محض ایک تمثیل ہو کہ یہ سارے اعضاء چونکہ اس زبان کے تابع ہیں اسلئے زبان کو صحیح رکھنے کی کوشش کرو۔

بہرحال اس زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے — جب تک انسان اس پر قابو نہ پالے اور اسکو تھامتا ہوں۔ یہ نہ ہوپائے اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس زبان کی حفاظت کرنے اور اسکو صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد رب العلمین

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ
(ترتیب: محمد اقبال قریشی۔ ہارون آباد)

ماہ رمضان المبارک مجاہدہ کا مہینہ

مجاہدہ نام ہے مخالفت نفس کا۔ صوفیا رکرام جنکو عبادت کے ارکان اربعہ قرار دیتے ہیں وہ یہ ہیں قلتہ الطعام۔ قلتہ الکلام۔ قلتہ المنام اور قلتہ الاختلاط مع الانام وغیرہ (یعنی کم کھانا، کم بولنا کم سونا، لوگوں سے کم ملنا جلنا)

روزہ کی حکمت تقلیل طعام (کھانے میں کمی کرنا) ہے کسی کو شاید شبہ ہو کہ جب سحری میں ٹھونس کر کھا لیا تو روزہ میں کیا مجاہدہ ہوا میں کہتا ہوں کہ افسوس تم اپنے نفس کی حالت سے کبھی غافل ہو۔ نفس کو اپنی عادت کے بدلنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ سحری میں آپ کتنا ہی کھالیں دوپہر کو اپنے وقت پر بھوک کا تقاضا ضرور ہوتا ہے اور روزہ کی وجہ سے کھا نہیں سکتے تو نفس کو کلفت ہوتی ہے یہی شرعی مجاہدہ ہے۔

چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ رمضان کے آخری حصہ میں ہر شخص (خواہ وہ سحری میں کتنا ہی پیٹ بھر کر کھانے والے ہوں) کے چہرے سے ضعف کے آثار مترشح (ظاہر) ہوتے ہیں۔

دوسری عبادت اس ماہ رمضان المبارک کی تلاوت قرآن

ہے کیونکہ یہ نزول قرآن کا گویا قرآن پاک کی سالگرہ کا مہینہ ہے۔ پس کثرت تلاوتِ کلام پاک کے لئے تقلیل کلام (بات چیت میں کمی کرنا) لازم ہے کیونکہ جو شخص کثرت تلاوت قرآن پاک میں مصروف ہوگا وہ زیادہ فضول گوئی کیسے کر سکے گا۔

نیز حدیث شریف میں ہے مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ یعنی جو شخص روزہ میں باطل بولنا اور برا کام نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔ غرض جھوٹ، فحش گوئی، غیبت وغیرہ سے بچنے کے لئے تقلیل کلام ضروری ہے۔ یعنی سوچ سوچ کر کلام کرے کہ یہ بات فضول، لایعنی اور گناہ میں تو شامل نہیں اس طرح سے اسے انشاء اللہ تقلیل کلام کی عادت ہو جائے گی۔

تیسری عبادت اس ماہ مبارک کی تراویح ہے جسکی روح تقلیل منام (نیند میں کمی کرنا) ہے۔ شریعت نے محض تبدیلیٔ عادت سے مجاہدہ کا کام لیا ہے۔ کیونکہ عام عادت یہی ہے کہ اکثر لوگ عشاء کے بعد فوراً سو رہتے ہیں تو نیند کے وقت میں تراویح کا امر کرکے عادت کو بدل دیا جس سے نفس کو گرانی ہوتی ہے جو کہ مجاہدہ ہے پھر قاعدہ ہے کہ نیند کا وقت نکل جانے کے بعد نیند دیر دیر میں آتی ہے اس طرح کچھ تقلیل منام حاصل ہو جاتی ہے۔ نیز اگر کوئی شخص پہلے ہی سے دیر سے سونے کا عادی ہو تو مجاہدہ ثمرہ اسے کبھی اس طرح حاصل ہو جاتا ہے کہ آزادی کے ساتھ جاگنا گراں نہیں مگر تقلید کے ساتھ فوراً گرانی شروع ہو جاتی ہے اور ایک منٹ گراں گزرتا۔ یہ اسی تقلید کا نام مجاہدہ ہے۔

نیز چونکہ سحری کرنا مسنون اور موجب برکت ہے اور ہر روز

کو سحری کے لیئے لازمی اٹھنا پڑتا ہے اس طرح سے اسے تہجد کے نوافل پڑھنے کی بھی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح ہر روزہ دار کو تقلیل منام کا مجاہدہ ازخود حاصل ہو جاتا ہے۔ نیز شب قدر کی تلاش میں بھی تقلیل منام کا مجاہدہ ہے۔

چوتھی عبادت آخر رمضان کی اعتکاف۔ ہے جس کی روح تقلیل اختلاط مع الانام ہے (یعنی لوگوں سے میل جول میں کمی کرنا) ہے۔ یہ ریاضت جلوت وخلوت (مجمع اور تنہائی) دونوں کو جامع ہے۔ جلوت تو اس طرح کہ یہ شخص پانچوں وقت نمازیوں سے ملتا ہے اور خلوت اس طرح کہ اختلاط (میل جول) سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ دوست احباب بھی گھر پہ ہی آتے ہیں، مسجد میں لوگ نماز کے بعد ٹھہرتے ہی نہیں اس طرح معتکف کا وقت باتوں میں برباد نہیں ہوتا اور کثرت کلام کے غوائل (مضرتوں، نقصانات) سے محفوظ رہتا ہے اور اسے ذکر و فکر اور نماز و تلاش شب قدر کے لیئے بہت وقت ملتا ہے۔

مجاہدہ میں تکمیل کے لیئے تخلیہ[1] اور تحلیہ[2] کراتے ہیں۔ جیسے برتن کی جب تکمیل کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اسکا میل کچیل صاف کریں گے جو اسکا تخلیہ ہے، پھر اس پہ قلعی یا دوسرا کام کرتے ہیں جو اسکا تحلیہ ہے۔

عادۃً تخلیہ مقدم ہوتا ہے تحلیہ سے کیونکہ بغیر تخلیہ کے تحلیہ ناقص رہتا ہے جیسے کوئی بغیر برتن کا میل صاف کیئے ہوئے اس پر قلعی کر دے۔

اسی طرح صوفیاء کرام تخلیہ اور تحلیہ مریدین کا کرتے ہیں

---

[1] رذائل اور برے اخلاق سے پاک صاف کرنا [2] فضائل اور اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا۔

پہلے ان سے اخلاق رذیلہ دور کرتے ہیں پھر اخلاق حسنہ کا ان پر رنگ چڑھاتے ہیں۔ متقدمین صوفیاء میں پہلے اسکا اختلاف تھا کہ بعض تجلیہ کو مقدم کراتے بعض تحلیہ کو۔ دور حاضر کے محققین اب تجلیہ اور تحلیہ ساتھ ساتھ کرانے میں یعنی اخلاق رذیلہ کے ازالہ امالہ کی تدابیر کراتے ہیں اور ساتھ ساتھ کچھ اوراد و وظائف ذکرو اذکار بھی تعلیم کرتے ہیں۔ البتہ حضرت حکیم الامت مرشد تھانوی قدس سرہٗ کے طریق میں تجلیہ (فکر اصلاح نفس) پر ذکراذکار کی نسبت زیادہ زور دیتے ہیں ـــــ رمضان المبارک میں یہ مجاہدہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہتا ہے روزہ میں (مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ کے مطابق اخلاق رذیلہ اور معاصی سے بچنے پر زور دیا جاتا ہے۔ تراویح میں ختم قرآن، تلاوت قرآن اور نماز تہجد سے تحلیہ کیا جاتا ہے۔

سبحان اللہ! جو بات محققین نے عرصہ دراز کے بعد طے کی ہے شریعت مقدسہ نے اسکو پہلے ہی طے کر دیا تھا مگر اس پر کسی کی نظر نہیں پہنچتی کہ مجاہدہ کی صورت وہ تجویز کی کہ تجلیہ کے ساتھ ساتھ تحلیہ ہوتا رہے۔

(ماخوذ معارف ومسائل ص۱۴۳/۱۸)

مولانا محمد اسحٰق صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

کتاب الجمعہ
(تادیب و تہذیب)
(۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز شیاطین (تمام مقامات پر) پھیل پڑتے ہیں اور لوگوں کو جمعہ سے غافل کرکے بازاروں کی طرف لیجاتے ہیں اور (اس طرح) فرشتے مسجدوں کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور حسب مراتب اول سب سے پہلے آنے والے، پھر انکے بعد آنے والے، پھر انکے بعد آنے والے علیٰ ہٰذا نمبر وار تمام نمازیوں کے نام لکھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ امام (خطبہ کے لیئے منبر پر) آجاتا ہے (اور ملائکہ یہ دفتر بند کر دیتے ہیں)

اب جو شخص خاموشی کے ساتھ امام کے قریب بیٹھکر خطبہ سنتا ہے اور کوئی لغو حرکت نہیں کرتا اسکو دو حصہ ثواب ملتا ہے اور جو شخص امام سے دور رہکر خاموشی سے خطبہ سنتا ہے اور لغو حرکت سے اجتناب کرتا ہے اسکو ایک حصہ ثواب ملتا ہے (ایک حصہ ثواب دور ہونے کی وجہ سے کٹ گیا)۔ اور جو شخص امام کے قریب بیٹھا مگر نہ خاموش رہ کر خطبہ سنا اور نہ بیہودہ حرکات سے باز آیا تو اس پر دو حصہ گناہ ہوتا ہے اور جس شخص نے (نصیحت کے طور پر کسیکو)

"خاموش" بھی کہا تو وہ بول پڑا اور جو شخص (اثنائے خطبہ میں) بولتا ہے اسکا جمعہ نہیں ہوتا پھر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے تمھارے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ارشادات فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اسکو امام احمد نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔

نیز ابو داؤد نے اس روایت کو ان لفظوں سے روایت کیا کہ جمعہ کے روز شیاطین اپنے جھنڈے لیکر صبح ہی سے نکل پڑتے ہیں اور لوگوں کو کاروبار اور موانع میں پھنسا کر دیر کراتے اور جمعہ سے روکتے ہیں (ادھر) فرشتے بھی صبح ہی آجاتے ہیں اور مسجدوں کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور علی الترتیب آنے والوں کے نام اپنے اپنے وقت کے ساتھ لکھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ امام (خطبہ کے لئے منبر پر) آجاتا ہے۔ اب (آنیوالا شخص) اگر ایسی جگہ بیٹھا کہ جہاں سے امام کو دیکھ سکے اور خطبہ سن سکے اور خاموشی کے ساتھ خطبہ سنتا رہا اور کوئی لغو کام نہیں کیا تو اسکو دو حصہ اجر ملے گا اور اگر دور بیٹھا کہ جہاں سے آواز نہ سن سکا مگر خاموش رہا اور کوئی لغو حرکت نہیں کی تو اسکو ایک حصہ اجر ملے گا۔ اور اگر ایسا دور بیٹھا کہ نہ امام کو دیکھ سکا اور نہ خطبہ ہی سن سکا اور لغو بیہودہ حرکتیں کرتا رہا اور خاموش بھی نہ رہا تو دو حصہ گناہ گا ہوگا۔ اور اگر ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے امام کو دیکھ سکے اور خطبہ سن سکے مگر خاموش نہ رہا بیہودہ کام کرتا رہا تو اس پر ایک حصہ گناہ کا ہوگا۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے روز (خطبہ کے وقت) اپنے پاس بیٹھنے والے کو "چپ رہ" کہا تو اس نے بھی لغو حرکت کی اور جو لغو حرکتیں کرتا ہے تو اسکو جمعہ کا کچھ ثواب نہیں ملتا۔ پھر آخر میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ

کہ یہ سب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

ف: حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کا عنوان "تبکیر" یعنی سویرے سے آنا رکھا ہے مگر حقیقت میں ان احادیث میں یوم جمعہ اور نماز جمعہ کے تمام آداب بتلائے گئے ہیں جن میں زیادہ تر اہمیت اول وقت پر جامع مسجد پہونچنے اور مکمل ادب وسکون کے ساتھ مسجد میں بیٹھنے اور کامل توجہ کے ساتھ خطبہ سننے کی ہے۔ گویا حقیقت میں جمعہ جب ہی ہوتا ہے کہ جب انسان ان آداب کو ملحوظ رکھکر اور ہر قسم کی بیہودہ حرکات سے باز رہتے ہوئے نماز جمعہ ادا کرے۔ گو خانہ پری تو ویسے بھی ہو جاتی ہے۔

اس حدیث میں اگر امام سے قریب تر بیٹھنے کی ترغیب ہے تو دوسری احادیث میں گردنیں پھلانگنے اور نمازیوں کو تنگ کرنے پر شدید ترہیب اور تہدید بھی مذکور ہے لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ مقصود شارع یہ ہے کہ اس قدر سویرے آیا جاوے کہ بلا ایذا امام کے قریب جگہ مل سکے اور اگر دیر ہو جائے تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جانا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

حافظ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ایک نامعلوم الاسم راوی ہے۔ نیز لفظ "رَبَائث" (جمع رَبِیْثَۃ بمعنی مانع و شاغل) کی تحقیق کے بعد فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ شیاطین لوگوں کو (کاروبار میں) مشغول کر کے سعی الی الجمعہ سے غافل کر دیتے ہیں حتیٰ کہ اوقات فاضلہ گذر جاتے ہیں (اور ایسے وقت مسجد پہنچتے ہیں کہ خطبہ یا نماز شروع ہو جاتی ہے)

خطابی فرماتے ہیں کہ اس روایتِ ابوداؤد کے لفظ "ترابیث" اور "یرمون" کی کچھ اصل نہیں حقیقت میں صحیح الفاظ "رَبَائث"

اور "بے ثبوت" ہیں۔

(حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت تکرار مضمون کی وجہ سے چھوڑ دی گئی)

حضرت عمرو بن شعیب، اپنے والد سے اور انکے والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے روز فرشتے مسجدوں کے دروازوں پر بھیج دیئے جاتے ہیں جو لوگوں کے آنے کا وقت لکھتے ہیں حتیٰ کہ امام (خطبہ کے لئے منبر پر) آجاتا ہے تو صحیفے بند کر دیئے جاتے ہیں اور قلم اٹھا لئے جاتے ہیں (اور یہ دفتر اندراج بند ہو جاتا ہے) اور پھر ملائکہ آپس میں گفتگو کرتے ہیں کہ فلاں کیوں رہ گیا اور فلاں کیوں رہ گیا (یعنی نمازیوں کے جمعہ سے رہ جانے پر اظہار افسوس کرتے ہیں) اور پھر دعا کرتے ہیں کہ اسے اللہ! اگر یہ گمراہ ہے (اور اس وجہ سے نہیں آیا) تو اسکو ہدایت فرما، یا اگر یہ مریض ہے تو شفا عنایت فرما اور اگر یہ فقیر و تنگدست ہے (اور پیٹ کی فکر میں پھنسا رہا) تو اسکو غنی فرما۔ اس حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

ابو عبیدہؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جمعہ کے روز نماز کے لئے جلدی جایا کرو کیونکہ جنت میں (اسی) جمعہ کے روز (ایک دربار لگا کرے گا اور) اللہ پاک جل شانہٗ کا فور کے (چمکتے ہوئے) تخت پر رونق افروز ہوا کرینگے اور جو لوگ جسقدر جلد جمعہ کے لئے جایا کرتے ہیں اسیقدر انکو اللہ پاک کے قریب (نمبروار) جگہ ملے گی (حتیٰ کہ تمام حاضرین جمع ہو جائینگے) تب اللہ پاک اس قسم کے انوار و برکات اور بزرگی کی چیزیں (حاضرین کے چہروں پر) پیدا فرمائینگے کہ کبھی نظروں سے نگذری

ہونگی (اور یہ دربار ختم ہوجائے گا اور) پھر یہ لوگ اپنے اپنے مکانات پر جائیں گے تو انکے گھر والے (حیرت و استعجاب سے) اس کیفیت کو ان سے بیان کریں گے (کہ یہ آج تمھارے چہروں پر کسقدر حسن و جمال برس رہا ہے) ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد جمعہ کے روز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد میں تشریف لائے تو دو آدمی ان سے پہلے آچکے تھے آپ نے فرمایا کہ دو یہ ہیں اور تیسرا میں ہوں اگر اللہ تعالے تیسرے پر بھی کرم فرمانا چاہیں گے۔ اسکو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔ اور ابوعبیدہ کا نام عامر ہے انکو اپنے والد عبداللہ بن مسعودؓ سے سماع نہیں لیکن کہتے ہیں کہ ہے۔

حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے ہمراہ جمعہ کے روز نماز کے لئے گیا تو تین آدمی انؓ سے پہلے مسجد میں آچکے تھے فرمانے لگے میں چوتھا شخص ہوں اور اللہ (کی وسیع رحمت) سے چار شخصوں میں سے چوتھا شخص کچھ بعید نہیں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جنت میں (جمعہ کے روز) جنتی اللہ پاک کے قریب بیٹھیں گے جو شخص جس قدر جلد جمعہ کے لئے جاتا ہے اسی قدر قریب بیٹھے گا۔ سب سے قریب اول آنے والا پھر دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا اور چار شخصوں میں سے چوتھا شخص اللہ (کی رحمت) سے کچھ بعید نہیں۔ اسکو ابن ماجہ اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا ان دونوں کی اسناد حسن ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت پہلے گذر چکی کہ حضور اکرم صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے غسل کیا اور سر دھویا اور سویرے سے (نماز کے لئے) گیا اور امام سے بالکل قریب ہوکر بیٹھا اور خطبہ سنا تو اسکو ہر قدم کے

بدلے میں ایک سال کے روزے نماز کا ثواب ملے گا اسی طرح ایک حدیث اوس بن اوسؓ کی اس مضمون کی گذرچکی ہے۔

جمعہ کے روز نمازیوں کی گردنیں پھلانگنے کی ترہیب

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جمعہ کے روز ایک آدمی نمازیوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ حضورؐ نے (دیکھکر) فرمایا بیٹھ جاؤ تم نے دیر (بھی) کی اور (نمازیوں کو) ستاتے ہو۔ اسکو امام احمدؒ ابوداؤدؒ نسائیؒ نے روایت کیا۔ نیز ابن خزیمہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ مگر ابوداؤد اور نسائی کے ہاں "آنیت" کا لفظ نہیں ہے۔ ابن ماجہ نے جابر بن عبداللہ سے روایت کیا۔

خطبہ کے وقت خاموش رہنے کی ترغیب اور خطبہ کے وقت کلام کرنیسے ترہیب

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم نے اپنے پاس والے آدمی کو خطبہ کے وقت "خاموش" بھی کہا تو ایک بے فائدہ کام کیا۔

اسکو بخاری مسلم ابوداؤدؒ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور

ابن خزیمہ نے روایت کیا۔

لَغَوْتَ کے معنی بعض علماء نے اجر سے محروم ہونے کے لئے ہیں اور بعض کے نزدیک اسکے معنی تَكَلَّمْتَ کے ہیں یعنی دوسرے کو خاموش کہنا بھی کلام کرنا ہے بعض کے خیال میں اسکے معنی خطا کرنے کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جمعہ کا ثواب ضائع کردیا اور بعض کہتے ہیں کہ جمعہ جمعہ نہیں رہا بلکہ ظہر ہوگیا۔ اور اسکے علاوہ اور معنی بھی اسکے بیان کئے گئے ہیں۔

ف: اقرب الی التحقیق یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے روز خطبہ کے وقت کلام کرنا ثواب اور اجر کو ضائع کردیتا ہے۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز خطبہ میں شیونِ الٰہیہ کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ تبارک الذی پڑھی، حضرت ابوذر رضی اللہ ابی بن کعبؓ (کے پاس بیٹھے ہوئے تھے (ان) کو ہاتھ سے اشارہ کرکے دریافت کرنے لگے کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی میں نے اب تک نہیں سنی۔ انھوں نے اشارہ سے کہا کہ خاموش رہو (خیر) جب سب لوگ نماز پڑھکر واپس آگئے تو ابوذرؓ نے ابی بن کعبؓ سے کہا کہ میں نے تم سے دریافت کیا تھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی تو تم نے مجھے نہیں بتلایا۔ ابی بن کعبؓ نے کہا کہ آج تم کو جمعہ میں سے کچھ نہیں ملا بجز فضول باتوں کے (یہ سنکر) ابوذرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ اور ابی ابن کعب کا جواب سب آپ کو سنایا تو آپ نے فرمایا کہ ابی بن کعب واقعی سچ کہتے ہیں۔

اسکو ابن ماجہ نے باسناد حسن روایت کیا نیز ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذرؓ سے نقل کیا کہ میں جمعہ کے روز مسجد میں

داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے میں ابی بن کعبؓ کے پاس بیٹھ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثنائے خطبہ میں سورۃ بَرَاءَتْ تلاوت فرمائی تو میں نے ابی بن کعبؓ سے دریافت کیا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی تو انھوں نے ترشروئی کے ساتھ منھ پھیرلیا اور بات نہیں کی، پھر تھوڑی دیر بعد میں نے ان سے یہی دریافت کیا تو پھر کبھی منہ بناکر خاموش ہوگئے اور مجھ سے کلام نہیں کیا پھر میں تھوڑی دیر ٹھہرا رہا اور اسکے بعد ان سے یہی بات پوچھی تو انھوں نے تیوری چڑھالی اور ناگواری اور غصہ کے ساتھ میری طرف دیکھکر میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ جب خطبہ ختم ہوگیا اور آپؐ نماز سے بھی فارغ ہوگئے تو میں نے پھر ابی بن کعبؓ سے کہا کہ میں نے ایک بات آپ سے پوچھی تھی آپ نے غضبناک چہرہ بنالیا اور جواب نہیں دیا، تب حضرت ابی ابن کعبؓ کہنے لگے کہ آج تمکو جمعہ کی نماز سے بجز ان بیہودہ باتوں کے اور کچھ نہیں ملا یہ سنکر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا نبی اللہ! میں آج جمعہ میں ابی بن کعبؓ کے پاس بیٹھا تھا آپؐ نے (خطبہ میں) سورۃ براءت پڑھی میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی؟ تو یہ غضبناک اور ترشرو ہوگئے اور انھوں نے مجھ سے بات تک نہ کی پھر (جب خطبہ ختم ہوگیا تو) کہنے لگے کہ تمھیں جمعہ کی نماز سے آج بجز ان بیہودہ باتوں کے اور کچھ نہیں ملا۔ آپؐ نے فرمایا ابی بن کعب سچ کہتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ

چند نیکیاں اور ایصال ثواب

(۵)

سورۃ الکافرون

حدیث شریف میں اس سورت کو چوتھائی قرآن کریم کے برابر قرار دیا گیا ہے (ترمذی) اسطرح چار مرتبہ اسکے پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کریم کے برابر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ وَلَآ
اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ
وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۭ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

سورۃ النصر

حدیث شریف میں اسکو بھی چوتھائی قرآن کریم کے برابر فرمایا ہے (ترمذی) اسطرح چار مرتبہ اسکو پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کریم کے برابر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ

يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۠

سورۂ اخلاص کے فضائل

احادیث طیبہ میں اس کے بڑے فضائل آئے ہیں ذیل میں انکا مختصر انتخاب پیش کیا جاتا ہے :۔

(ایک قرآن کریم کے برابر ثواب)

سورۂ اخلاص کو احادیث طیبہ میں تہائی قرآن کریم کے برابر فرمایا ہے اور بعض احادیث میں تین بار پڑھنے کو پورے قرآن کریم کے برابر قرار دیا ہے (بخاری وکنزالعمال ص ۵۸۵ ج ۱۰) اس طرح چھ مرتبہ اسکو پڑھنے سے دو قرآن کریم کے برابر ثواب ملے گا۔

(جنت میں ایک محل)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دس مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے اللہ تعالیٰ اسکے واسطے جنت میں ایک گھر بنا دیتے ہیں۔ (کنز ص ۵۸۵ ۔ ج ۱)

(چار قرآن کریم کا ثواب)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے فجر کی نماز کے بعد بارہ مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا تو یہ ثواب میں ایسا ہے) جیسے اس نے چار مرتبہ قرآن کریم پڑھا اور اس دن

روئے زمین پر بسنے والوں میں وہ سب سے افضل شخص ہوگا
بشرطیکہ گناہوں سے بچے (کنز ص۵۹۹ ج۱)

(پچاس سال کے گناہ معاف)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص پچاس
مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے
گناہ (صغیرہ) معاف فرما دیں گے۔ (کنز العمال ص۵۸۹ ج۱)

(دوزخ سے براءت)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز میں یا نماز
کے علاوہ ۱۰۰ مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے
واسطے دوزخ سے ایک برارت تحریر کر دیں گے
(کنز العمال ص۵۸۵ ج۱)

(۲۰۰ سال کے گناہوں کی معافی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دو سو مرتبہ
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے دو ۲۰۰ سو سال کے
(گناہ صغیرہ) معاف کر دیں گے
(کنز العمال ص ۵۸۶ - ج۱)

(ہزاروں ملائکہ کی صف بندی)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور عرض کیا کہ حضور! معاویہ بن معاویۃ المزنی رضؓ کا انتقال ہو گیا ہے کیا آپ انکا نماز جنازہ پڑھنا پسند کریں گے؟ (آپ ؐ نے آمادگی ظاہر فرمائی) چنانچہ جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پر مارا جس سے (درمیان میں) نہ کوئی درخت باقی رہا نہ کوئی پردہ حائل رہا (درمیان کی ہر چیز پامال ہو کر رہ گئی) اور انکا جنازہ آپ کے سامنے کیا گیا یہاں تک کہ آپ ؐ نے اسکو دیکھا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی اور فرشتوں کی دو صفوں نے بھی ان پر نماز جنازہ ادا کی، ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے میں نے کہا اے جبرائیل! کس عمل کی بدولت منجانب اللہ انکو یہ مرتبہ ملا۔ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَد سے محبت رکھنے اور اس سورت کو آتے جاتے کھڑے بیٹھے ہر حال میں پڑھنے کی وجہ سے (ان کو یہ مرتبہ ملا ہے) (کنز العمال ص ۶۰۱ - ج ۱)

ف: آپ بھی سورۂ اخلاص کا حسب استطاعت معمول بنانے پر مذکورہ بالا فضائل اور ثواب حاصل کر سکتے ہیں، سورۂ اخلاص یہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۧ

آسان ایصال ثواب

ایصالِ ثواب برحق ہے اور یہ زندہ اور مردہ دونوں کو ہو سکتا ہے (شامیہ)

اسلئے اپنی اولاد اور ماں باپ کو انکی زندگی میں اور انکے انتقال کے بعد دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے اور ایصال ثواب کے لئے کوئی خاص دن تاریخ مہینہ اور کوئی خاص نیک عمل شرعاً مقرر نہیں چنانچہ قرآن کریم پڑھکر یا صدقہ کرکے، نفل نماز پڑھکر یا جس وقت جو نیک کام ہو جائے اسکا ثواب پہنچانا جائز ہے اسیطرح ذکر کرکے تسبیحات پڑھکر حج کرکے یا عمرہ کرکے یا کوئی دینی کتاب خود لکھکر یا چھپوا کر مسلمانوں میں تقسیم کرکے یا وعظ و نصیحت کرکے اسکا ثواب بھی پہنچانا درست ہے۔ لہٰذا اپنی طرف سے کسی خاص دن، تاریخ کو یا کسی خاص طریقہ کو یا کسی خاص عمل کو ایصال ثواب کے لئے زیادہ باعث فضیلت سمجھنا یا سنت سمجھنا یا لوگوں کی لعنت ملامت سے بچنے کی غرض سے کرنا درست نہیں ایسی باتوں سے بچنا چاہیئے اور ایصال ثواب میں شریعت کی دی ہوئی آسانی اور آزادی کو برقرار رکھنا چاہیئے اور جہاں تک ہو سکے ایصال ثواب نہایت اخلاص کے ساتھ کرنا چاہیئے، نام و نمود سے اور رواجی طریقوں سے بچنا چاہیئے۔

دس قرآن کریم کا ثواب

اوپر جو مختصر اعمال اور سورتوں کے فضائل لکھے گئے ہیں اگر روزانہ ان سب کو پڑھکر انکا ثواب اپنے مرحومین کو پہنچا دیا کریں تو مختصر وقت میں کم از کم دس قرآن کریم اور ایک ہزار آیات کا ثواب اور دیگر اعمال کا بیحد اجر و ثواب ملے گا اور جس کو بھی یہ بخشا جائے گا اسکی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا اور ایصال ثواب کرنیوالے کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی بلکہ دوسروں کو ثواب پہنچانے کا اسکو مزید ثواب ملے گا (درمختار مع الشامیۃ)

اسلئے روزانہ اس رسالہ کو پڑھنے کا معمول بنالیں۔

ایصال ثواب کا طریقہ

ایصال ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اپنے والدین اور اپنے اہل وعیال کو ثواب پہنچانا ہو تو یوں کہیں۔

"اے اللہ! جو کچھ میں نے پڑھا ہے اسکا ثواب
میرے والدین اور میرے اہل وعیال کو
پہنچا دیجئے۔ آمین"

اگر سب کو ثواب پہنچانا ہو تو اس طرح کہیں

"اے اللہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے اسکا ثواب
تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو پہنچا دیجئے
خواہ انکا انتقال ہوچکا ہو یا فی الحال زندہ ہوں
یا آئندہ قیامت تک پیدا ہونگے، انسان
جنات سب کو پہونچا دیجئے۔ آمین"

جب قبرستان جائیں تو جسکی قبر پر جائیں اسکو کچھ پڑھکر ثواب پہنچا دیں اور اسکے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ اور نیز بارہ مرتبہ قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَد پڑھکر اس قبرستان میں جتنے مسلمان مرد وعورت مدفون ہیں سب کو ثواب پہنچا دیں مثلاً یوں کہدیں:-

"اے اللہ بارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھنے کا ثواب
اس قبرستان کے سارے مسلمانوں کو پہنچا دیجئے
اور ان سبکی مغفرت فرما دیجئے اور انپر رحم فرمایئے۔ آمین"

مسئلہ: فرائض و واجبات کا ثواب پہنچانا منع ہے البتہ نفل کاموں، نفل نمازوں، تلاوت، تسبیحات اور دوسرے غیر واجب اعمال کا ثواب پہنچانا جائز ہے۔ (شامیہ)

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

اللہ جل شانہٗ کی محبت کیسے پیدا ہو

میں ان اسباب کو بیان کرتا ہوں جن سے محبت پیدا ہوتی ہے اسکے لئے چند باتوں کا التزام کرنا چاہیئے۔

ایک تو اسکا کہ کسی وقت خاص میں خدا تعالیٰ کے انعامات کو سوچا کرے اور اسکے ساتھ اپنی نالائق حرکتوں کا مطالعہ کرے اور غور کرے کہ اگر حکام ظاہری کی اتنی مخالفتیں کرتا تو کیا انجام ہوتا اور انکی نگاہوں میں کیسی ذلت ہوتی مگر حق تعالیٰ نے باوجود میری سرکشی کے اپنے انعامات مجھ پر بند نہیں کئے

ولیکن خداوندِ بالا و پست بعصیاں درِ رزق برکس نہ بست

یعنی خدا تعالیٰ نے گناہوں کی وجہ سے کسی پر رزق کا دروازہ بند نہیں کیا۔ ایک جزو تو یہ ہے

دوسرا یہ ہے کہ احکام ظاہریہ شرعیہ کو تبکلف شروع کردے، یہ تجربہ ہے کہ اعمال میں محبت پیدا کرنے کا خاصہ ہے کہ اگر اول اول محبت نہ بھی ہو تو بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے جیسے مقناطیس کی کیفیت ہے کہ لوہا جب دور ہے تو کچھ نہیں اور جہاں پاس آیا تو یہ خود کھینچ لیتا ہے، اعمال میں بھی مقناطیسی اثر ہے۔

تیسرا جزو یہ ہے کہ کچھ وقت ذکر کے لئے بھی نکال لے خواہ تھوڑی ہی دیر ہو، خواہ بلا مرید بنے ہی ہو، مگر خلوت میں ہو ذرا توجہ کے ساتھ۔

چوتھا جزو یہ ہے کہ اہل اللہ کے پاس بیٹھا کرے انشاء اللہ انکی صحبت کا اثر ہوگا کہ بہت جلد دنیا کی محبت دل سے کم ہو جائیگی اور اہل اللہ کی پہچان یہی ہے انکی صحبت میں دنیا کی محبت کم ہو اور خدا کی محبت زیادہ ہو۔

انشاء اللہ اگر یہ چار جزو کا نسخہ زیر عمل رہیگا تو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ چالیس دن کے اندر اندر ضرور اسکے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائیگی اور میرا دعویٰ بھی، یہ بھی خدا اور رسولؐ کے ارشادات پر اعتماد کرکے کہتا ہوں کوئی اپنے گھر سے نہیں کہتا۔

خبریں

برطانوی وزیر اعظم کی مغرب میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کی اپیل اور اسمیں عدم تشدد کی یقین دہانی

برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیر نے اسطرح کے کاموں اور کارروائیوں پر تنقید کی ہے جو کہ اسلام کو انتہا پسندی اور دہشت گردی کا الزام دیتے ہیں انھوں نے کہا کہ ایسے لوگوں کیلئے جو یہ جانتے ہیں کہ عالم اسلام اور مغرب میں کشمکش ہونا ایک حتمی بات ہے، اسلام کو دہشت گرد اور انتہا پسند کہنا زیب نہیں دیتا ایک صحافتی انٹرویو میں (The Muslim News) نامی اخبار میں ان سے ایک سوال کے وقت پوچھا گیا کہ کیا انھوں نے کیمونزم کے زوال کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو مغرب کیلئے ایک نیا خطرہ خیال کیا تھا؟ تو انھوں نے کہا نہیں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اسلام کا کیمونزم سے موازنہ کرنا چہ معنی دارد؟

وزیر اعظم نے مزید کہا کہ دنیا کا کوئی بھی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کے مسائل انکے عزائم اور انکے تقاضے جو قرآن کریم سے انکو حاصل ہو رہے ہیں انکے بغیر اسلام کا تعارف نہیں کرا سکتا اور ہماری یہ مہم ہے کہ ہم اس پیغام کو عام ظاہر کریں جسمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام دہشت گردی اور انتہا پسندی کا مذہب نہیں ہے جس کا تصور برطانیہ میں بسنے والوں کو اگلی صدی میں ہوگا۔

برونائی: ایک اخباری رپورٹ کے مطابق برونائی دارالسلام ایک مسلم اکثریتی ملک ہے اسمیں بیشمار خوبیاں ہیں مثلاً یہ دنیا کے ان چند ممالک میں سے ایک ہے جنھیں شہریوں پر کوئی ٹیکس نہیں جسکی آبادی ۳ لاکھ ۵ ہزار ہے یہ ایک ایسا جزیرہ ہے جسکا کل رقبہ ۵ ہزار ۸ سو مربع کلومیٹر ہے اور جسکی ۷۵ فیصد زمین پر جنگل ہے جس میں جرائم کی شرح صفر ہے اس ملک میں شادی کے بعد نئے جوڑے کو سرکاری فنڈ سے حج کرایا جاتا ہے ان نئے شادی شدہ جوڑوں کو رہائشی پلاٹ اور اسپر گھر بنا کر دیا جاتا ہے جسکی قسطیں ان لوگوں کو تیس سال میں ادا کرنا ہوتی ہیں حکومت ہر شہری کو گاڑی کیلئے بہت ہی آسان شرائط پر قرض دیتی ہے ملک میں علاج اور تعلیم خواہ وہ کسی بھی سطح کی ہو بالکل فری ہے۔ یہ دنیا کا واحد ملک ہے جہاں خزاں نہیں آتی، موسم خواہ کوئی بھی ہو اسکے درختوں کے پتے پیلے نہیں ہوتے، انکی شاخیں ننگی نہیں ہوتیں اور سبزہ کا تو یہ عالم ہے کہ وہ اگنے کیلئے جگہ تلاش کرتا ہے ایک سیاح کے بیان کے مطابق اگر آپ اپنا گیلا کوٹ باہر لٹکائیں تو شام سے پہلے اسکی جیبوں اور اسکے کالر پر چھوٹی چھوٹی کونپلیں پھوٹ چکی ہونگی کیونکہ برونائی کی فضا میں قوت نمو اس قدر ہے کہ شاید اسکی اسی سبز فضا کی وجہ سے اسے "گرین جیول" کے نام سے پکارا جاتا ہے